مختلف مضامین
۱۲

علّامہ نصیرالدّین نصیر ہونزائی

کے ٹرانسکرائب لیکچرز

تمہید

استادِ بزرگوار علامہ صاحب قبلہ نے اپنی صد سالہ عمرِ گرانمایہ میں اپنی زبانِ فیض بار اور قلمِ جواہر نگار سے کتابوں کے علاوہ آڈیو لیکچرز کی صورت میں ایک بیش بہا خزانہ عالمِ انسانیت کے لئے عطا کیا ہے۔ اِن لیکچرز کی اہمیت کے حوالے سے آنجناب خود فرماتے ہیں:

''ہمارے کیسٹوں میں جو تقاریر ہیں وہ بنیادی اور اساسی مواد کا کام دیں گے، یعنی اُن سے اسماعیلی مذہب پر ریسرچ میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ میرے نزدیک ہر کیسٹ کا مواد ایک کتابچہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں بڑی اہم باتیں ریکارڈ ہوئی ہیں۔ کیسٹوں کے قیمتی مواد کو محفوظ کر لینا ضروری ہے، کیونکہ یہ ہماری پیاری جمعیت کی دولت ہے، یہ ہمارے علمی سرمایے کا ایک اہم حصّہ ہے، اور ہم کو یقین ہے کہ مستقبل میں ہمارے ان علمی کاموں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہونے والا ہے، ہماری تحریروں کے ایک ایک پُرزے پر ریسرچ ہوگی، کیونکہ ہماری نگارشات میں امامِ عالیمقامؑ کی نورانیت و روحانیت براہِ راست کارفرما ہے''۔ (غیر مطبوعہ)

استادِ گرامی قبلہ کی اِس روشن ہدایت کے پیشِ نظر اِن گرانمایہ دُرّ و مرجان کو ضبطِ تحریر میں لانے کا انتہائی اہم اور دقیق کام استاد بحر العلوم صاحب کی سرپرستی میں شروع کیا گیا ہے۔ اور آپ نے اِس سلسلے میں خانۂ حکمت کے تمام سینٹرز میں جا کر اس کام کی اہمیت کے حوالے سے آگاہی اور رہنمائی فرمائی ہے اور ناچیز کو اِن لیکچرز کو تحریر میں لانے اور منظم کرنے کی ذمہ داری دی ہے اس سلسلے میں کئی احباب انتہائی جانفشانی سے کام کر رہے ہیں۔ ان خزائن کو جماعت اور دنیائے انسانیت تک پہنچانے کے لئے محترم مصطفیٰ مومن صاحب نے اسے (ebook) کی صورت میں پیش کرنے میں ہماری مدد فرمائی ہے۔

ناچیز نسرین اکبر

مختلف مضامین ۔۵

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	لیکچر نمبر	صفحہ نمبر
۱	قرآنِ حکیم کی مختلف آیات کا تاویلی تذکرہ (۹۹:۱، ۳۳:۱۱) (۲:۱۵۵ ۱۵۶) (۲۵:۳۰) (۲:۲۶۹) (۳۱:۱۲) (۸:۳۷) (۲۷:۳۹ - ۴۰) (۱۵:۲۶۔۳۰) (۱۱۸۱) (۱۶:۸۱) (۳۹: ۶۳، ۴۲:۱۲)	۴۱	۱
۲	خانۂ حکمت کا طریقۂ تعلیم اور مستقبل میں اسماعیلی مذہب پر ریسرچ	۴۲	۲۱
۳	امامؑ اور قرآن۔ جسمانی، روحانی اور عقلی عذاب	۴۳	۲۷
۴	روح کے بارے میں سوال وجواب (از کتاب روح کیا ہے: سوال ۱۔۲۵)	۴۴	۳۷
۵	روح کے بارے میں سوال وجواب (از کتاب روح کیا ہے: سوال نمبر ۲۵ تا ۳۰)، ملک چین میں اسماعیلی	۴۵	۵۹
۶	حقیقی علم خدا کا عرش ہے۔	۴۶	۷۸
۷	تصوف، انسانی اختیار، نورِ ہدایت (۳۵:۲۴)	۴۷	۸۸
۸	عرشِ الٰہی، مکان ولا مکان کی کیفیات، دورِ روحانی، انسانی اختیار	۴۸	۱۰۶
۹	خدا کی سنت، سورۃ الشعراء، (آیت ۲۲۴ تا ۲۲۷) کی تاویل، باغِ روحانیت کا برباد ہونا (۶۸:۷ تا ۳۳)، روحانیت کے دو باغ (۱۸:۳۲ تا ۴۲)	۴۹	۱۲۵
۱۰	علم وعبادت = خدا کے خزانے لفظِ فرقان کی وضاحت	۵۰	۱۳۹

Click here for Audio

استادِ بزرگوار علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی ق س کا پُرحکمت بیان

عنوان: قرآنِ حکیم کی مختلف آیات کا تاویلی تذکرہ

[رُوحانی بھونچال (۹۹:۱، ۳۳:۱۱)، صبر کی حکمت (۲:۱۵۵_۱۵۶)، مَھۡجُوۡرًا کی وضاحت (۲۵:۳۰)، حکمت خیرِ کثیر (۲:۲۶۹)، (۳۱:۱۲)، پاکیزگی (۷۳:۸)، قصۂ بلقیس (۲۷:۳۹_۴۰)، قصۂ حضرت آدمؑ اور ابلیس (۱۵:۲۶_۳۰)، قرآن کی مخصوص زبان، پاکیزگی کی مزید وضاحت، آسمان کا چھلکا اُتارنے کی تاویل (۸۱:۱۱)، جسمِ لطیف (۱۶:۸۱)، آسمان و زمین کی کلیدیں (۳۹:۶۳، ۴۲:۱۲) قسمت اور تقدیر، انسان اور جنّ کی خلقت]

کیسٹ نمبر: ۴۱ تاریخ: اپریل/ ۱۹۸۱، کراچی

رُوحانی بھونچال (۹۹:۱، ۳۳:۱۱)، صبر (۲:۱۵۵_۱۵۶)

یہاں یہ اُصول بھی بتایا گیا کہ رُوحانیت میں جو چیزیں ہیں اُن کی مثالیں مادّیت میں پائی جاتی ہیں، اور اگر یہ بات نہیں ہوتی تو رُوحانیت کی شناخت ہی نہیں ہوتی، چنانچہ اِس سلسلے میں جو جسمانی بخار ہے وہ رُوحانی بخار کے مُشابہ ہے یا کہ یہ اُس کی مثال ہے، رُوحانی بخار کو بخار نہیں کہا جاتا ہے بلکہ اُس کو قرآن میں زلزلہ کہا گیا ہے۔ زلزلے کو اُردو میں بھونچال کہتے ہیں، قرآن میں یہ ذکر ہے کہ قیامت کے دن بھونچال آئے گا جس کو (Earthquake) کہتے ہیں۔ اہلِ ظاہر یہ سمجھتے ہیں کہ بس بھونچال آئے گا اِس زمین پر، حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ زمین سے مُراد زمینِ دل ہے اور زمینِ رُوحانیت ہے اور دعوت کے اُوپر والے درجے آسمان ہیں اور دعوت کے نچلے درجے زمین ہیں، تو خدا نے قرآن کے اندر جو آسمان کا نام لیا ہے اُس سے رسولؐ مُراد ہیں، امامؑ مُراد ہیں جو رُوحانیت کے، مرتبت کے، علم کے اور فیض دینے کے آسمان ہیں۔ پھر اُن کے اعلیٰ مراتب ہیں، حدود کے، دین کے اور جہاں خدا نے زمین کا نام لیا ہے تو اِس زمین سے مُرید مُراد ہیں اور زمینِ رُوحانیت مُراد ہے مثلاً شاگرد زمین ہے کس (Sense) میں؟ اِس معنیٰ میں اور اِس (Sense) میں کہ اُستاد اُس کے دل کی زمین میں کچھ کاشت کرے گا، کچھ اُگائے گا، کچھ درخت، کچھ پھول، کچھ فصل اور پھر اُس کی آخرت کی آبادی ہوگی، اِس معنیٰ میں مُرید یا کہ شاگرد جو ہے وہ زمین ہے، تو خداوندِ عالم نے جیسا کہ قرآن میں فرمایا کہ: قیامت کے دن زمین کا زلزلہ آئے گا، بھونچال آئے گا (۹۹:۱)۔ تو اِس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ جو کبھی کبھار اب بھی بھونچال آتا ہے تو کیا اِس سے قیامت برپا ہوگئی؟ تو پھر قیامت کے دُوسرے آثار کہاں؟ یہ بھونچال تو اَب سے نہیں ہے، جب سے یہ زمین پیدا ہوئی ہے تب سے بھونچال آتا رہتا ہے، لیکن اِس کے ساتھ قیامت کی کوئی وابستگی نہیں ہے۔ خدا نے

تو یہ کہا تھا کہ جیسے ہی زمین میں زلزلہ آئے گا بس اُسی کے ساتھ سمجھ لینا کہ وہ قیامت ہے اور اُسی کے ساتھ قیامت برپا ہوجائے گی اور اگر یہ اِس مادّی زمین کی بات ہوتی تو اِس کا بھونچال تو آگیا وہ قیامت کہاں ہے؟ لیکن یہ بات نہیں ہے، تو اِس زلزلے سے زلزلۂ رُوحانیت مُراد ہے اور اُس کے فائدے کی بات بتائی گئی کہ اُس کے اندر تزکیہ ہے، اور رسولؐ نے جو فرمایا کہ: [اِنَّ اَلْحُمّٰی طَهُوْرٌ مِنْ رَبٍّ غَفُوْرٍ] بخار جو ہے ربّ غفور سے پاکیزگی ہے۔ [دعائم الاسلام، جلد اوّل: کتاب الجنائز]

اَب ذرا سوچنے کی بات ہے تو رسولؐ کی بات ایسی ہونی چاہئے کہ جو سو فیصد وہ صحیح ہو، لیکن یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ رسولؐ کی یہ ہدایت سو فیصد صحیح نہیں ہوتی ہے، کس طرح؟ ایک مومن کی پاکیزگی تو ہوگئی بخار سے، لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ منافق کی بھی پاکیزگی ہوتی ہے اور کافر کی بھی ہوتی ہے اور مشرک کی بھی ہوتی ہے اور ہر شخص کی، بس اِسی بخار کے ساتھ اُس کو سارا گناہ معاف ہوتا ہے، یہ بات تو نہیں ہوسکتی ہے۔ جب کہ قرآن نے یہ فرمادیا کہ جب تک خداشناسی نہ ہو، جب تک خدا کی پہچان نہ ہو، جب تک صحیح دین نہ ہو تو اعمال بے کار جائیں گے، تو اِسی اُصول کے مطابق یہ بخار جس کی رسولؐ نے تعریف کی تھی کسی منافق کے کام نہیں آسکتا ہے، کسی کافر، کسی بے دین اور کسی مشرک کے لئے کام نہیں آسکتا ہے، تو اِس حساب سے رسولؐ کی یہ حدیث ظاہر میں ایک طرح سے صحیح بھی ہوگئی، اور پھر دُوسری طرف سے صحیح نہیں بھی ہوئی، تو اِس کے لئے ہمیں صحیح مقام دیکھنا چاہئے کہ کہاں کون سا مقام ہے جس میں کہ یہ حدیث سو فیصد صحیح ہے، تو وہ مقام رُوحانیت ہے اور اِس کا اطلاق رُوحانی زلزلے پر ہوتا ہے، جب ہم کہیں گے کہ وہ رُوحانی زلزلہ جب آتا ہے تو وہ گناہوں کی معافی کے لئے ہے، تطہیر کے لئے ہے، پاکیزگی کے لئے ہے، تو اِس کی تشریح ہوئی اور آخر میں ایک عمدہ بات یہ کہی گئی کہ جنگِ خندق میں بہت سے مومنین پر رُوحانی زلزلہ آیا تھا (۳۳:۹۔۱۱) اِس لئے کہ اُن کو آزمایا گیا تھا، اُن پر بہت مصیبت آئی تھی، اُنہوں نے بہت تکلیف اُٹھائی تھی اور دشمن سامنے زبردست تھا تو اُن کو سکونِ رُوحانی دینے کے لئے خداوندِ عالم نے اُن کے لئے یہ معجزہ کیا تھا اور تیسری بہت عمدہ بات اِس میں یہ ہے کہ کوئی مومن یہ نہ خیال کرے کہ اَب اگر جہاد نہیں ہے، تو اصحابِ رسولؐ کی طرح جن کو جنگِ خندق کے موقع پر یہ زلزلہ حاصل ہوا تو اُس کے لئے کیا کرنا چاہئے، تو یوں نہیں سوچا جائے بلکہ مولا علیؑ کے ایک فرمان کے مطابق جو مومن ہے وہ شہید ہے، شہید کے مرتبے پر ہے، وہ زندہ شہید ہے اور جب زندہ ہے وہ ایک ایسے شہید کی طرح ہے جو مرا تھا لیکن پھر زندہ ہوا یا یوں کہنا چاہئے کہ مومن جو ہے وہ شہید کی سی زندگی گزارتا ہے۔ لہٰذا غازیوں کو، شہیدوں کو، مجاہدوں کو جو کچھ ملنا چاہئے یا جو کچھ ملتا ہے وہ اِن کو بھی ملنا چاہئے جو عام مومنین ہیں کیونکہ مومنین جو کام کرتے ہیں، جو عمل کرتے ہیں، جو اپنے خداوند کو پہچانتے ہیں یہ بہت اعلیٰ مقام ہے۔ لہٰذا وہ زلزلہ اِن پر بھی آئے گا اور وہ شرف اِن کو بھی حاصل ہوگا، تو یہ زلزلۂ رُوحانی کی بات ہے۔

یہاں پر ایک بات میں اور بتاؤں آپ کو، یاد رہے کہ اگرچہ کوئی (Topic) قرآن میں چند آیتوں میں ہے لیکن

اِس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بس یعنی چند آیتوں میں محدود ہے، بلکہ وہ (Subject) اِس کے علاوہ دُوسری آیتوں میں بھی ہے، وہ کس طرح؟ قرآن کے اندر کچھ الفاظ ہوتے ہیں جن میں نمایاں طور پر کسی موضوع سے بحث ہوتی ہے، لیکن اِنہی الفاظ کے مترادفات ہوتے ہیں، ہم معنی الفاظ جن کو آپ انگلش میں (Equivalents) کہتے ہیں تو وہ دُوسرے ہم معنی الفاظ میں بھی یہی مضمون چلتا ہے، ایک بات۔ دُوسری بات میں آئندہ بھی شاید کسی موقع پر بتاؤں گا کہ الفاظ یعنی قرآنی الفاظ کے رشتے ہوتے ہیں جس طرح انسانوں کی رشتے داری ہوتی ہے، وہ کس طرح؟ دیکھیں کہ میں آپ کو بتاؤں گا کہ کس طرح قرآنی الفاظ کا رشتہ ہوتا ہے، هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (۳۳:۱۱) ''اِس مقام پر مومنین کو آزمایا گیا اور وہ سختی کے ساتھ ہلائے گئے''۔ اِس مقام پر مومنین کو آزمایا گیا، یہ آزمانا یا امتحان لینا یہ ایک لفظ ہو گیا، اَب ہمیں سوچنا ہے کہ کس سلسلے میں آزمایا جاتا ہے مومن کو اور اُس کی آزمائش کس طرح مکمّل ہوتی ہے یعنی مومنین پر سختیاں آتی ہیں دین کے سلسلے میں، مصیبتیں ٹُوٹتی ہیں، آفتیں آتی ہیں، دشمن سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے، جہاد میں جانا ہوتا ہے، بیماریاں آتی ہیں، بھوک، پیاس ایسی بہت سی چیزیں اور تکالیف آتی ہیں تو اُس میں اُن کی آزمائش یا کہ اُن کے اِمتحان کی کامیابی کس بات میں ہے؟ صبر میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس میں صبر چاہئے، اَب صبر کا رشتہ ہے اِس زلزلے کے ساتھ کیونکہ یہ زلزلہ آزمائش کے بعد ہے، آزمائش سے پہلے نہیں ہے، یہ بہت اعلیٰ ہے۔ اِس واسطے بہت سے امتحانات کے بعد اِس کو رکھا گیا ہے اور امتحانات کے لئے صبر چاہئے، تو صبر کا اِس لفظ کے ساتھ رشتہ ہے، پھر تکالیف کا بھی اِس کے ساتھ رشتہ ہے۔

صبر کی حکمت (۲:۱۵۵۔۱۵۶)

اَب ہم ایک ایسی آیت کی تلاش کرتے ہیں جس میں صبر کا ذکر ہے، وہ آیت یہ ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۲:۱۵۵۔۱۵۶)۔ اَب دیکھا لفظوں کا ایک (Junction) مل گیا کہ اِس مقام پر وہ الفاظ ہیں جن کے آپس میں معنوی رشتہ ہے، معنی کے لحاظ سے اِن کے آپس میں رشتہ ہے تو یہاں اِس آیت کے اندر صبر کا ذکر ہے، مصیبت کا ذکر ہے اور صبر کے بعد کامیابی سے کیا چیز ملتی ہے اُس کا ذکر ہے، تو بہر حال میں آئندہ کسی مجلس میں آپ کو بتاؤں گا کہ قرآنی لفظوں کا رشتہ کس طرح سے ہے۔ اِس کے جاننے سے کیا، کیا فائدہ ملے گا؟ یہ ایک پُل کی طرح ہے جو دو بستیوں کو ملا دیتا ہے تو ہم اِس بستی سے گزر کر اُس پُل کے ذریعے سے اُس بستی میں جا سکتے ہیں۔ ہم کو اگر اپنا مضمون وسیع کرنا ہے یا مزید مطالب کو ڈھونڈنا ہے تو متعلّقہ جو (Concern) لفظ ہے اُس کے ذریعے سے ہم اُسی (Subject) کو پائیں گے اُسی سے بحث کریں گے۔ اِس کے لئے قرآنی الفاظ کے آپس میں رشتہ ہے، تعلّق ہے۔ اِسی کے ساتھ ہم اِس مضمون کو

(Stop) کرتے ہیں اور دُوسرے مضمون میں اگر کوئی پوئنٹ ہے تو وہ آپ کو بتاتے ہیں۔

مَهْجُوْرًا کی وضاحت (۲۵:۳۰)

اِس میں بنیادی طور پر ایک آیت کو لیا گیا تھا جس میں کہ رسولؐ نے اپنے ربّ سے اپنی قوم کے بارے میں شکایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ: [وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (۲۵:۳۰)] میری قوم نے تو قرآن کو بیکار بنایا ہے یا بیکار چھوڑا ہے۔ اِس میں جیسا کہ میرے عزیز امین نے آپ کو بتایا، دو لفظوں کو بنیاد قرار دیا گیا ہے، ''اتَّخَذُوْا'' ''مَهْجُوْرًا'' ایک طرف سے ''اتَّخَذُوْا'' بھی ہے جس کو آپ تقریباً سب جانتے ہیں کہ لینا اور پکڑنا ہے اور ''مَهْجُوْرًا'' چھوڑنا ہے، تو رسولؐ کی اِس شکایت میں جو قوم سے متعلّق ہے دو (۲) باتیں ہیں، قوم کے پکڑنے اور لینے کی بات بھی ہے، چھوڑنے کی بھی بات ہے اور یہ صحیح ہے، کہ مسلمانوں کی اکثریت نے قرآن کو صرف ظاہری طور پر لیا اور اُس کے باطن کو بیکار چھوڑا ہے اور جس کی آنحضرتؐ شکایت کرتے ہیں۔ اِس کے لئے یہاں یہ تشریح کی گئی کہ اِس میں سے کچھ لوگ مستثنیٰ ہیں، اِس شکایت میں نہیں ہیں لیکن وہ بہت تھوڑی تعداد ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ امامؑ کے مُرید ہیں جو باطن کو مانتے ہیں، جو تاویل کے قائل ہیں اور جس کی وجہ سے لوگ اِن پر طنز بھی کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ فرقۂ باطنیہ ہے۔ یہ اُن کی طرف سے ایک (Nickname) ہے کہ فرقۂ باطنیہ، وہ گویا ہم کو طنز کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے باطن کے کیوں قائل ہیں، حالانکہ قرآن میں آپ دیکھیں تو ہر جگہ پر باطن کا ذکر ہے، تاویل کا ذکر ہے، حکمت کا ذکر ہے۔ بہرحال قیامت کے دن رسولِ اکرمؐ فریاد کریں گے اپنی قوم کے متعلّق کہ آپؐ کی قوم نے قرآن کو بیکار چھوڑا، یعنی اُس کے اندر جو حکمت تھی، جو تاویل تھی، جو پورے دَور کے لئے ہدایت تھی اُس کی طرف اِنہوں نے توجّہ نہیں دی اور اِس کے ثبوت کے طور پر کہا گیا ہے کہ قرآن میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ اگر کسی آیت میں پوری قوم کو کافر قرار دیا گیا ہے تو وہ بات اکثریت کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن اُس میں جو تھوڑے سے لوگ مومن ہیں اُس کا بیان کسی اور آیت میں کیا گیا ہے، اور قرآن کا یہ اُصول ہے کہ ایک آیت اگر مجمل ہے تو دُوسری آیت اُس کی مفصّل ہے یعنی ایک آیت بطورِ مختصر بیان کرتی ہے تو اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیان اُسی پر ختم ہو گیا بلکہ کسی اور مقام پر اُس کی ایک مفصّل آیت آئے گی جو (Explain) کرے گی کہ وہ یعنی وضاحت کیا ہے، تشریح کیا ہے، تفصیل کیا ہے، یہ قرآن کا اُصول ہے۔

جیسا کہ یہاں پر بتایا گیا کہ قومِ نوحؑ کو ایک آیت نے بالکل مکذّبین (۷:۶۴) قرار دیا، کہا کہ نوحؑ کی قوم نے مرسلین کو، پیغمبروں کو جھٹلایا، اگر اِسی آیت کو دیکھیں اور اِس کی دُوسری آیت کی ہم تلاش نہیں کریں تو ہمارا یعنی یہ نظریہ قائم ہوگا کہ نوحؑ کے زمانے میں کسی نے ایمان نہیں لایا، حالانکہ یہ بات نہیں ہے، دُوسری آیت میں یہ ہے کہ اے نوحؑ! جن

لوگوں نے ایمان لایا اُنہوں نے تو ایمان لایا اور اِن کے جو سوا ہیں، وہ کافر ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے (۱۱:۳۶) تو اِس سے معلوم ہوا کہ نوحؑ کے زمانے میں دو (۲) قسم کے لوگ تھے۔ تھوڑے تھے جو مومن تھے اور زیادہ تھے جو کافر تھے، تو اُس اکثریت کی وجہ سے یہ کہا گیا تھا ''نوحؑ کی قوم میں'' یہ قوم کا جو لفظ ہے وہ اکثریت سے بنتا ہے۔ اِسی طرح اگر قرآن کے اندر مومنین پر کوئی عتاب آیا ہے خدا کا اگر کوئی گلہ ہے مومنین سے تو اِس گلے کا اطلاق امیر المومنین پر جو اگلے درجے میں ہیں جو مومنین کا سردار ہے اُن پر اِس کا اطلاق نہیں ہوتا ہے کیونکہ اُسی کو معیار بنا کر اُن کو کہا گیا تھا کہ ''تم ایمان میں کمزور ہو'' تو اِس میں معیار سے کچھ یعنی شکایت نہیں ہے اور اِس آیت میں بھی خدا کے سامنے کوئی کسوٹی ہے، معیار ہے کہ جس طرح قلیل تعداد نے قرآن کے ظاہر سے بھی اور باطن سے بھی فائدہ حاصل کیا اِسی طرح ساری قوم نے تو ایسا نہیں کیا اور جس کی وجہ سے ساری قوم پر گلہ آیا، اُن پر شکایت آئی، تو اِس سلسلے میں کوئی معیار بھی ہوتا ہے، کوئی کسوٹی بھی ہوتی ہے۔

حکمت خیرِ کثیر (۲:۲۶۹)، (۳۱:۱۲):

یہ ہے اور آخر میں کہا گیا ہے کہ ''حکمت خیرِ کثیر ہے'' (۲:۲۶۹) یعنی اِس کا مطلب کہ حکمت اگرچہ ایک مختصر نام ہے لیکن اِس کے اندر ساری نیکی جمع ہوتی ہے، پھر کہا گیا ہے کہ حکمت خدا شناسی بھی حکمت سے ہوتی ہے، شکر گزاری بھی حکمت سے ہوتی ہے اور دوسرے کو سکھانا سمجھانا بھی حکمت سے ہے اور خدمت بھی حکمت سے ہوتی ہے، تو یہ علم کی تعریف ہے اور حکمت کی تعریف ہے اور لقمانِ حکیم سے مثال دی گئی ہے کہ خداوند فرماتا ہے کہ: [وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ (۳۱:۱۲)] ہم نے لقمان کو حکمت دی تا کہ وہ شکر کرے، تو اِس سے ظاہر ہے کہ شکر کرنے کا جو بہترین وسیلہ ہے وہ حکمت ہے اور جو (Top) پر شکر کرنا چاہیئے وہ حکمت سے ہوسکتا ہے اور اِس کے بعد، شرک جو بہت خطرناک چیز ہے جس کے ہونے سے کوئی چیز قبول نہیں ہوتی ہے تو اُس سے بچنے کا بہترین طریقہ بھی حکمت ہے۔ حکمت ہو تو خدا شناسی ہوتی ہے، خدا شناسی ہو تو شرک سے نجات ہمیشہ کے لئے ملتی ہے۔ اِس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن الگ ہے یعنی کتاب الگ ہے اور حکمت الگ ہے۔ حکمت کا بیان قرآن میں ضرور ہے لیکن خود حکمت رُوحانیت میں ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ بے شک ایک خاموش حکمت بھی ہے، ایک بولنے والی حکمت بھی ہے لیکن جو خاموش حکمت ہے وہ قرآن میں آسکتی ہے۔ جو بولنے والی حکمت ہے وہ قرآن میں نہیں آسکتی ہے اور اگر بولنے والی حکمت قرآن میں آگئی تو [وہ] خاموش ہو کر آسکتی ہے اور بولنے والی جو حکمت ہے وہ بولنے والی کتاب میں ہے جو امامؑ کا نور ہے، جو رُوحانیت ہے، یہ بات یاد رہے۔

پاکیزگی (۸:۳۷):

اِسی کے ساتھ یہ دونوں پرچے ختم ہو گئے اور اب آپ سے اُس روز ہم نے وعدہ کیا تھا کہ قرآن سے کچھ

کہیں [گے] آپ کو تا کہ آپ کو مثال ملے، تو ہم نے کچھ ترتیب سے نہیں ایسے ہی اوراق کو اُلٹا کے جو بھی کوئی چیز سامنے آئی تو اُس میں نشان رکھا ہوا ہے۔ یہاں ایک تصوّر ملتا ہے، قرآنی تصوّر۔ انفال جو ۸ نمبر کا سورہ ہے اُس کی آیت ۳۷ نمبر میں ایک حکمت بیان کی گئی ہے جس میں خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ: لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ، خدا چاہتا ہے کہ پاک لوگوں سے ناپاک لوگوں کو الگ رکھے وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ (۸:۳۷) اور ناپاکوں کو اِس طرح سے جمع کرے کہ اُن کا ایک ڈھیر بن جائے، پھر سب کو جہنم میں جھونک دے۔ اِس میں ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ جو کافر ہیں اُن سب کی رُوحیں اُن کے سردار میں جمع ہو جاتی ہیں، یہ ہوا ناپاک چیز کو جمع کر کر کے ڈھیر بنانا، یکجا کرنا، تو اگر یہ بات ہے کہ سب کافروں کی رُوحیں اُن کے سب سے بڑے سردار جو کُفر کا سردار ہے اُس میں جمع ہو جاتی ہیں تو پھر اِس طرف سے مومنین کی، سب کی رُوحیں مومنین کے سردار میں جمع ہو جاتی ہیں۔ ایک ایک ہو کر رُوح اپنے کسی مقام کی طرف نہیں جاتی ہے بلکہ حدود کے ذریعے سے اور امامؑ کے ذریعے سے رُوحیں آگے بڑھتی ہیں کیونکہ قرآن میں یہ تصوّر بھی ہے کہ اللہ جو ہے وہ "ذِي الْمَعَارِجِ" (۷۰:۳) ہے، سیڑھیوں کا مالک ہے، درجات کا مالک ہے، تو سیڑھیوں سے کوئی مادّی قسم کی سیڑھی مُراد نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے وہاں فرشتے ہیں اور بڑی بڑی رُوحیں ہیں، مراتب ہیں تو اُن سے ہو کر رُوحیں اللہ کے حضور جاتی ہیں، (Steps) ہیں۔ لہٰذا ہر درجے میں رُوحیں جمع ہوتی ہیں، جو سب سے اعلیٰ درجہ ہے اُس میں سب رُوحیں جمع ہوتی ہیں تو یہ اُصول ہے۔

قصۂ بلقیس (۲۷:۳۹۔۴۰):

ہمارے سامنے قرآن کا ایک دُوسرا مقام ہے جو سورۂ نمل میں سے ہے جس کا نمبر ۲۷ ہے اور آیت ۳۹ سے یہ بات شروع ہوتی ہے کہ: قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ (۲۷:۳۹)" اور جنّات میں سے ایک شریر جنّ نے کہا سلیمانؑ سے کہ میں تختِ بلقیس کو اتنی جلدی میں حاضر کروں گا کہ آپ [کے] اِرادہ کر کے کھڑے ہونے تک جتنی دیر لگے گی بس اتنی دیر میں، میں تختِ بلقیس کو بمعۂ بلقیس کے حاضر کروں۔ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ اور میں اِس پر امانت دار بھی ہوں اور بہت طاقت ور بھی ہوں، قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ (۲۷:۴۰) اور ایک شخص نے جس کے پاس آسمانی کتاب کا ایک علم تھا اُس نے کہا کہ میں تو آنکھ کی ایک جھپک میں اُس کے تخت کو حاضر کروں گا۔ اِس میں، اِس بحث سے مُراد یہ ہے کہ رُوحانیت کی اور لطیف جسم کی بھی ایک دُنیا ہے یعنی بلقیس کے تخت کو لانا مادّی طور پر نہیں تھا اور مادّی طور پر کسی زمین کو اُکھیڑ کر لانا یہ ناممکن بات ہے بلکہ یہ رُوحانیت کی بات ہے اور لطیف جسم کی بات ہے اور یہ یاد رہے کہ لطیف جسم ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جنّات ایک قسم کی

رُوحیں ہیں جس طرح سلیمانؑ کی بادشاہی میں یہ ذکر آتا ہے کہ اُن کی بادشاہی جنّات پر بھی چلتی تھی تو جنّات ایک قسم کی مخلوقات ہیں جو لطیف جسم میں ہیں، جو رُوحانی بادشاہی میں سلیمانؑ [کے لئے] کام کرتے ہیں، جنّات اور اِس کے علاوہ یہاں پر ایک آیت ہے جو جنّتیوں کے بارے میں ہے یعنی بہشت میں: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ (۷:۴۳) اور جنّت میں جب مومنین داخل ہو جائیں گے تو اُن کے سینوں میں جو کمزوریاں ہیں، جو نفس کے وسوسے ہیں وغیرہ وہ سب ہم نکال دیں گے خدا فرماتا ہے، اِس سے یہ ظاہر ہے کہ بہشت جو ہے وہ لطیف جسم میں ہے چونکہ یہاں سینے کا ذکر ہے اور سینے کے اندر جو کمزوری ہے اُس کو نکالنے کی بات ہے تو بہشت میں یہ جسم نہیں جائے گا لطیف جسم جائے گا، وہ بہت صاف اور ستھرا جسم ہوگا، وہ (Astral Body) ہوگا اور اُس کی اصلاح ہو گی، خداوند اُس کو دُرست کرے گا، اُس کو پاکیزہ کرے گا اور دل کے اندر جو کدورتیں پائی جاتی ہیں یا جو عبادت کے دوران وسوسے ہوتے ہیں وہ وہاں پر نہیں ہوں گے۔

قصۂ حضرت آدمؑ اور ابلیس (۱۵:۲۶۔۳۰):

اِس مقام پر آدمؑ کی بات ہے اور ابلیس کی بات ہے۔ یہ سورہ ۱۵ نمبر کا ہے جو الحجر (۱۵:۲۶۔۳۰) ہے۔ اُس میں اِس طرح سے بیان آیا ہے کہ پہلے انسان کی پیدائش کی بات ہے پھر جنّات کی پیدائش کی بات ہے۔ پھر اُس کے بعد آدمؑ کی پیدائش کی بات ہے تو حیرت کی بات اِس میں یہ ہے کہ آدمؑ کا قصّہ تو شروع میں آنا چاہئے تھا۔ کیوں یوں فرمایا گیا کہ انسان کو پیدا کیا گیا اور اُس سے پہلے جنّات کو پیدا کیا، پھر آدمؑ کو پیدا کیا؟ اور بات اگر یہ ہے تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بہت سے آدمؑ ہیں، بہت سے آدمؑ ہیں۔ اوّل تو یہ آدمؑ یعنی مختلف ادوار کے ہیں، ایک دَور کا ایک آدمؑ، پھر دُوسرے دَور کا دُوسرا آدمؑ، مثلاً اِس دَور کا جو تقریباً کم و بیش سات ہزار برس کا ہے اِس کے لئے ایک آدمؑ ہے اور اِس سے پہلے جو دَور تھا اُس کے لئے ایک آدمؑ اور اُس سے پہلے [دَور] جو تھا اُس کے لئے ایک ایک آدمؑ اور آئندہ جو ادوار ہوں گے اِن کے لئے بھی آدمؑ تو بہت سے آدمؑ ہیں اور دُوسری بات، آدمؑ کے متعلّق جو کچھ اِرشاد ہوا ہے اُس کا اطلاق امامؑ پر بھی ہوتا ہے یا کسی ایسے کامل انسان پر بھی ہوتا ہے اور آپ پر بھی ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کو جو ''بول'' دیا جاتا ہے، اگر اُس میں کامیابی ہوئی تو آپ کے سر سے بھی وہ تجربات گزریں گے جو آدمؑ پر گزرے، جو نوحؑ پر گزرے، جو ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے نقشِ قدم پر بھی آپ چلتے ہوئے معراج کو پہنچ سکیں گے۔ آپ سوال کریں کہ کیوں، اتنا بڑا کام کیوں؟ میں آپ سے عرض کروں گا کہ اِس لئے کہ ہمیں اُسی صراطِ مستقیم سے چلنا ہے کیوں کہ خدا کا رستہ ایک ہے بس ایک! جس پر کہ پیغمبرؐ چلے اور ہدایت اُسی پر ہے، رہنمائی بھی اُسی پر ہے، پیروی بھی یعنی پیچھے پیچھے چلنے کو پیروی کہتے ہیں تو وہ بھی

اُسی پر ہے اور معجزات بھی اُسی پر ہیں، آسمانی کتاب بھی اُسی پر ہے، اور صراطِ مستقیم سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں ہے دین کی ساری باتیں، رُوحانیت کی ساری باتیں، ساری حکمتیں، تمام بھید، بس صراطِ مستقیم پر بکھرے ہوئے ہیں۔ آپ دن بدن صراطِ مستقیم پر آگے بڑھتے ہیں، رُوحانیت میں آگے بڑھتے ہیں تو وہیں پر آپ کو ساری چیزیں ملیں گی، گو کہ وہ آپ کی نہیں ہیں، وہ پیغمبرؑ کی ہیں لیکن اُن کو تو دیکھنا ہوگا اور دیکھے بغیر شناخت کیسے ہوگی؟ پیغمبرؑ کی شناخت کیسے کریں گے آپ؟

اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ تو میرے بس کی بات نہیں ہے لیکن معرفت تو کرنی ہے، معرفت حاصل ہونی ہے تو پھر صراطِ مستقیم پر یہ چیز آپ کو ملے گی، تمام باتیں، قرآن کی رُوحانیت اور ہر چیز، ہر چیز۔ جب تک ہر چیز نہ ہو جو انبیاء پر گزری تو پھر معرفت کیسے ہو سکتی ہے؟ اِس لئے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے وہ ساری باتیں آپ کے سامنے آئیں گی جو آدمؑ پر گزری تھیں مثلاً اللہ کا یہ اِرشاد کہ: فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ (۲۹:۱۵)، اے فرشتو! آدمؑ کو پہلے سجدہ نہیں کرنا، اُس کے پُتلے کو نہیں کرنا، کبھی نہیں کرنا مگر اُس وقت کرنا جب میں اپنی رُوح اُس کو، اُس کے اندر پھونکوں گا تو تب تم سجدہ کرتے ہوئے اُس میں گر جانا۔ ظاہر میں یوں لگتا ہے کہ ربّ العزّت نے یوں فرمایا آدمؑ کے متعلّق اور حقیقت میں یہ ہے کہ سابق امامؑ یعنی اگلا امامؑ اپنے جانشین امامؑ کے متعلّق مومنین کو آگاہ کرتا ہے، رُوحانی طور پر یا جسمانی طور پر کہتا ہے کہ دیکھو! میرے بعد یہ میرا جانشین ہے، یہ وہی بات ہے جو قرآن میں ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ خدا کہتا ہے کہ دیکھو تم اِس کی تابعداری کرنا تو سجدہ کی تاویل تابعداری ہے تو یہ چیز آپ پر گزرے گی۔

آپ نے اپنے زمانے کے آدمؑ کو یعنی سجدہ کیا، شاہ کریمؑ کے لئے آپ نے اطاعت کی، فرمانبرادی کی ہے۔ یہ ظاہری بات ہے کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ لوگ ابلیس کے طور پر اِس امر و فرمان سے رُوگردان ہو جاتے ہیں، تو حاضر امامؑ کے زمانے میں بھی ایسا ہوا اور ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ قرآن کی ظاہری باتوں کو دیکھ کر لوگ کچھ اور سمجھتے ہیں حالانکہ دیکھا جائے تو اُس کے اندر حکمت ہے، تاویل ہے اور مولا نے مومنین کے لئے یہ حکمتیں اور یہ تاویلیں آسان کر دی ہیں، تو یہ نعمت مومنین کے لئے ہے اور ابھی آپ نے آیات کی روشنی میں دیکھا نا کہ جو لوگ قرآن پر فخر کرتے ہیں آج وہ کس طرح اِس کے سمجھنے سے قاصر ہیں اور رسولؐ کیا فرماتے ہیں اِس سلسلے میں۔ میں ذرا رُکوں گا اور کوئی اگر سوال ہے تو۔

۔۔۔۔ یہ دونوں پائے گئے تو راستہ سیدھا ہو ہی نہیں سکتا اور جب یہ دونوں صورتیں صحیح نہ رہیں تو اَب تیسری قرأت ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ (۴۱:۱۵) میں کوئی شُبہہ باقی نہیں رہتا ہے اور اِس میں نہ کوئی لفظی خرابی لازم آتی ہے اور نہ معنوی اور اِس کا مطلب۔۔۔۔

قرآن کی مخصوص زبان، پاکیزگی کی مزید وضاحت:

قرآن کے اندر دو(۲) زبانیں ہیں، ایک خدا کی زبان ہے اور ایک عرب کی زبان ہے۔ آپ کے سامنے جو اِنہوں نے تصوّر پیش کیا یا جو بات چھیڑی یا جو بحث شروع کی وہ عجیب سی لگے گی اور شاید یہ ایک نیا نکتہ ہے اور غالباً نیا ہے جو میں نے کہا کہ قرآن کے اندر دو(۲) زبانیں ہیں۔ معلوم نہیں کوئی سُنے تو شاید سمجھنے سے پہلے وہ غصّہ بھی ہو جائے لیکن غصّہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ جو میں کہتا ہوں دلیل کی روشنی میں کہتا ہوں اور سچ، صحیح کہتا ہوں۔ میرا کہنا یوں ہے کہ خدا کی مخصوص زبان کوئی نہیں ہے چونکہ خدا ساری کائنات و موجودات کا برحق بادشاہ ہے۔ لہٰذا وہ سب کی زبانوں کو جانتا ہے اور ہر زبان میں جو چاہے وہ کلام بھی کرسکتا ہے، وہ سب کی سُنتا ہے تو اُس کے لئے کوئی مخصوص زبان نہیں ہے اور ہاں! ایک مخصوص زبان ہے! وہ حکمت کی زبان ہے۔ اِس کو ہم کیا کہیں انگریزی میں؟ انگریزی تو ہم جانتے نہیں ہیں تاہم (Language of Wisdom) کہیں، معلوم نہیں ہمارے یہاں بہت سے انگریزی جاننے والے بیٹھے ہیں۔ چلو ایک (Joke) سا ہو جائے تو (Language of Wisdom) کہیں گے، حکمت کی زبان چلئے، تو حکمت کی جو زبان ہے وہ قرآن کی مخصوص زبان ہے اور اُس کے ساتھ ساتھ عربی زبان ہے تو حکمت کی زبان جو جانتے ہیں وہ گویا قرآن میں خدا کی زبان کو جانتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے اِرشاد فرمایا تھا کہ "اگر قرآن کو حکمت سے پڑھا جائے تو اسماعیلیوں کے لئے دُرست ہے، صحیح ہے" [کلامِ امامِ مبین حصہ اوّل۔ زنجبار، ۱۴۔۹۔۱۸۹۹]۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ امامؑ چاہتے ہیں کہ قرآن کو حکمت کی زبان سے پڑھیں اور حکمت کی زبان کو سمجھیں۔

آپ کے سامنے دو(۲) مقالے پڑھے گئے، وہ سب (Points) مجھے یاد نہیں ہیں اور بحیثیتِ مجموعی ایک مقالہ جو ہماری بچی شاہدہ نے پڑھا اُس میں پاکیزگی کا تصوّر تھا۔ اُس میں یہ سمجھانے کے لئے کوشش کی گئی تھی کہ پاکیزگی کس طرف ہے؟ کن کو حاصل ہے؟ دُنیا کے اندر دو(۲) گروپ رہتے ہیں، مومن اور کافر، تو یہ پاکیزگی مومن کی طرف ہے اور اگر ہے تو اُس کی کیا دلیل ہے؟ اور پھر پلیدی اور ناپاکی کس طرف ہے؟ اِس سلسلے میں آیاتِ قرآن سے، حکمت کی زبان سے ثابت کیا گیا تھا کہ قرآن کی کئی آیتوں میں نجس اور ناپاک، مشرکوں کو اور کافروں کو قرار دیا گیا ہے اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکیزگی مومنین کی طرف رہتی ہے، رُوح کی پاکیزگی اور بَرملا آیات میں یعنی ظاہراً اور آشکار آیت میں بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ مومنین طیب ہیں یعنی پاک ہیں اور پاکیزگی کے سلسلے میں کیا کیا ذرائع ہیں، کن کن وسائل سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے؟ اِس کے لئے مثال دی گئی تھی۔ ایک دلیل تو یہ تھی کہ رسول اللہؐ کے زمانے سے مثال لیں تو پاکیزگی کے لئے طریقہ یہ تھا ایک آیت کے مطابق کہ آنحضرتؐ مومنین سے زکوٰۃ لیا کرتے تھے خدا کے حکم سے اور اِس زکوٰۃ کے لینے کے نتیجے میں آنحضرتؐ مومنین کو دُعا فرماتے تھے اور اِس دُعا میں مومنین کی پاکیزگی تھی (۹:۱۰۳)۔ اَب ذرا سوچنے کی بات ہے تو

آنحضرتؐ کی دُعا سے مومنین کے گناہ معاف نہ ہو جائیں تو پھر کیسی پاکیزگی ہو سکتی ہے؟ اور ہاں! یہی حقیقت ہے کہ رسولِ اکرمؐ کی پاک دُعا سے مومنین کے گناہ معاف ہو جاتے تھے زکوٰۃ دینے کے نتیجے میں۔ جب ہی تو اُن کا مال اور اُن کی جان پاک اور پاکیزہ ہو جاتی تھی۔ دُوسرا یہ بتایا گیا تھا کہ پاکیزگی کا ذریعہ یہ ہے کہ صحیح ہدایت، صحیح علم اور صحیح آسمانی حکمت کے ملنے سے مومنین کی پاکیزگی ہو جاتی ہے، یہ بتایا گیا تھا اور اِس کے لئے مثال یہ بتائی گئی تھی کہ خدا نے ایک آیت کے اندر فرمایا ہے کہ: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (۲۵:۴۸) اور ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا ہے۔

اِس میں حکمت ہے، سطحی طور پر دیکھنے سے کچھ نہیں ملتا ہے جب تک کہ ہم حکمت کی نظر سے نہ دیکھیں، حکمت کے تصوّر سے نہ سوچیں تو اِس میں حکمت یہ ہے کہ اِس آیت کا منشاء [اور] اِس آیت کا مقصد یہ ہے کہ دُنیا کے اندر دو (۲) قسم کا پانی ملتا ہے۔ ایک نہروں کا پانی اور ایک بارش کا پانی۔ بارش کے پانی کے سلسلے میں خدا ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی شہادت دیتا ہے کہ وہ پاک ہے اور ہم ظاہر میں بھی دیکھتے ہیں بارش کے پانی میں کوئی آلائش نہیں، کوئی آلودگی نہیں ہے، کوئی ملاوٹ نہیں ہے کیونکہ وہ براہِ راست یعنی (Direct) آسمان سے برستا ہے اور نہروں کا جو پانی ہے وہ دو (۲) قسم کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پاک بھی ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ ناپاک بھی ہو۔ دونوں باتیں ممکن ہیں تو اِس کی حکمت یا کہ اِس کی تاویل یہ ہے کہ نہروں کے پانی سے مُراد وہ روایات کا علم ہے۔ روایات کا مطلب کہ فلان نے فلان سے سُنا تھا، فلان نے فلان سے سُنا تھا تو روایات کا ایک سلسلہ بنتا ہے جس طرح عام طور پر عوام اِس کو بیان کرتے ہیں کتابوں میں۔ معلوم نہیں درمیان میں بیس، پندرہ، پچاس، سو تک گنتے ہیں کہ فلان نے فلان سے سُنا تھا، اِسی طرح یہ سلسلہ رسولؐ سے ملاتے ہیں تو رسولؐ آسمان ہیں۔ رسولؐ کی سچائی میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے لیکن آسمان سے پانی برستا ہے۔ وہی پانی پہاڑوں پر برستا ہے، وہی پانی یہاں آپ کے سامنے برستا ہے جو پہاڑوں پر برستا ہے تو پہاڑ بھی پاک ہیں، وادی بھی پاک ہے، ندّی بھی پاک ہے لیکن پانی جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے اور آگے سے آگے آبادی سے، شہروں سے، بستیوں سے، بیابانوں سے پانی گزرتا ہے دریا سے، ندی سے تو اُس میں آلودگی آجاتی ہے۔

یہ اِشارہ ہے اُس روایتی علم کی طرف جس میں لوگوں نے اپنی سیاسی غرض سے ملاوٹ کر دیا، اُس کو آلودہ بنایا۔ آپ نے اسلامی تواریخ پڑھی ہوگی، رسولؐ کے بعد کس قدر اختلافات ہوئے اور پھر مسلمان بادشاہوں نے کیا کیا نہ کیا، بہت کچھ کیا۔ مسلمانوں کے درمیان تفرقے پڑے، فرقے بنے اور یہاں تک کہ اُنہوں نے، مسلمانوں نے ایک ہی قرآن کو مانتے ہوئے، ایک ہی رسولؐ کو مانتے ہوئے، ایک ہی خدا کے قائل ہوتے ہوئے آپس میں لڑائیاں کیں، جنگیں کیں، پھر اپنی اپنی غرض سے اُنہوں نے روایات بنائیں۔ آج آپ کو اسلام کے جتنے فرقے ہیں اُن میں، سب میں اپنی غرض کی حدیثیں ملیں گی تو کیا یہ ممکن ہے کہ رسولؐ نے اُن فرقوں میں سے ہر ایک کو اُن کی مُراد کے مطابق کوئی ہدایت کی

تھی؟ آج آپ کو یعنی ہر فرقہ اپنے نظریے کے عین مطابق حدیث بیان کرے گا۔ اِس سے ایک دانشمند جانتا ہے کہ یہ ملاوٹ کہاں سے آگئی؟ لوگوں نے بنائی تو خداوندِ عالم نے اِس لئے ہم کو آگاہ کیا کہ دیکھو جو پاک پانی ہے وہ آسمان سے برستا ہے۔ اِشارہ یہ کیا کہ دُنیا کے اندر ہر وقت آسمان ہوگا، رُوحانیت کا آسمان، رسولؐ کے بعد امامؑ تو اُسی رُوحانیت کے آسمان سے جو علم کی بارش برسے گی، جو حکمت کا پانی آئے گا وہ صاف ہوگا اور باقی جو پانی ہے اُن کی پاکیزگی کی کوئی ضمانت نہیں ہے، تو اگر خداوندِ عالم یہ دیکھتا کہ دُنیا میں ہمیشہ آسمان نہیں ہے رُوحانیت کا، دین کا اور ہدایت و علم و حکمت کا پانی یا بارش نہیں برسنے کی تو خدا اِس آیت کی طرف توجّہ نہ دلاتا ہے اور تاکید نہ فرماتا کہ دیکھو تم کو ہر وقت دُنیا کے اندر پاک پانی مہیّا ہوتا رہے گا۔ یہ پوئنٹ تھا۔

<u>آسمان کا چھلکا اُتارنے کی تاویل (۸۱:۱۱)، جسمِ لطیف (۸۱:۱۶):</u>

پھر اِس کے ساتھ دُوسرا یہ ایک بہت اچھا پوئنٹ تھا کہ خدا نے فرمایا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ جس میں آسمان کا چھلکا اُتارا جائے گا (۸۱:۱۱)۔ دیکھیں یہ کتنی اچھی مثال ہے۔ کسی چیز کا چھلکا کب اُتارا جاتا ہے؟ جب کہ باہر کی چیز کو چھوڑ کر اور اندر کی چیز کی تلاش ہو، پھل سے مثال لیں کہ ہم پھل کو کب چھیلتے ہیں؟ جب ہم اُس کو کھانا چاہتے ہیں، اُس پھل کو چھیلتے ہیں جس میں مغز ہے یا جس میں گُودا ہے تو اِس میں زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اور یہ بہت خوبصورت مثال ہے جو خداوندِ عالم نے پیش کی ہے کہ آسمان کا چھلکا اُتارا جائے۔ اشارہ ہے کہ ظاہر سے باطن میں جایا جائے گا، جسمانیت سے رُوحانیت میں جایا جائے گا۔ اگر یہ کائنات رُوحانیت میں ہمارے سامنے نہ ہوتی اور ہمارے مرنے کے ساتھ یہ دُنیا بھی ختم ہو جاتی، کائنات بھی ختم ہو جاتی تو خدا نہ فرماتا کہ اِس جہاں کا ایک چھلکا ہے اور اس کے اندر اصل گُودا اور مغز ہے، تو یہ عالمِ لطیف ہے۔ آج کل سائنس نے جہاں تک ترقّی کی ہے اُس کی روشنی میں (Astral Body) کا انکشاف ہوا ہے اور گو کہ یہ بات دین میں بہت پہلے سے تھی۔ (Astral Body) کا مطلب یعنی جسمِ لطیف، یہ جو جسم ہے یہ نہیں۔ اِس کے اندر سے ایک خوبصورت اور پائیدار اور اچھا سا جسم اُبھرے گا اور ہر وقت میں یہ مثال پیش کرتا ہوں اپنے عزیزوں کے سامنے چونکہ یہ مثال بہت اچھی ہے اور میں نے اپنے رُوحانی انقلاب میں بھی یہ مثال دیکھی۔

ہر قسم کی گرمی کا اُس پر اثر نہیں [ہوتا] ہے، ایک (Shirt) یہ ہے۔ ایک اور (Shirt) ہے، کوئی ہتھیار اُس پر کارگر نہیں ہوسکتا ہے خواہ وہ بم ہو، میزائل ہو، راکٹ ہو، کچھ بھی ہو اُس پر اثر انداز نہیں ہوسکتا ہے۔ گو کہ یہ بات زمانۂ رسولؐ میں کہی گئی تھی قرآن کے نازل ہوتے وقت (۸۱:۱۶)۔ آپ ذرا سوچیں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں اور یہ خطاب مسلمانوں سے ہے۔ کیا مسلمانوں کے ہاتھ میں ایسی دو (۲) قمیص ہیں؟ کیا اِس میں سے ایک کی مُراد ہم زرہ بکتر لیں گے؟ زرہ بکتر،

کیاخدا کوایسی بات کرنی چاہیئے کہ وہ پائیدار نہ ہو،ایک وقت کے لئے ہواور دُوسرے وقت میں وہ کمزور ہو جائے مثلاً اِس زمانے میں۔اگر اِس آیت کے کچھ صحیح معنی نہیں ہیں اور تاویل نہیں ہے تو قرآن کمزور ہو گیااور خدا کے کلام پر جھوٹ ہونے کاالزام آ گیا مگر ہمارے نزدیک یہ بات نہیں ہے۔خدا نے جو کچھ کہا ہے وہ سو فیصد صحیح ہے،تو اُس میں سے دو (Astral Bodies) کا ذکر آ گیا۔ایک (Astral Body) ہے آپ کی جس میں کہ آپ کو نہ تو سورج کی گرمی سے کچھ ہو گا،نہ آگ کی گرمی سے جہاں آج کل راکٹ وغیرہ جو یعنی خلا میں بھیجتے ہیں تو وہ واپسی میں یا جاتے ہوئے کہتے ہیں کہ آگ کا گولہ بن جاتے ہیں اپنی اِس سُرعت سے اور رگڑ سے فضا میں جو ایتھر ہے اُس کے ساتھ جو رگڑ ہوتی ہے اُس کے نتیجے میں وہ آگ کا گولہ ہو جاتا ہے لیکن خدا نے جو جسم ایسا بنایا ہے اُس پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے اور دُوسرا جسم وہ ہے جس پر کہ یعنی اسلحہ یعنی سامانِ جنگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے،تو یہ بات صحیح ہے کہ خداوندِ عالم جب اِس کائنات کو چھیلے گا،اِس کے چھلکے کو الگ کرے گا اور ہماری ہستیوں کے چھلکے کو بھی الگ کرے گا تو اُس وقت ہم اپنے آپ کو صحیح معنوں میں دیکھیں گے کہ خدا کی قدرت کیا ہے۔اَب ہم کیڑے کی طرح رینگتے ہیں اِس دُنیا میں۔دیکھیں کبھی درمیان میں صوفیوں کی بات بھی کہنی چاہیئے چونکہ مولانا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے مولائے رومؒ کو ایک صوفیٔ اعظم کے طور پر لیا ہے اور کبھی کبھار اُس کی مثالیں بھی دی ہیں اور توجّہ بھی دلائی ہے کہ اُس کی کتابوں کو پڑھیں،تو مولائے رومؒ کہتے ہیں کہ اپنے کسی کلام میں کہتے ہیں کہ:

اے پسر در آسمانِ ہفتمین　　با مَلَائِک بارھَا پرّیدہ ام

اے لڑکے! میں تو ساتویں آسمان میں کئی دفعہ کئی دفعہ فرشتوں کے ساتھ اُڑتا رہا ہوں،تو یہ انسان کے لئے جو وسعتیں پیدا کی گئی ہیں اُن کی بات ہے۔اِس کے لئے پاکیزگی کی ضرورت ہے اور پاکیزگی کا سرچشمہ امامؑ کی ہدایت ہے، اُس پر عمل ہو اور اُس کی دُعا حاصل ہو تو پاکیزگی ہو جائے گی اور اِسی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ہم عالمِ لطیف میں داخل ہو سکیں گے جو بہشت ہے اور بہشت کے بارے میں تصوّر دیا گیا کہ بہشت کے تین (Sources) ہیں۔ایک عقلِ کُلّی ہے یعنی ایسی عقل جو تمام عقلوں کا سرچشمہ ہے،وہ ایک عظیم فرشتہ ہے،وہ امامؑ کی عقل ہے،وہ امامؑ کی حیثیت ہے،امامؑ کی ہستی ہے،بہشت کے (Source)۔دُوسرا (Source) نفسِ کُلّی ہے وہ رُوحوں کا سرچشمہ ہے،وہ رُوحوں کا سمندر ہے،وہ امامؑ کی رُوح ہے۔عقلِ کُلّی امامؑ کی عقل ہے،نفسِ کُلّی امامؑ کی رُوح ہے۔بہشت کا تیسرا سرچشمہ لطیف جسم (Astral Body) تو لطیف جسم کتنا بڑا ہے؟ یہ کائنات جتنی بڑی ہے اُتنا بڑا ہے یعنی پوری (Universe) ایک (Body) میں ہے،یہ ایک (Astral Body) ہے۔دیکھئے کہ ابھی ہی آیت پڑھی گئی تھی کہ جس روز آسمان کا چھلکا اُتارا جائے گا تو اِس آسمان کی دُوسری حیثیت نہ ہوتی تو خدا اِس کو چھیلنے کے لئے نہ فرماتا تو اِس پوری کائنات کی جو (Next Postion) ہے جو دُوسری حیثیت ہے وہ لطیف جسم ہے،تو یہ تین بہشت کے یعنی سرچشمے ہیں اور وہ جو (Astral Body) ہے پوری وہ امامؑ،امامؑ

کی (Body) ہے، امامؑ کی (Body) ہے۔ دیکھیں کہ ہمارا عقیدہ ہے بلکہ حقیقت ہے کہ امامؑ کی ہستی نے سب چیزیں گھیری ہوئی ہیں (۱۲:۳۶)۔ اگر اِس امامؑ کی ہستی سے صرف امامؑ کا جو مبارک جسم ہے جو ہمارے سامنے ہے، اِس کو لیں تو اِس امامؑ کی ہستی نے سب کچھ کس طرح گھیر لیا ہے؟ پہاڑ کو، سمندر کو، کائنات کو، آسمان کو، سورج کو تو نہیں گھیرا ہے۔ یہ کیسی بات ہو گی؟ جب تک ہم یہ نہ مانیں کہ امامؑ کی عقل نے عقلِ کُلّ کی حیثیت سے اور امامؑ کی رُوح نے رُوحِ کُلّی یا کہ نفسِ کُلّی کی حیثیت سے اور امامؑ کی (Astral Body) نے مادّی چیزوں کو لطیف جسم کی حیثیت سے تمام چیزوں کو اپنے اندر سمو لیا ہے تو یہ ہے بہشت کے تین (Sources) اِنہی (Sources) کے اندر بہشت ہے۔ اُس میں عقل کی نعمتیں ہیں، رُوح کی نعمتیں ہیں اور جسم کی بھی نعمتیں ہیں، یہ تین چیزیں ہیں۔

<u>آسمان و زمین کی کلیدیں (۳۹:۶۳، ۴۲:۱۲):</u>

پھر وہاں سے آیئے مختصراً دُوسرے مقالے کی طرف تو دُوسرے مقالے میں آسمان کی کُنجیاں، کلیدیں، (Keys) یہ عنوان تھا (۳۹:۶۳، ۴۲:۱۲)۔ یہ ایک (Concept) ہے، یہ ایک تصوّر ہے قرآن کا کہ یعنی خدا کے خزانے ہیں اور اُن کی کلیدیں ہیں، بہت اچھی بات ہے اور بہت عمدہ حکمت ہے، ذرا اِس کو ذہن نشین کر لیں تو مزہ آوے۔ دیکھیں! خدا جو کچھ کہتا ہے وہ صحیح ہے، قرآن کی بات بالکل دُرست ہے لیکن تعجّب ہے ہم کو کہ خدا تو یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز خزانے کے اندر ہے (۱۵:۲۱)۔ ہم تو دُنیا میں کسی چیز کو خزانے کے اندر یعنی چار دیواری میں نہیں دیکھتے ہیں، (Open) دیکھتے ہیں۔ دُنیا کی کوئی چیز کسی خزانے میں نہیں ہے، بالکل آزاد ہے لیکن اِس کے باوجود خدا کہتے ہیں کہ آسمان زمین کی کلیدیں تو پھر اِس میں خدا کی بادشاہی کا تصوّر ملتا ہے۔ جس طرح دُنیا کا کوئی بادشاہ ہوتا ہے تو اُس کے خزانے ہوتے ہیں، اَب اِسی تصوّر کے سلسلے میں یہ بات ہے کہ خدا کے خزانے ہیں تو خدا کے خزانہ دار بھی ہیں۔ جس طرح بادشاہ کے خزانے ہوتے ہیں اور خزانوں کی کلیدیں ہوتی ہیں، کُنجیاں ہوتی ہیں اور پھر اُن سب کُنجیوں کو تو بادشاہ کے سُپرد نہیں کرتے ہیں، اُن خزانوں کا کوئی خزانہ دار یا خزانچی ہوا کرتا ہے۔ اِس بات میں ذرا سوچیں اور اِس کی تحلیل کریں، اِس کا تجزیہ کریں تو سب خزانے امامؑ کے ہاتھ میں نظر آتے ہیں۔ آسمان زمین کے خزانے، اُن کی کلیدیں بیشک کسی شک کے بغیر امامؑ کے ہاتھ میں ہیں خصوصاً وہ چیزیں جن کی کچھ قدر و قیمت زیادہ ہے اور دُنیا کی جو چیزیں ہیں وہ عام ہیں تو جب ہم امامؑ سے رُجوع کریں گے تو امامؑ سے ہم کو ہر چیز ملے گی یہ خزانے کی بات تھی، اور دُوسری ایک اچھی بات اِنہوں نے اپنے مقالے میں پڑھا: اللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۖ (۳:۲۶) خدایا تو بادشاہی کا مالک ہے اور تُو جسے چاہے بادشاہی دے دیتا ہے اور جس سے چاہے تُو چھین بھی لیتا ہے۔ اِس مقالے کے اندر یہ کہا گیا

ہے کہ ایک چھوٹی بادشاہی ہے یا بڑی بادشاہی، خدا کو چھوٹی بادشاہی کا مالک نہیں گردانا ہے۔ یہ بڑی بادشاہی کا ذکر ہے، وہ بادشاہی جو خدا کی بادشاہی ہے اور جس میں ہر چیز ہے، خدا کی خدائی ہے، خدا کی خداوندی ہے، خدا کی صفات ہیں، سب کچھ ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اِسی مقام پر فرمایا جاتا ہے کہ خدا جس کو چاہے یہ بادشاہی دے دیتا ہے۔ اِس کے معنی تو یہ ہو گئے کہ خدا اپنی خدائی کو بھی دے دیتا ہے۔ یہ اِس کے اندر بہت بڑی بات ہے اور اِس کے اندر کلیدی حکمت، اِس کو کلیدی حکمت قرار دیا گیا ہے اور ویسے یہ کلیدی حکمت ہے۔

میں آپ کو اِسی سلسلے میں ایک اور بات کہوں کہ قرآن کا مطالعہ کرتے کرتے زندگی کی یہ حد ہو گئی تو اُس میں عجیب و غریب حکمتیں ہیں، عجیب وغریب باتیں ہیں۔ کسی ایک (Subject) پر آیتیں ہیں تو وہ بکھری ہوئی ہیں تو اُن سب آیتوں کو یکجا کریں تو اُن کا ایک (Subject) بن جاتا ہے، مضمون بن جاتا ہے اور اُس مضمون کے اندر دیکھیں تو سب سے بڑی ایک آیت اُبھرتی ہے، ایک نمایاں آیت ہوتی ہے، اُس میں چابی ہوتی ہے۔ آپ کو شاید اِس بات سے مزہ بھی آوے اور خوشی بھی ہو کہ اسماعیلی مذہب میں علم کی ایسی عجیب وغریب باتیں ہوتی ہیں مثال کے طور پر نور سے متعلّق قرآن کے اندر بہت سی آیتیں ہیں۔ بہت آیتیں ہیں لیکن الگ الگ ہیں اور اُن میں سب سے بڑی ایک آیت ہے اور اُس خزانے کی (Key)، کلید ایک آیت کے اندر رکھی ہوئی ہے اور جو مومن اُس (Key) کو لے لے گا تو سب خزانے اُس کے لئے کُھل جائیں گے۔ اِس طرح خدا کی بادشاہی سے متعلّق بہت سی آیتیں ہیں۔ خدا کی بادشاہی آسمان میں ہے، زمین میں ہے اور ابھی جو ہم نے آیت بتائی اُس کے اندر اُس کی (Key) ہے۔ وہ کس معنی میں؟ وہ اِس (Sense) میں کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ کُل بادشاہی کا مالک وہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ جو سب سے عظیم خداوندی کی بادشاہی ہے، خدا کی خدائی ہے یہ بھی جو وہ چاہے کسی کو دے دے گا تو اسماعیلیوں کا تصوّر صحیح ہے اور ہم جس درجے میں امامؑ کو مانتے ہیں وہ صحیح ہے اور جس طریقے سے ہم نے امامؑ سے جا ملنا ہے وہ بھی صحیح ہے اِس آیت کے تحت۔ اوّل تو آپ خدا کو خدا مانیں، پھر اُس کے بعد یہ سوچیں کہ آیا خدا کی خدائی اُس کے علاوہ بھی آسکتی ہے یعنی اُس کی خدائی میں یہ گنجائش ہے کہ مومنین میں سمو جائے، تو یہ آخر میں مونو ریالزم کی بات بنتی ہے اور اِسی کے لئے امامؑ نے اپنے مُریدوں کو تیار کیا ہے۔ اِسی تصوّر کے لئے، اِسی رُوحانی سلطنت کے لئے، یہی نہیں اِس کے علاوہ حدیثِ قدسی میں بھی جو عالی شان حکمتیں بیان کی گئی ہیں اُن میں بھی یہی بات ہے جیسے خدا نے ارشاد فرمایا کہ: [كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ] میں ایک چُھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ یہ خزانہ جو ہے اِس کی شناخت ہو یعنی میری شناخت ہو تو اِس شناخت کی غرض سے میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اَب اِس پیدا کرنے سے مقصود کیا تھا؟ شناخت، معرفت اور مطلب اِس کا یہ ہوا کہ جس کو خدا کی شناخت حاصل ہوئی تو وہ خزانہ اِس کو مِل گیا چونکہ اِسی مقصد کے لئے مخلوق کو پیدا کیا گیا تھا۔ ایسا نہیں تھا جس طرح عوام سمجھتے ہیں کہ بس خدا کی

شناخت ہو اور خدا بس اپنی تعریف کرائے، اپنے لئے عبادت کرائے اور وہ مزہ لے بس اور اِدھر سے مخلوق محتاج ہو، دیکھتا رہے اور اِس کی آنکھ کبھی سیر نہ ہو جائے اور اِس کی تمناؤں کا جو پیٹ ہے وہ کبھی نہ بھرے۔ بس اِسی طرح سے محتاج رہے انسان، اِس مقصد کے لئے خدا نے نہیں پیدا کیا ہے۔ بلکہ خدا نے انسان کو اِس لئے پیدا کیا ہے کہ یہ انسان خدا کو پہچانے اور پہچاننے کے صلے میں اُس خزانے کو اپنا لے، کس خزانے کو؟ ''خدا'' خزانے کو اور خدا کی خدائی کو، خدا کی صفات کو، خدا کے اوصاف کو اور خدا کے نور کو، تو یہ ہے اسماعیلی تصوّر اور اسماعیلی حکمتیں۔

خوش نصیبی ہے اُن حضرات کی جو عبادت کے علاوہ علم کی طرف بھی توجّہ دیتے ہیں کیونکہ دیکھیں دُنیا کے اندر خدا کا تصوّر جو ہے وہ یکتا ہے اور اِس کے سوا جو ہیں چیزوں کی تکمیل دو دو سے ہوتی ہے۔ ہمارے رُوحانی یا کہ دینی پَردو (۲) ہیں، ایک علم کا ہے اور ایک عمل کا ہے۔ اِسی (Balance) سے ہم پرواز کر سکتے ہیں، صرف علم نہیں! صرف عمل نہیں! علم اور عمل۔ علم ہو تو عمل کا مزہ آوے، عمل کی قدر ہو، عمل کی اہمیّت ظاہر ہو جائے، عمل کے صلے کو، عمل کی قیمت کو سمجھے، عمل ہو تو علم کی قیمت بڑھے، دونوں چاہئیں، ایک نہیں۔ آج جو مومنین ایک کرتے ہیں اور دُوسرا نہیں کرتے ہیں تو وہ ترقّی سے رُکے ہوئے ہوتے ہیں۔

<u>قسمت اور تقدیر:</u>

ایک پوئنٹ اور کہوں کہ بہت سے مومنین فکر کرتے ہیں، قسمت یا تقدیر وغیرہ، یہ کوئی بات نہیں ہے، اسماعیلی مذہب میں قسمت تقدیر کی کوئی اہمیّت نہیں ہے۔ اسماعیلی مذہب کا یہ (Concept) ہے کہ زیادہ سے زیادہ اپنی قسمت کو خود بنائیں، اپنی تقدیر کو خود بنائیں۔ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے، یہ اصطلاح ہے، (Term) ہے لوگوں نے اپنے لئے بنائی ہے۔ آپ کو بہت سی اصطلاحیں ملیں گی جو لوگوں نے بنائی ہیں، وہ خدا کی اصطلاحات نہیں ہیں۔ بہت سے (Terms) ہیں لوگوں نے بنائی ہیں اور اُنہوں نے اُن اصطلاحات کے اندر اپنے آپ کو قید کر لیا ہے، مقیّد کر لیا ہے، محبوس کر لیا ہے۔ وہ اِسی میں جکڑے ہوئے ہیں، لیکن اسماعیلی مذہب ایسا نہیں ہے۔ اسماعیلی مذہب ایسا ہے کہ یہ عطا کرتا ہے بہت سی صلاحیتوں کو اور بہت سی قوّتوں کو عطا کرتا ہے۔ اِس لئے اسماعیلی جو ہوتے ہیں وہ بُلندی کی طرف جانے کے لئے سوچتے ہیں تو لہٰذا قسمت، تقدیر رُوحانی ترقّی کے معاملے میں یا دینی ترقّی کے معاملے میں کچھ نہیں ہے یا دُنیا کے بارے میں بھی، تو صحیح اُصول سے کام کریں، ترقّی ہو سکتی ہے عبادت میں، بندگی میں، عمل میں۔ دیکھنا چاہئے کہ کوئی (Machinery) نہیں چلتی ہے تو (Mechanic) اُس کو کھول کھول کر دیکھتا ہے کہ اُس میں کیا نقص ہے، اُس نقص کو نکالتا ہے تو لازمی طور پر وہ (Machine) ٹھیک ہو جاتی ہے، تو ہم بھی ایک طرح سے دیکھا جائے تو (Machinery) کی طرح ہیں۔ ہم اپنے

عیوب کو، اپنی غلطیوں کو، اپنی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر اُس کو (Check-up) کر سکتے ہیں اور اصلاح کر کے ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ چونکہ یہ کام بہت ہی عالیشان ہے اِس واسطے اِس میں محنت کی ضرورت ہے اور ہم کو امامؑ نے، امامِ حاضر نے جو زرّین اُصول دیا ہے وہ محنت، محنت، محنت، یہ تین دفعہ فرمایا گیا ہے [کراچی، ۱۲ نومبر ۱۹۷۹] گو کہ یہ کسی دُنیا کے بارے فرمایا گیا ہے دُنیاوی کام کے بارے میں یا رُوحانی کام کے بارے میں لیکن محنت ہر مقام پر ضروری ہے۔

اِس کے علاوہ ایک اور پوئنٹ ضروری ہے کہ ہم بیان کریں اور اُس کے لئے میں سب سے پہلے سوال کروں گا جب امامِ عالی مقامؑ ہم کو کوئی کام دیتے ہیں، کوئی اِذن دیتے ہیں، عبادت یا بول دیتے ہیں تو اُس میں آپ کا کیا خیال ہے، وہ چاہتے ہوئے دیتے ہیں یا نہیں [دینا] چاہتے ہیں؟ یہ سوال ہے۔ گو کہ اِس چاہنے میں تو ہم پہل کرتے ہیں، ہم گستاخی کرتے ہیں، ہم بے ادبی کرتے ہیں لیکن ہمارے اِس منشاء کو دیکھ کر امامؑ بھرپور خواہش سے دیتے ہیں یا کہ نہ چاہتے ہوئے دیتے ہیں؟ میں تو ضرور یعنی یہ کہوں گا کہ ہم نے جیسا بھی سوچا ہے جس کے نتیجے میں امامؑ اپنے بچّوں کو جو کچھ عنایت کرتے ہیں وہ مکمّل خواہش سے اور مہربانی سے، رحمت سے، عنایت سے اور دُعا کے ساتھ دیتے ہیں۔ اب اِس مقام پر میں دُوسرا سوال آپ سے کروں گا کہ دُعا کا (Essence) کیا ہے، دُعا کا جوہر کیا ہے؟ خواہش ہے۔ امامؑ جو آپ کی بھلائی کو، بہتری کو چاہتا ہے اور ہر وقت مُرید کی بھلائی کو چاہتا ہے، ترقّی کو چاہتا ہے، رُوحانی ترقّی کو چاہتا ہے، دینی ترقّی کو چاہتا ہے، جماعتی ترقّی کو چاہتا ہے، مالی ترقّی کو چاہتا ہے تو کیا اِس چاہنے میں ایک (Automatic) امامؑ کی دُعا نہیں ہے؟ آپ (Agree) ہو جائیں گے، آپ متّفق ہو جائیں کہ ضرور امامؑ کی اِس خواہش میں ہمارے لئے (Automatic) اور دائمی، مسلسل دُعا ہے، اِس کے علاوہ ہم توقع رکھتے ہیں کہ رسمی دُعا بھی ہو۔ صحیح ہے، وہ بھی صحیح ہے، وہ بھی ہمارے لئے ایک محرّک (Power) ہے، ہم کو حرکت میں لاتی ہے، ہمارے بہت سے شکوک کو امامؑ کی دُعا مٹاتی ہے، وہ بھی صحیح ہے تو خیر امامؑ کی دو (۲) قسم کی دُعا ہو گئی ہمارے لئے۔ ایک تو خواہش کی صورت میں، چاہنے کی صورت میں جو دائمی ہے، جو (Automatic) ہے، جو مسلسل ہے، (Continue) ہے اُس صورت میں بھی ہمارے لئے دُعا ہو گئی کیونکہ امامؑ اپنے مُریدوں کے ہمیشہ خیر خواہ ہوتے ہیں اور دُوسری دُعا یہ بھی ہو گئی جب کہ ہم اجتماعی طور پر ہم کو دُعا ملتی ہے یا اپنی خصوصی مہمانی میں دُعا ملتی ہے یا کسی (Letter) کے جواب میں دُعا ملتی ہے یا جماعت کے ساتھ مِلا کر بھی دُعا ملتی ہے یا دیدار کے مقام پر دُعا ملتی ہے، وہ دُعا بھی ہو گئی۔ اَب کام کدھر رُک گیا؟ امامؑ نے تو ہر طرح سے دُعا دی، خیر خواہی بھی کی، وہ چاہتا بھی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ وہ امامؑ اپنے بچّوں کو چاہتا ہے کہ وہ آگے بڑھے۔ ابھی آپ سوچیں، (Decide) کریں، قسمت بھی نہیں ہے، ہم نے اُس کو رَد کیا، اُس کو (Reject) کیا اور امامؑ کی دُعا بھی ہے، تو یہ رُکاوٹ کہاں آ گئی جو ہم کو رُوحانی ترقّی نہیں ہوتی ہے جس طرح ہم چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتی ہے۔ آپ منظور کریں گے، آپ مانیں گے

وہ [رُکاوٹ] ہم میں ہے، اپنی ذات کے اندر ہے۔ پھر ہمیں سوچنا چاہئے کہ کس طرح اُٹھتے ہیں، سوچنا چاہئے کہ کس طرح بیٹھتے ہیں، کس طرح ذکر کو جاری کرتے ہیں اور دن میں کن کن سے واسطہ پڑتا ہے، کیا کیا کرتے ہیں؟ ٹھیک ہے، ایمان کی زندگی تو گزارتے ہیں لیکن پھر بھی اِس کے اندر نزاکتیں ہیں، بہت سی باتیں ہیں، تو خُلاصہ یہ ہوا کہ نقص جو ہے اِس (Machine) کے اندر ہے۔ اِس کے باہر کہیں نہیں ہے، نہ تو قسمت ہے، نہ تقدیر ہے اور نہ امامؑ کی دُعا میں کوئی کمی ہے، نہ اسماعیلی مذہب میں کوئی کمی ہے، نہ جو ہم کو طریقۂ کار بتایا گیا ہے، بول یا اسم اُس میں کوئی کمی ہے اور بعض وقت ہم چاہتے ہیں کہ بول تبدیل ہو۔ ٹھیک ہے وہ بھی تو ہماری ایک خاطر ہے، جس طرح ایک مہربان باپ اپنے چھوٹے ایک نادان بچّے کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا ہے اُس کی بات کو مان لیتا ہے اِس طرح سے وہ بھی چل لیتا ہے لیکن نہیں! اصل نقص جو ہے اِدھر ہے، اِس سینے کے اندر، تو مومن کو حوصلہ مند ہونا چاہئے، ہر وقت اِس جہاد کے لئے تیار ہونا چاہئے کہ اِدھر ایک بیٹھا ہے گھر کا چور جو نفس امّارہ اُس کا نام ہے جو ڈاکو ہے، راہ زَن ہے ایمان کا اور پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تم اُس نفس سے دشمنی کرو جو تمہارے دو (۲) پہلوؤں کے درمیان ہے [اَعْدَیٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ] یعنی نفس امّارہ تو عجیب بات یہ ہے کہ یہ نفس جو ہے ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہا ہے اِس لئے اِس کی دشمنی کا پتا نہیں چلتا ہے اور یہ زہر ایسا ہے کہ کم کم ہماری غذاؤں میں مل جاتا ہے اور (Solid) ہوتا، الگ ہوتا، ہم دیکھتے، تو سمجھتے کہ یہ زہر ہے تو اِس نفس کو جاننا چاہئے، پہچاننا چاہئے اور ساری کمزوری، خرابی، پسماندگی اِسی سے ہے اور باقی اسباب، جو ذرائع ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ کسی بھی سبب میں، کسی بھی وسیلے میں کوئی کمی نہیں ہے، کوئی کوتاہی نہیں ہے، کوئی کوتاہی نہیں ہے، کوئی کمی نہیں ہے، ہم کو اگر ترقّی چاہئے تو اِس کے لئے محنت درکار ہے۔ اِس لئے قرآن نے فرمایا کہ :اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْئًا وَّاَقْوَمُ قِیْلًا (۷۳:۶) ترجمہ کرنے والوں نے ''وَطْئًا وَّ'' نفس کو پامال کرنا ایسا لکھا ہے، پامال کرنا۔ ''پا'' فارسی میں پیر کو کہتے ہیں، ''مال'' مالیدن، پاؤں کے نیچے اُس کو، جس طرح کسی چیز کو پامال کرتے ہیں اور پامال کرنے کے بہت سے طریقے ہیں، پامال کرنے کی بہت سی مثالیں ہیں، تو یعنی شب بیداری یعنی رات کو اُٹھنا، اسپیشل بندگی کے لئے جاگنا، بروقت جاگنا اور اِس کے لئے تیاری کرنا اور اُس کورس کو مکمّل طور سے انجام دینا اور چھوٹی چھوٹی کمزوریوں کو دُور کرنا دیکھنا، یہ مومن کا کام ہے۔ ہر سال ترقّی ہو بلکہ ہر مہینے میں ترقّی ہو بلکہ ہر روز تھوڑی تھوڑی سی ترقّی ہو تو عجب نہیں کہ ایک دن۔

اِس کے علاوہ ہمیں پیغمبروںؑ کی سیرت و کردار کو دیکھنا چاہئے کہ قرآن کے اندر مجموعی طور پر پیغمبروں کے کیا احوال ہیں۔ عبادت کا طریق کار، وہ کس طرح سجدہ کرتے تھے، کس طرح آنسو بہاتے تھے، اِن چیزوں کو دیکھیں تو ایک جذبہ پیدا ہو جائے گا پھر ہم اُن کے نقشِ قدم پر آگے بڑھ سکتے ہیں اور یہ خانۂ حکمت اور اِس کی مجالس کا مقصد یہ ہے کہ تھوڑی بہت یعنی کوشش کریں اور تھوڑی بہت علم کی روشنی پھیل جائے اور خصوصاً قرآن پہ تھوڑا بہت کام کرنا چاہئے۔ قرآن پر کام کرنا

اسماعیلی نکتۂ نگاہ کے مطابق اور امامؑ کے منشاء کے مطابق اور بزرگانِ دین نے جو تاویلات کیں ہیں اُن کے مطابق۔ یہ ہیں اغراض و مقاصد اور اِس مجلس کا مقصد تو اِسی کے ساتھ ساتھ مجھے شاید رُکنا چاہئے کیونکہ یہ بھی دیکھنا ہے کہ آپ کا وقت کیسا ہے اور میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ صاحبان اِس طرح سے جمع ہوئے ہیں اور صاحبِ خانہ کے ہم سب شکر گزار ہیں اور ہم میں سے کوئی مومن جب مجلس آخر کو پہنچے گی تو شاید دُعا بھی کریں گے، تو میں اپنی گفتگو کو یہاں ختم کرتا ہوں، شکریہ مہربانی۔

حدود ہے کیونکہ سائنس کے اُصول کے مطابق جو (Space) ہے وہ کسی بھی جسم کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ اِس لئے کہ اب نہیں بہت پہلے تجربہ کیا گیا ہے کہ بوتل سے ہَوا کو نکالیں یہ بہت ناممکن بات ہے کہ کوئی خالی جگہ نہیں ہوسکتی ہے، اُس میں کوئی لطیف جسم بھر جاتا ہے اور اِسی طرح جہاں سے جہاں تک (Space) ہے اُس میں کوئی نہ کوئی جسم ہے، لطیف جسم تو یہ اَب کی بات نہیں ہے۔ بہت پہلے کی بات ہے کہ حکماء نے اِس کو ثابت کیا ہے کہ جسم ہے، خالی جگہ نہیں ہے اور جو یہ خلا کہتے ہیں جو عربی میں یعنی کسی چیز کے بغیر ہونے کو کہتے ہیں اصل میں حقیقی معنوں میں یہ خلا نہیں ہے۔ خلا اُس (Sense) میں صحیح کہ جہاں زمین کی کشش نہیں ہے۔ یہ تو بات الگ ہوگئی اور جہاں زمین کی کشش نہیں ہے وہ فلکی جسم ہے جو ایتھر ہے، آپ اُس کو ایتھر کہیں اور عربی میں اُس کو ہیولیٰ کہتے ہیں، مادّہ ہے، لطیف مادّہ۔ جس طرح کہ آپ کہتے ہیں کہ مادّہ تین صورتوں میں ہے، یا گیس ہے یا ٹھوس ہے یا مائع ہے اور اِن پوزیشنوں میں یہ جو مادّہ ہے تبدیل بھی ہوتا ہے۔

انسان اور جنّ کی خلقت:

سوال: سر آپ نے انسان اور جنّ دونوں کو ایک سی مخلوق بتائی ہے، کہ اِن میں ایک طرح سے کوئی فرق نہیں ہے۔ انسان جسمِ کثیف میں ہے اور جنّ ہے وہ جسمِ لطیف میں ہیں، جسمِ رہتے ہوئے جنّ ہیں تو گناہ کس طرح کرتے ہیں؟ جسمِ لطیف میں نفس ہے کس طرح سے؟ جواب: اَب یہ سوال جنّات کے بارے میں ہے اور جنّات کے بارے میں یہ سوال بہت ہی مناسب بھی ہے۔ اِس لئے کہ جنّات سے متعلّق جو حقیقی علم ہے وہ بہت ہی پوشیدہ ہے، ظاہر نہیں ہے اور عوام اُس علم کو نہیں سمجھتے ہیں اور خصوصاً جنّ کے متعلّق جو بھید ہیں جو راز ہیں وہ بہت ہی مشکل ہیں کیونکہ جنّ قرآن میں ایک (Code Word) بھی ہے، جسے خدا نے مختلف آیات میں (Code Word) کے طور پر استعمال کیا ہے اور جنّ کو خداوندِ عالم نے قرآن کی بعض آیات میں (Code Word) کے طور پر استعمال کیا ہے اور جنّ بے شک ایک مخلوق ہے، لیکن جیسا کہ سوال میں کہا گیا کہ جنّ کے لفظی معنی نظروں سے اوجھل ہونے کے ہیں اور جس طرح عربی اُصول کے مطابق جِنَّہ، جَنَّہ، جُنَّہ کے تین الفاظ پوشیدگی کے معنی میں آتے ہیں۔ جِنَّہ: پوشیدہ مخلوق، جَنَّہ: ایسا باغ جو گنجان درختوں کی وجہ سے چُھپ گیا ہو اور جُنَّہ: ڈھال جو سَر کو چُھپاتا ہے تو اِسی طرح جنّ کے لفظی معنی پوشیدگی کے ہیں اور بیشک انسان اور جنّات میں بُنیادی فرق

جسم کا ہے کہ انسان کثیف جسم رکھتا ہے جو نظر آتا ہے مگر اِس کے برعکس جنّات کا جو جسم ہے وہ لطیف ہے اِس لئے وہ نظر نہیں آتا، اُس کو آج کل کی اصطلاح میں (Astral Body) کہا جاتا ہے اور جثّۂ لطیف بھی کہا جاتا ہے یا لطیف جسم بھی کہا جاتا ہے، تو اِنہوں نے اصل سوال یہ کیا کہ لطیف جسم ہونے کے باوجود جنّات کا نفس ہے؟ اگر ہے تو کیسا ہے؟ تو یہ ہے کہ لطیف جسم اور کثیف جسم کی جو تقسیم ہے وہ خیر و شر میں تقسیم نہیں ہے، بلکہ یہ تقسیم لطافت اور کثافت کی تقسیم ہے۔ جس طرح ظاہری عناصر ہیں، مٹّی ہے، پانی ہے، ہَوا اور آگ تو آپ دیکھتے ہیں کہ مٹّی کثیف ہے، پانی نسبتاً لطیف ہے، ہَوا اُس سے بھی لطیف ہے، آگ اُس سے بھی لطیف ہے تو اِن چار عناصر کی یہ تقسیم خیر و شر یعنی بُرائی اور بھلائی کی تقسیم نہیں ہے، بلکہ یہ مادّہ کی تقسیم ہے، لطیف اور کثیف کی تقسیم ہے۔ اِسی طرح جسمِ لطیف اور جسمِ کثیف جو ہے وہ خیر و شر کی تقسیم نہیں ہے بلکہ مادّہ کی تقسیم، کثیف اور لطیف کی تقسیم ہے۔ اُس کا ثبوت یہ ہے کہ کثیف جسم میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرؑ ہو گزرے ہیں اور بہت سے ائمّہ ہوئے ہیں، پھر بزرگانِ دین ہوئے ہیں۔ اِس کے علاوہ اِس دُنیا میں اچھے انسان اور بُرے انسان ہوئے ہیں کثیف جسم میں، اور اِسی طرح دُوسری طرف سے ہم دیکھتے ہیں کہ لطیف جسم میں شیطان ہے اور ایسا نہیں ہے کہ لطیف ہونے کی وجہ سے اُس کو اچھا ہونا چاہئے بلکہ چونکہ یہ تقسیم خیر و شر کی نہیں تھی صرف جسم کی حالت و کثافت کی تقسیم تھی لہٰذا جس طرح کثیف جسم میں ہر قسم کے افراد پائے جاتے ہیں اِسی طرح لطیف جسم میں بھی اچھے بھی ہیں، بُرے بھی ہیں اور بُروں کی مثال شیاطین ہیں اور اچھوں کی مثال ملائکہ ہیں اور جس طرح کہ خود جنّ کے موضوع میں جائیں اور سورہ جنّ کو پڑھیں تو اُس میں آپ کو دو (۲) قسم کے جنّات ملیں گے، اچھے بھی اور بُرے بھی، لیکن کیا ہوا ہے کہ عوام نے لفظِ جنّ کو اچھے (Sense) میں نہیں لیا ہے اور جنّ سے متعلّق طرح طرح کی کہانیاں اور روایات بنالی ہیں اور جس کی وجہ سے جنّ۔ بہت سے لوگوں کے نزدیک ایک بھونڈی شکل کی مخلوق لگتی ہے، مگر یہ تو لوگوں کے وہم و گمان کی بات ہوئی، حقیقت کی بات نہیں ہوئی۔ حقیقت کی بات کا پتا اُس وقت چلے گا جب ہم قرآن کی روشنی میں جنّ کے موضوع کو پڑھیں یا رُوحانیت کا کچھ تجربہ کریں تو اِس سے پتا چلے گا۔

چنانچہ جنّات کے متعلّق لوگوں کے غلط تصوّرات کا ایک ثبوت یہ ہے کہ لوگوں نے جنّات کو پریوں سے الگ مانا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جنّ عربی لفظ ہے اور پری فارسی لفظ ہے اور دونوں ایک ہی مخلوق کا نام ہے۔ آپ لوگوں کی غلطی کو دیکھئے کہ جہاں پریوں کا ذکر آتا ہے تو اُس کے متعلّق لوگ ایک اچھا اور خوبصورت تصوّر رکھتے ہیں اور جہاں جنّ کا ذکر آتا ہے تو ایک بھونڈی شکل کی مخلوق کا تصوّر لوگ رکھتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جنّ اور پری صرف عربی زبان اور فارسی زبان کا فرق ہے ورنہ ایک ہی مخلوق کا نام ہے، تو اِس سے پتا چلتا ہے کہ جنّات کی ایک خوبی جسم کی خوبی ہے پر عمل کے لحاظ سے، عادات کے لحاظ سے یہ دو (۲) گروپ میں تقسیم ہیں یعنی اچھے بھی ہیں اور بُرے بھی ہیں اور پھر آیئے ہم یہ بات کریں کہ جنّات اور انسان ایک ہیں اور فرشتے بھی اِنہی میں سے ہیں۔ فرق اِس میں یہ ہے کہ بنیاد انسان ہے، اِسی انسان میں

سے آگے بڑھ کر کوئی فرشتہ بنتا ہے اور کوئی بدترین انسان شیطان بھی بنتا ہے اور کوئی فرشتہ بھی بنتا ہے اور جسم کے لحاظ سے کہا جائے تو جنّ کہا جائے گا، علم اور نیکی کے لحاظ سے کہا جائے تو فرشتہ کہا جائے گا، بدی کے لحاظ سے کہا جائے تو شیطان کہلائے گا تو یہ یا تو جسم کی وجہ سے ایک نام مقرّر ہوتا ہے یا علم و عمل کے اعتبار سے کوئی نام مقرّر ہوتا ہے اِسی انسان کا اور انسانیت سے (Start) ہو جاتا ہے تو میرے خیال میں آپ کے سوال کا ایک حد تک مختصراً جواب مہیّا ہے۔

ٹائپ: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

Click here for Audio

استادِ بزرگوار علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی ق س کا پُرحکمت بیان

عنوان: خانۂ حکمت کا طریقۂ تعلیم اور مستقبل میں اسماعیلی مذہب پر ریسرچ

کیسٹ نمبر: ۴۲   تاریخ: ۸ر مئی ر ۱۹۸۱ـ کراچی

اِس وقت اِس زمانے میں علم کے لئے بہت کچھ جدو جہد کرنے کی ضرورت ہے، اُس کی کئی وُجوہ ہیں ـ ایک تو یہ کہ جب علم کا کارخانہ اور علم کا سب سے بڑا خزانہ اسماعیلی مذہب میں موجود ہے، تو ہمیں کیوں ناشکری کرنا چاہیئے اور دُوسری وجہ یہ ہے کہ علم سب سے بڑی طاقت ہے اور ہماری جماعت کی بہت چھوٹی سی تعداد ہے، تو ہم اِس کمی کو علم سے پوری کر سکتے ہیں، ہر مقام پر آپ دیکھتے ہیں علم کی کتنی ضرورت ہے، لہٰذا آپ زیادہ سے زیادہ علمی نکات کو یاد کریں ـ جس طرح دُنیا میں کوئی سرمایہ ہوتا ہے تو وہ پیسوں کو پیسے کماتے ہیں، اِس مثال کے مطابق علم کو علم حاصل کرتا ہے، لہٰذا آپ بنیادی طور پر ایسے نکات کو ذہن نشین کر لیں، کہ ہر پوائنٹ، ہر نکتہ کئی کئی علم کی باتوں کو جنم دے گا ـ

دیکھیں عزیزانِ من! شروع میں آدم وحوّا تھے تو اَب سیارۂ زمین پر کتنے انسان رہتے ہیں، بالکل اسی طرح آپ اپنے اندر سب سے پہلے ایسے علم کو رکھیں جو مرتبے میں آدم وحوّا کی طرح ہو، اور خدا اُس بنیادی علم کو اتنی برکت دے کہ وہ لاانتہا علم کو جنم دے گا ـ آپ برکت، خداوند سے چاہنا کہ برکت ہر چیز میں چاہیئے اور خصوصاً علم میں، علم میں برکت ضروری ہے، جب علم میں برکت ہوگی تو نتیجے کے طور پر نہ صرف وہ علم بڑھتا چلا جائے گا بلکہ اُس میں رونق آئے گی تو وہ علم کی ساری باتیں لذّتوں سے حلاوتوں سے بھرپور ہو جائیں گی، آپ ایک ایسی زبان کو چاہنا ـ دیکھیں! ایک خاص بات میں آپ کو بتاؤں، خوش نصیب مومن وہ ہے جو خدا سے طلب کرنا جانتا ہے اور طلب کرنے کے لئے شناخت اور علم کی ضرورت ہے، میرا مقصد یہ ہے کہ آپ یہ ضرور کہنا کہ یا خداوند! میری اِس کمزور اور ناچیز زبان کے اندر اپنے نور کی ایک کرن رکھنا اور یہ دُعا کرنا لیکن یہ کافی نہیں ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہنا کہ خداوند! میرے اِن ناچار کانوں میں آپ اپنے نور کو رکھنا تا کہ [یہ] حق بات کو سنیں، علم کی باتوں کو حاصل کریں اور اُن سے حلاوت ولذّت [لیں] یہ بھی کافی نہیں ہے ـ پھر آپ کہنا خداوند میری یہ ناچار آنکھیں اِن میں آپ اپنی روشنی کو رکھنا ایسی دُعا کرنا یہ بھی کافی نہیں ہے، کہنا کہ خداوند! میرے قلب میں میرے اِس چھوٹے سے دل میں اپنے نور کو رکھنا کیونکہ دل جو ہے وہ مرکز ہے تمام اعضاء کا وہ (Junction) ہے، دل

میں جب تیرا نور کنٹرول کرے گا، تو دل تمام اعضاء پر کنٹرول کرے گا پھر ہم سے کوئی لغزش نہ ہوگی، کوئی خطا نہ ہوگی، کوئی غلطی نہ ہوگی، کوئی بھول نہ ہوگی، میں یہ دُعا [بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَللّٰھُمَّ اجعل لی نورًا فی قلبی، ونورًا فی سمعی، ونورًا فی بصری، ونورًا فی لسانی، ونورًا فی شعری، ونورًا فی بشری، ونورًا فی لحمی، ونورًا فی دمی، ونورًا فی عظامی، ونورًا فی عصبی، ونورًا من بین یَدَیَّ، ونورًا من خلفی، ونورًا عن یمینی، ونورًا عن یساری، ونورًا من فوقی، ونورًا من تحتی، اَللّٰھُمَّ عظّم لی نورًا وّ نعمۃً وّ سرورًا (دعائم الاسلام، جلد اوّل، ص:۱۶۷] آپ کو اِس لئے سکھاتا ہوں کہ یہ عربی میں ہے اُس میں کہا گیا ہے کہ بارِ الٰہی ہماری داہنی طرف بائیں طرف اور آگے پیچھے اُوپر نیچے یعنی شش جہد میں نور قرار دینا، یعنی اِس دُعا میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمارے پاؤں کے نیچے بھی نور قرار دینا، آپ کو اِس سے تعجّب ہوگا، اور انسان از خود کچھ نہیں ہے جب تک کہ خداوند ایسا کرم نہ کرے ایسی رحمت نہ کرے، اِس کے لیے سخت ضرورت ہے

پھر عزیزانِ من! میں بار بار اِس چیز پر زور دیتا ہوں کہ آپ علم کس طرح حاصل کریں، اگر ممکن ہو تو بہت بلندی سے علم کو حاصل کریں یعنی اُونچی سطح سے۔ علم کیا ہے؟ ایک (Survey) کی طرح ہے، ایک جائزے کی طرح ہے، آپ کسی شہر کا جائزہ لینا چاہتے ہیں تو اُس کے کئی طریقے ہوتے ہیں، گلی گلی چل کر، پھر کر بھی جائزہ ہوتا ہے، گھوڑے پر چل کر بھی جائزہ ہوتا ہے، موٹر پر چل کر بھی جائزہ ہوتا ہے، بلند بلند شہر کے میناروں پر چڑھ کر بھی جائزہ ہوتا ہے اور ہیلی کاپٹر پر چکّر لگاتے ہوئے بھی جائزہ ہوتا ہے، آپ ہی بتائیں کہ کون سا طریقہ ہے جس میں سہولت ہے جو کم وقت میں زیادہ کام ہو سکے۔ آپ تو یہ کہیں گے کہ اِس میں تو چاہئے کہ کوئی اُونچا ٹاور ہو وہاں سے دیکھا جائے اور اُس سے بڑھ کر یہ کہ جہاز کوئی مل جائے ہیلی کاپٹر ہو اُس پہ سوار ہو کر پورے شہر کا جائزہ لیا جائے اور بہت کم وقت میں جائزے کا جو کام ہے مکمّل ہو جائے تو یہ ہے علم کے مختلف طریقے یا کہ حصولِ علم کی مختلف سطحیں، مختلف (Levels) تو خانۂ حکمت کے اندر بفضلِ خدا جو سکھانے کا طریقہ ہے وہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ آپ باور کریں یا نہ کریں لیکن ضرور آپ باور کریں گے [کہ] یہاں جو سکھانے کا طریقہ ہے بہت کامیاب ہے کیوں؟ یہ جو تعلیمات ہیں یعنی کُلّیات یعنی (Formulas) اور اُونچی باتوں سے [یہاں] تعلیم دی جاتی ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ یہاں کی ایک بات کئی کئی علم کی باتوں کو جنم دیتی ہے، مثال کے طور پر قرآن کتنا بڑا سمندر ہے علم کا، بہت بڑا سمندر ہے لیکن میں دعویٰ کرتا ہوں آپ کے پاس وقت ہے تو چلو! کچھ دیکھو! کہ کس آسانی سے آپ علم کو حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک بات ہم آپ کو بتائیں گے سو (۱۰۰) مقام پر وہ آپ کو کام آئے گی کیونکہ قرآن کچھ اِس طریقے سے ہے کہ ایک بات جو ہے بار بار آتی ہے، مثلاً ''اللہ'' خدا کے ناموں میں سے ایک عظیم نام ہے، قرآن کے اندر دیکھیں ہزار جگہوں میں یہ نام آتا ہے، اگر آپ اللہ کے متعلّق کچھ فلسفے کو سمجھتے ہیں، کچھ تاویل کو جانتے ہیں کچھ حکمت کو حاصل کرتے ہیں، تو قرآن کے اندر ہزار (۱۰۰۰) جگہوں میں یہی اللہ آئے گا اور وہ روشنی ڈالے گا، اُس آیت پر اور اُن الفاظ پر، یہ ایک مثال ہے۔ اسی طرح

بہت سی چیزیں ہیں جو قرآن کے اندر بار بار آتی ہیں، جس کے لیے ہم نے کلاس رکھی ہے ہفتے میں ایک دن، لیکن شاید نافرصتی کی وجہ سے اُس میں حاضری بہت کم ہے، اِس کے علاوہ ہم نے مجلس رکھی ہے تو مجلس میں آج ماشاءاللہ کافی ممبران آئے ہوئے ہیں، جس میں بات ہوتی ہے اور جب ممبران نہیں ہوتے ہیں تو معلوم نہیں مایوسی کیوں ہوتی ہے، کہ بات نہیں ہوتی ہے مجلس نہیں ہوتی ہے، مزہ نہیں آتا ہے کیونکہ ایک مخصوص تعداد کے ساتھ اِس مجلس کی عادت ہوگئی ہے، تمام عملداروں کی اور بات کرنے والوں کی یہ عادت ہے کہ ایک مخصوص تعداد چاہیئے پھر اُس کے بعد مجلس ہوتی ہے۔

آپ وقت نکال کے آئیں اور ویسے [بھی] ہر ایک کے کام کرنے کے لیے کام سامنے ہے کچھ لکھنا چاہیں، کچھ پڑھنا چاہیں لیکن خانۂ حکمت کے لحاظ سے یہ ایک اچھا طریقہ ہے کہ ہم ملتے ہیں اور خاص خاص باتیں ہوتی ہیں۔ اِس تعلیم کی ایک خاصیّت یہ بھی ہے کہ جب ایک بار آپ کو ایک پختہ بات بتادی جائے گی تو پھر دُوسری دفعہ اُس میں ترمیم وغیرہ نہیں ہوگی چونکہ وہ بات صحیح ہوگی اور حق بات ہوگی وہ (Powerful) بات ہوگی، اور ہمیشہ اُس سے آپ کے مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی، اور دُوسرا اُصول یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں شعوری طور پر اور لاشعوری طور پر بہت سے سوالات ہوتے ہیں جو کہ وہ یا تو پوچھتا نہیں ہے یا توقع نہیں رکھتا ہے یا موقع نہیں ملتا ہے یا وہ سارے سوالات لاشعوری میں رہتے ہیں، اِس کے لیے کیا کرنا چاہیئے؟ اِس کے لیے بھی ایک اعلیٰ تعلیم ہو اور بہت سلجھا ہوا لیکچر ہو، سلجھا ہوا سے میری مُراد لفظوں سے سلجھا ہوا نہیں ہے، علم سے! علم سے! ہم تو اہلِ زبان بھی نہیں ہیں، ہم دیہات کے آدمی ہیں ہمیں زبان پر کوئی فخر بھی نہیں ہے اور کوئی دعویٰ بھی نہیں ہے۔ ہمیں دعویٰ جو ہے وہ اسماعیلیت کا دعویٰ ہے اور امامؑ کے مُرید ہونے کا دعویٰ ہے اور امامؑ کی رُوحانی اولاد ہونے کا بھی دعویٰ ہے، یہ دعویٰ ہے اور شاید اِس کی برکت سے کچھ علم بھی ہو، باقی لفظوں کا کوئی دعویٰ نہیں ہے، تو سلجھا ہوا لیکچر ہو نتیجے کے طور پر یعنی آدمی کے ذہن میں جو بہت سارے سوالات تھے وہ خود بخود حل ہوتے ہیں اُس کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کیا ہوا، ایک وقت کے بعد وہ خوش نصیب انسان خود کو بدلا ہوا پاتا ہے، بدلا ہوا پاتا ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ اُس کو کوئی چیز مل گئی ہے پھر اُس کا وہ (Experiment) کرتا ہے تجربہ کرتا ہے، وہ تجربہ اِس طرح سے کرتا ہے کہ کبھی وہ اپنے احباب کے ساتھ گفتگو کرتا ہے کبھی وہ دُوسروں کو دیکھتا ہے کہ کتنے دُور کے گمراہ ہیں کبھی اپنوں کو دیکھتا ہے کہ وہ کس (Level) کے ہیں کس معیار کے ہیں اِن کی باتیں کیسی ہوتی ہیں کیسے لیکچر ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ، تو اِس کو ایک خاص معیار ملتا ہے۔

پھر جب اِس کے معیار کے مطابق علمی گفتگو نہیں ہوتی ہے تو اِس کو مزہ نہیں آتا ہے تو یہ بھی ایک معیار ہے یہ بھی ایک ٹیسٹ ہے اور ٹیسٹ کا ہونا لازمی بات ہے، کوئی شاہنشاہ کا شہزادہ ہے جو ناز و نعمت میں پلا ہوا ہے اور محل میں ہر قسم کی خدمت اِس کی، کی جاتی ہے اور ہر طرح کی نعمت اُس کے سامنے آتی ہے تو وہ جاتا ہے کسی دیہات میں ایک زمیندار کے گھر میں اور اُس کے سامنے۔ اُن کو کیا معلوم کہ یہ کوئی شہزادہ ہے وہ جاتا ہے سیاحت کے لیے یا شکار کے لیے یا دیکھنے کے

لیے کہ لوگ کس طرح رہتے ہیں، کیا کھاتے ہیں، کیا اُن کی حالت ہے تو اِس طرح سے وہ شاہنشاہ کا بیٹا جاتا ہے کسی زمیندار کے گھر میں تو کھانے کا ٹائم ہوتا ہے اُس کے سامنے بہت حقیر غذائیں آتی ہیں۔ اَب وہ بادشاہ کا بیٹا ہے تو کھائے تو اُس کو مزہ نہیں آتا ہے اور نہ کھائے تو کیا کرے مجبوراً وہ تھوڑا بہت کھاتا ہے، لیکن اُس سے وہ کھانا نہیں کھایا جاتا ہے چونکہ اُس کا (Taste) کچھ اور ہے اور اُس کی غذائیں کچھ اور تھیں یہ مثال ہے۔ کسی کے پاس علم ہے اور اُس نے کچھ پایا ہے تو ہر جگہ پر جا کر وہ شاہنشاہ کا بیٹا ہے تو اُس کو مزہ نہیں آئے گا وہ جان لے گا کہ بات کس طرح ہو رہی ہے اور کیا کہا جا رہا ہے اور کس (Level) کا علم ہے اور کس سطح کی باتیں ہیں، تو میں یہ گفتگو کیوں کرتا ہوں؟ اِس لئے کرتا ہوں کہ آپ کو ایک چیز کی جستجو ہو تلاش ہو اور اِس کی تڑپ ہو وہ علم ہے، حقیقی علم ہے، حقیقی علم ہے وہ بڑی قیمتی شئ ہے آپ اِس کو لیں، کتابوں کو پڑھیں باتوں کو سنیں کوئی ایک بات بھی ضائع نہ جانے دیں، تو یہ گوہر گرانمایہ ہے جو امامؑ کا علم ہے جو درویشی کا علم ہے اور یہ علم روایتی علم نہیں ہے، یہ ایسی نہر کا پانی نہیں ہے یہ بارش ہے اور بارش کا پانی ہے، براہِ راست امامؑ کے آسمان سے آئی ہوئی بارش ہے اِس میں کوئی آلودگی نہیں وہ بڑی صاف ہے ستھری ہے، تو آپ اِس پانی کو حاصل کریں اور یہ ہے کہ ایک وقت کے بعد آپ کو پتا چلے گا، جو عزیزان پُرانے ممبر ہیں انھوں نے کافی ترقی کی ہے وہ اپنے علم کا اندازہ کر سکتے ہیں، ہم اُن کے علم کا اندازہ کر سکتے ہیں اور ممبران بھی ایک دُوسرے کے علم کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو نئے ہیں وہ کچھ وقت تک تکلیف اُٹھا کر آئیں مجلس میں، کلاس میں حاضری دیں تو تب پتا چلے گا اور ساتھ ہی ساتھ کتابوں کو پڑھیں اور صرف کتابیں نہیں ہیں مقالے بھی ہیں، خطوط بھی ہیں، کیسٹز بھی ہیں اِن تمام چیزوں سے آپ علم کو اخذ کریں اور یہ کوئی سو (۱۰۰) برس کا پروگرام نہیں ہے کہ یہ ایسا ہی چلتا رہے گا، چلتا رہے گا ایسا نہیں ہے! تو مصلحت خدا کی ہے، آگے چل کر اِس پروگرام میں کیا خلل آئے گا اور کیا ہو گا یہ تو دُنیا ہے اور دُنیا کا قانون ہے اور کوئی شخص اِس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنے والا نہیں ہے، سوائے ایک ذات ہے جو باقی ہے اور اِس کے سوا ہم میں سے ہر ایک فانی ہے، تو اپنے اپنے وقت پر اِس جسم کو چھوڑ جانا ہے، جسم کو چھوڑ جانے سے قبل کوئی کام کر کے جانا ہے تا کہ وہ کام یادگار رہے اور جو آنے والی نسل ہے اُن کے لئے مفید ثابت ہو جائے اور میں نے اپنی پوری زندگی میں سوچا ہے ایسی خدمت کون سی ہے جو سب سے مفید ہو، سب سے اعلیٰ بھی ہو اور ہمہ رس بھی ہو، عالم گیر بھی ہو یعنی پوری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے ایسی خدمت کونسی ہے؟ میں نے بار بار بتایا ہے اب بھی بتاتا ہوں وہ علم ہے، وہ علم ہے۔

مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اگر ایک مومن ہے اور اُس کے پاس کئی کئی خدمات انجام دینے کا وقت اور صلاحیت ہے تو اگر وہ نہیں جانتا ہے کہ دس (۱۰) خدمات میں سے کون سی بہتر ہے اُس میں نہیں سوچتا ہے تو وہ ہوشمند نہیں ہے، وہ دانا نہیں ہے اور یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کس خدمت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر ہم سے صرف ایک خدمت آتی ہے اور چھوٹی سی خدمت آتی ہے یہ تو دُوسری بات ہے، جب ہم سے ایک ہی خدمت آتی ہے تو اُس میں کیا انتخاب ہے اور کیا سوچنا ہے وہی کریں

گے جو ہم سے آتی ہے اگر ہم سے دس (۱۰) خدمات آسکتی ہیں تو اُن میں یہ دیکھنا ہوگا کہ کون سی خدمت زیادہ مفید ہے اور دُور رَس فائدوں کی حامل ہے، تو میں نے اپنی پوری زندگی میں سوچا ہے [کہ] علم کی خدمت سے بڑھ کر کوئی خدمت نہیں ہے اِس لئے کہ یہ لازوال ہے، اِس لئے کہ یہ حال اور ماضی کو پہنچتی ہے، اِس لئے کہ یہ پوری دُنیا میں پھیل سکتی ہے، لہٰذا ہو سکے تو علم کی خدمت کرنا لیکن علم کی خدمت کرنے کے لئے خود کو تیار کرنا اور علم کی خدمت آپ سے اُس وقت لی جائے گی جب کہ آپ علم کی دولت سے اور علم کے گوہر سے مالا مال ہو جائیں۔

کتنی اچھی بات ہے میں بار بار بتاتا ہوں کہ یہ علم نہ صرف دُنیا کے لئے ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ آخرت کے لئے ہے اور آخرت میں اِس کی زیادہ ضرورت ہے، تو اِس لئے نورِ علم کو حاصل کرنا اور نورِ علم کو ہمیشہ کماتے رہنا۔ آپ دیکھیں قرآن کی بات کریں گے آپ کو معلوم ہے کہ اِس دُنیا کے اندر کتنے مسلمان ہیں۔ بہت سارے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آج کے زمانے میں قرآن فریاد کرتا ہے، شکوہ کرتا ہے، شکایت کرتا ہے (۲۵:۳۰) اُس کو شکایت ہے کہ کوئی شخص، کوئی فرقہ اُس کی قدردانی نہیں کر رہا ہے۔ آپ ہم سے پوچھیں قدردانی کے کیا معنیٰ ہیں؟ قدردانی کے یہ معنیٰ ہیں کہ کوئی اُس کو سمجھے، اُس کی گہرائی میں جائے، اُس کی حکمتوں کو، اُس کی حقیقتوں کو، اُس کے بھیدوں کو، اُس کی تاویلات کو سمجھے، تو یہ خود قرآن کی قدردانی ہے، اور اگر خدا کرے کہ اسماعیلی مذہب کا کوئی فرد یا کوئی ادارہ قرآن پر بہت بڑا کام انجام دے تو آج نہیں تو سو (۱۰۰) برس کے بعد پتا چلے گا کیونکہ ابھی یہ دُنیا ختم ہونے والی نہیں ہے اور لوگ دیکھیں گے کہ یہ علم یا یہ کتاب قرآن کے لحاظ سے یا قرآن فہمی کے لحاظ سے کیسی ہے، تو پھر وہ بات دُنیا کے اندر مشہور ہو جائے گی، جیسے آج ہمارے پیروں نے، بزرگوں نے جو کچھ قرآن پر کام کیا یا جیسے فلسفے بیان کئے تو اُس کو اہلِ دانش جانتے ہیں۔

یاد رکھیں! ایک زمانہ آنے والا ہے اُس کو (Nationalism) کا زمانہ کہنا چاہئے، یہ دُنیا اِس طرح سے نہیں رہے گی آپ یاد رکھیں! دُنیا بہت (Close) ہو جائے گی مختلف ذرائع سے اور مختلف وسائل سے لوگ، بڑی بڑی قومیں آپس میں دوست ہو جائیں گی اور پھر اُن کے لئے علم پر، مذہب پر، تواریخ پر، حقائق پر، نظریات پر، ریسرچ کرنے کے لئے بڑا ذوق پایا جائے گا جیسا کے اَب شروع ہو گیا ہے اور پھر مختلف (Fields) میں ریسرچ کریں گے۔ اُس وقت اسماعیلی مذہب پر بھی ریسرچ کریں گے، کیوں کریں گے؟ اسماعیلی جماعت ایک چھوٹی سی جماعت ہے، کئی وُجوہات سے اسماعیلی جماعت پر ریسرچ کریں گے۔ ایک تو یہ کہ اسماعیلی مذہب کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، اِس لئے اُن کو پتا چلے گا کہ آگے جو کچھ اِس پر کام ہوا ہے۔ بہت اُس میں مخالفت اور دشمنی سے کام لیا گیا ہے، لہٰذا از سرِ نو یعنی نئے سرے سے اِس پر ریسرچ ہوگی۔

دُوسری بات یہ ہے کہ اِس میں کچھ خوبیاں، کچھ خوبیاں جو میں نے کہا ظاہری لحاظ سے کہا اور لوگوں کے اعتبار سے کہا، تو اُن کو پتا چلے گا کہ کچھ خوبیاں ہیں جیسے امامؑ کا سلسلہ جو ہمیشہ سے ہے، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اُن کو پتا چلے گا کہ اِس

مذہب کے اندر کچھ اسپیشل فلسفہ ہے، تو آپ کو معلوم ہے کہ کہیں کان ہے، زیرِ زمین پہاڑ میں تو لوگ ایک ہی نشان کی اُمید پر اُس میں کھودتے ہیں اور کُریدتے ہیں اور پھر جب اُن کو کان ملے، تو اُس میں لگ جاتے ہیں تو اُن کو پتا چلے گا کہ اسماعیلی مذہب کے اندر کچھ ہے، پھر ریسرچ کریں گے۔ ریسرچ کریں گے تو اُس وقت اگر کچھ لوگوں نے پہلے سے اِس کے اندر کچھ کام کیا ہے، قرآن کے سلسلے میں، رُوح کے سلسلے میں عجیب وغریب باتیں کہی ہیں تو اُس کی سچائی کو اور جھوٹ کو دیکھنے کے لئے تو دیکھیں گے، اِس بہانے سے جب لگ جائے گے تو اُن کو پتا چلے گا کہ اسماعیلی مذہب میں راز ہے، صرف اسماعیلی مذہب میں نہیں تمام مذاہب پر ریسرچ ہوگی۔ جس طرح تین چار سو برس پہلے سے جو اَب تک حالات ہیں (University Level) پر، بہت اچھے حالات ہیں. بہت اچھی ریسرچ ہو رہی ہے لیکن اِس کے بعد اور زیادہ ریسرچ ہوگی اپنے لوگ بھی کریں گے تو جب اُس وقت اسماعیلی مذہب اور اِس کی کتابیں، اِس کے عقائد اور نظریات (University Level) پر آجائیں گے یا (International Level) پر اِس پر کام ہوگا تو دُنیا کے اندر ایک علم کا طوفان برپا ہو جائے گا، ظلم نہیں رہے گا، ناانصافی نہیں رہے گی، زیادتی نہیں رہے گی، عداوت نہیں رہے گی اور مذہب کا پتا تو نہیں چلے گا لیکن انسانیت اور اخلاق کے نام سے ترقّی ہوگی اور اُس کی وجہ سے اسماعیلی مذہب پر کام کرنے کے لئے لوگوں کو بڑا موقع بھی ملے گا۔ اُس وقت میرا یقین ہے کہ خانۂ حکمت کا جو کام ہے لوگوں کے نوٹس میں آئے گا، لوگوں کی نظر میں آئے گا، قریب ہی میں اِس پر (Thesis) بھی ہوں گی، اِس لئے ہم مایوس نہیں ہیں اور پیچھے سے پیچھے اِس کا کام بہت درخشان اور تابان ہو جائے گا اور علم کی بہت قدردانی ہوگی۔ آپ یورپ میں جائیں اور امریکہ میں جائیں آپ کو لوگوں کا ایک طبقہ ملے گا جن کو علم سے لگاؤ ہے، مذہبی نکتۂ نظر سے نہیں، بس علم کے ذوق کے طور پر، اگر کوئی عیسائی ہے تو وہ ہوسکتا ہے کہ وہ مذہب سے بالاتر ہو کر خالص (Literature) اور علم کے طور پر اُس پر کام کرے اور ایسا ہو رہا ہے۔

ایک خاص بات میں آپ کو بتاؤں امامؑ کو دیکھنا ہوتا ہے ہر مومن امامؑ کی طرف دیکھتا ہے اور ہم بھی امامؑ کی طرف دیکھتے ہیں، جب ہم امامؑ کی طرف دیکھتے ہیں اِس معاملے میں تو ہمارے سامنے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ اِس وقت امام (University Level) پر کام کرنے کے خواہش مند ہیں اور کر رہے ہیں اور بہت سے اسکالرز سے کام لے رہے ہیں، اِس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آگے جو زمانہ آئے گا روشن زمانہ آئے گا، علم کا زمانہ آئے گا اور ریسرچ کا زیادہ سے زیادہ زمانہ آئے گا، اِس لئے آپ علم کی طرف توجّہ دیں اور اِس چھوٹے سے ادارے کو آگے بڑھائیں اور میں اسی کے ساتھ اپنی باتوں کے سلسلے کو ختم کرتا ہوں، شکریہ۔

ٹرانسکرئب اور ٹائپ: زینت علی　　نظرِ ثانی: اکبر علی　　پُروف: نسرین اکبر

Click here for Audio

استادِ بزرگوار علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی (ق) کا پُرحکمت بیان

عنوان: امامؑ اور قرآن ۔ جسمانی، رُوحانی اور عقلی عذاب

کیسٹ نمبر: ۴۳ تاریخ: ۱۶ر ستمبر ۱۹۸۱ء کراچی

میں چاہتا ہوں کہ جو ڈایا گرام بنے ہوئے ہیں اُن میں سے ایک بہت مُہم یعنی بہت بڑی اہمیّت والے ڈایا گرام کی تشریح کروں۔ اِس کی اہمیّت اِس لئے ہے کہ یہ ڈایا گرام اسماعیلی تصوّر کو بڑے منطقی انداز میں اُجاگر کرتا ہے، اور انتہائی شاندار طریقے سے سمجھاتا ہے، کہ امام اور قرآن کا آپس میں کیا رشتہ ہے یا یہ کہ قرآن امامؑ کے ساتھ اور امامؑ قرآن کے ساتھ کس طرح ہیں یا یہ کہ قرآن کی رُوح اور رُوحانیت کس طرح امامِ زمانؑ کی ذاتِ اقدس میں پوشیدہ ہے، تو اِس کے لئے قرآنِ مقدّس میں ایک آیت ہے اور اِس کا حوالہ (۵۶: ۷۵ ۔ ۷۹) ہے۔ " فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ ○ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ○ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ "۔ اور اُس کا یہاں صرف انگلش میں ترجمہ ہے۔ میں کچھ اپنی ادھوری انگلش میں یہ پڑھوں گا۔

Nay, I swear by the places of the stars. And lo! that verily is a tremendous oath, if ye but knew, that (this) is indeed a noble Qur'an, In a Book kept hidden, which none toucheth save the purified.

آپ نے اِس کا مفہوم (Catch) کر لیا جو میں نے ترجمہ پڑھا، تاہم میں کوشش کرتا ہوں کہ اُردو میں اِس کا ترجمہ کروں۔ خدا کہتا ہے، خدا فرماتا ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں، اُن جگہوں سے جو ستاروں کی ہیں، اور دیکھو دراصل یہ ایک عالی شان قسم ہے یا یہ بہت بڑی قسم ہے، اگر تم جاننے والے ہو، اور قسم اِس بارے میں ہے کہ قرآن ایک معزّز قرآن ہے، اور وہ ایک ایسی کتاب کے اندر ہے جس کو کتابِ مخفی کہا جاتا ہے یعنی قرآن مخفی کتاب کے اندر ہے اور اُس کو کوئی چھو نہیں سکتا سوائے وہ لوگ جن کو پاک کیا گیا ہے۔ مختصر مطلب اِس کا یہ ہے کہ یہاں ایسے قرآن کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ ایک چُھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے، اور جہاں یہ قرآن چُھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے وہاں یہ قرآن بہت ہی جلالت و کرامت کے ساتھ ہے یعنی بہت بڑی بزرگی کے ساتھ ہے، معجزانہ طور پر ہے۔ اسماعیلی تصوّر کے مطابق چُھپی ہوئی کتاب امامؑ ہے، یعنی امامؑ کی جو مرتبت ہے، امامؑ کا جو نور ہے، امامؑ کا جو رُوحانی مقام ہے وہ عوام سے پوشیدہ ہے، اِس معنی میں اِس پہلو سے امامؑ

چُھپی ہوئی کتاب ہے اور قرآن دراصل امام کے اندر ہے۔ امام جو چُھپی ہوئی کتاب ہے اُس چُھپی ہوئی کتاب کے اندر قرآن ہے اور جہاں قرآن چُھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے یعنی امام کے اندر وہاں قرآن بہت ہی کرامت اور جلالت کے ساتھ ہے یعنی وہاں وہ قرآن زندہ ہے، بولنے والا ہے، نور ہے اور (Miraculous) ہے، معجزانہ طریقے سے ہے، اور [خدا] فرماتا ہے کہ اُس چُھپی ہوئی کتاب کو اور اُس قرآن کو کوئی نہیں چُھو سکتا ہے سوائے اُن لوگوں کے جن کو خداوندِ عالم نے پاک اور پاکیزہ بنادیا، تو وہی اُس کو چُھو سکتے ہیں تو اُس کا یہ نقشہ ہے۔ آپ ذرا دیکھیں کہ باہر کا جو نقشہ ہے وہ امام کا تصوّر پیش کرتا ہے اور جو اندر ہے یہ قرآن ہے، یہ امام کا تصوّر ہے، یہ امام کی مثال ہے اور یہ قرآن کی مثال ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اِس نقشے کے اندر قرآن امام کے اندر ہے اِس آیت کے مطابق کیونکہ آیت نے کہا کہ قرآن جو ہے وہ مخفی کتاب کے اندر ہے چُھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے اور چُھپی ہوئی کتاب امام ہے، اِس لئے کہ اُس کی پہچان پوشیدہ ہے، اُس کا نور مخفی ہے، اُس کا مرتبہ پنہان ہے، اِس معنی میں اور اِس پہلو سے امام چُھپی ہوئی کتاب ہے۔ اُس کے معجزات، اُس کی عظمت و بزرگی، اُس کا نور اور اُس کی رُوحانیت لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہے اور اِس آیت میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اِس کو کوئی چُھو نہیں سکتا ہے سوائے اُن حضرات کے جن کو اللہ نے پاک اور پاکیزہ بنایا ہے، تو اللہ نے امامت کی شخصیتوں کو پاک اور پاکیزہ بنایا ہے۔ وہی امامت کی شخصیتیں اِس پوشیدہ کتاب کو اور اِس پوشیدہ کتاب کے اندر جو قرآن ہے اُس کو چُھو سکتی ہیں یعنی امام ہی اِس مقام تک رَسا ہو سکتے ہیں۔

امامت کی شخصیتیں پاک اور پاکیزہ اِس معنی میں بھی ہیں کہ آپ نے آیۂ تطہیر (۳۳:۳۳) کے متعلّق سُن لیا ہے بلکہ آپ نے کئی دفعہ اُس پر بحث بھی کی ہے اور وہ ایک معیار ہے پاکیزگی کا۔ اِس میں خدا نے فرمایا ہے کہ خدا چاہتا ہے اے اہلِ بیت تم کو پاک اور پاکیزہ بنائے، اِس سے ظاہر ہوتا ہے اِس سے اہلِ بیت کا وہ خاص مقام معلوم ہوتا ہے، اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر کوئی از خود پاک نہیں ہو سکتا ہے سوائے اُن حضرات کے جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے پاک اور پاکیزہ بنایا ہے۔ اِس سے وہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم پاک ہیں، اِس سے پاکیزگی ایک مخصوص چیز قرار پاتی ہے اور وہ یہ کہ امامؑ ہی پاک ہیں، اہلِ بیت پاک ہیں، پنجتن پاک ہیں، تو پھر اُسی آیت کی نسبت سے یہ پتا چلتا ہے کہ قرآن کی جو رُوح ہے اُس تک ائمّۂ اطہارؑ، یہ ایک خاص (Term) ہے، ائمّۂ اطہارؑ یعنی پاک ائمّہ اُس نور کو (Approach) کر سکتے ہیں جو نور ہے، جو کتاب ہے، جو قرآن ہے تو وہ ایک دُوسرے سے وابستہ ہے۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن کی دو حیثیتیں ہیں، ایک قرآنِ ظاہر، یہ تو ایسا ہے کہ سب لوگ ہندو ہو یا مسلمان، یہود ہو یا نصاریٰ، پاک ہو یا ناپاک سب اِس کو چُھو سکتے ہیں اور دُوسری قرآن کی وہ حیثیت جو (Hidden Book) کے اندر ہے، کتابِ مخفی کے اندر ہے، اُس کو تو صرف جو پاک اور پاکیزہ ہیں وہ اُس کو چُھو سکتے ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے ایسا کیوں کیا کہ

قرآن کی دو حیثیتیں بنائیں، ایک عام اور ایک خاص، ایک وہ جو لوگوں کے سامنے ہے جو حروف میں ہے، کاغذ میں ہے اِس کو جیسا وہ چاہیں کر سکتے ہیں، ترجمہ میں ہیر پھیر کر سکتے ہیں، مطالب و مفاہم میں دخل اندازی کر سکتے ہیں تو اِس پر اُن کا[تصرّف ہے]۔

ہمیں اپنے خداوندِ برحق کے لئے شکرگزاری کرنی چاہئے، کہ اُس نے ہمیں دُنیا میں اپنی شناخت کی دولت سے مالامال کر دیا ہے، ہمیں دین کی بصیرت عنایت ہوئی اور ہم کو اُس کے مقدّس در تک راستہ ملا یہ احسان اِس قدر عظیم ہے کہ اِس کا شکر جیسا کہ چاہئے ادا نہیں ہوسکتا۔ اِس عظیم کائنات کے اندر کتنی مخلوقات ہیں، مخلوقات میں سے جمادات، نباتات، حیوانات اور حیوانات میں سے انسان، جسے تمام مخلوق میں سے اشرف ہونے کا دعویٰ بھی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا اِس لفظِ انسان میں سب لوگ یکسان ہیں؟ کیا ہر وہ انسان اشرفُ المخلوق ہے جس کو انسان کی شکل دی گئی ہے؟ یا اِس میں اور بھی کچھ شرائط ہیں؟ ہم اِس سوال کو لے کے جب قرآن سے رُجوع کرتے ہیں، تو قرآن جو اسلام کا ہدایت نامہ ہے اُس سے ہم کو اِس سوال کا جواب ملتا ہے کہ اِس دُنیا میں بہت سے انسان ایسے بھی ہیں جو شکل کے اعتبار سے انسان تو ہیں لیکن اُن میں انسانیت کے خواص نہیں ہیں، تو قرآن کی کئی آیات میں اِرشاد ہوا ہے کہ بہت سے لوگ دیکھنے سے انسان لگتے ہیں مگر حقیقت میں وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں، حیوانوں سے زیادہ گمراہ ہیں (۷:۱۷۹)۔ دیکھیں کہ قرآن میں جو بھی بات ہوتی ہے وہ حکمت اور منطق کے بغیر نہیں ہے، تو ہم یہاں پر بھی پوچھیں گے کہ ایسے لوگ انسان ہونے کے باوجود کیوں کر حیوانوں سے بھی بدتر ہوسکتے ہیں؟ تو دیکھئے کہ جانوروں کو جس دائرے کے اندر محدود کیا گیا ہے وہ اُس دائرے سے، اُس (Circle) سے نہ اُس طرف ہٹنے والے ہیں نہ اِس طرف۔ وہ اپنے دائرے ہی میں محدود ہیں یعنی اُن کو حیوان بنایا گیا ہے، تو فطرت نے، قانونِ قدرت نے اُن کو جو رستہ بتایا ہے وہ اُسی رستے پر چل رہے ہیں اِس واسطے وہ گمراہ نہیں ہیں، یعنی اُن کو جو اُن کے درجے کے مطابق ہدایت ملی ہے وہ اِس ہدایت پر چلتے رہتے ہیں کیونکہ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے ہدایت کے سلسلے میں یہ بتادیا تھا کہ ہدایت پوری کائنات میں ہر چیز کو اُس کے مقام اور درجے کے مطابق ملی ہے، اور میں نے کہا تھا کہ پتّھر میں بھی ایک فطری قسم کی یعنی (Natural Guidance) ہے کہ اُس کو کس طرح پتّھر ہو کر رہنا چاہئے وہ اِس کی تخلیق میں موجود ہے۔

بالکل اِسی طرح حیوان کو جن معنوں میں حیوان پیدا کیا گیا ہے وہ اُن معنوں کے ساتھ حیوان ہی ہے اور اُس کو اُس دائرۂ حیوانیت سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہونا نہیں ہے، لیکن جن انسانوں کو انسانی صلاحیتوں سے آراستہ کر کے پیدا کیا گیا تھا اُنہوں نے اپنے اُس دیئے ہوئے اختیار سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اختیار ایک صلاحیت تھی، ایک قوّت تھی اُس سے اُنہوں نے کام نہیں لیا جیسا کہ لینا چاہئے تھا اور جس کے نتیجے میں وہ گر گئے، گمراہ ہو گئے، رستے سے نکل گئے۔ انسانیت کے

آغاز سے لے کر اب تک دُنیا میں جتنے ہادیانِ برحق یعنی انبیاء و ائمّہ علیھم السّلام آئے ہیں تو اُنہوں نے اپنے اپنے وقت میں دینِ حق کی ہدایت انسانوں کے سامنے پیش کی، لیکن اِس دعوت کو، اِس ہدایت کو کتنے لوگوں نے قبول کیا اور کتنے گمراہ ہو گئے یا کتنے لوگوں نے انکار کیا۔ بہت سارے لوگ انکار کر گئے جو مُنکر اور کافر کہلائے، تو آسمانی کتاب جو کچھ کہتی ہے وہ صحیح ہے کہ لوگ گمراہ ہو گئے اُنہوں نے انکار کیا وہ کافر کہلائے۔ اُن میں اختیار کی قوّت تھی، اُس سے کام نہیں لیا اِسی لئے وہ کافر کہلائے، تو عدلِ خداوندی نے اُن کو کافر قرار دیا اور اِس لئے وہ راہِ راست سے بھٹک گئے، گمراہ ہو گئے اور اِسی لئے وہ حیوان سے بدتر ہو گئے اور حیوان سے زیادہ گمراہ ہو گئے، تو پھر انسان جو اشرفُ المخلوقات کہلاتا ہے تو کیسے ہر انسان پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ یہ بات کیسے صادق آسکتی ہے کہ ہر انسان اشرفُ المخلوقات ہو؟ نہیں نہیں!! جو لوگ مشیّتِ ایزدی کے مطابق کام کرتے ہیں، جو لوگ راہِ راست پر ہیں، جو خدا کی اطاعت کرتے ہیں، رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں، امامؑ کو مانتے ہیں وہی لوگ انسانیت کے معنوں میں تمام اور کامل و مکمّل ہیں اور وہی لوگ صحیح معنوں میں انسان ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ کچھ لوگ قرآن کے جاننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں اور کسی ایک آیت کو لیتے ہیں لیکن یہ کس طرح ہوسکتا ہے حالانکہ سارے قرآن میں ہدایت ہے اور وہ ہر بات میں صحیح ہوں، حق پر ہوں تو ہوسکتا ہے یعنی اِس میں کوئی شک نہیں۔ قرآن ہی نے بتایا ہے کہ بنی آدمؑ کو خداوندِ عالم نے تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے (۱۷:۷۰) لیکن وہی بات [کہ] جن کو خدا نے اپنی عزیز کتاب کے بموجب حیوان سے بدتر قرار دیا ہے کیا وہ بھی بنی آدمؑ ہو سکتے ہیں؟ اور پھر بنی آدمؑ ہونے کے نتیجے میں وہ اشرفُ المخلوقات کہلا سکتے ہیں؟ کس طرح یہ بات ممکن ہے؟ تو لوگ اِن حقیقتوں کو بھول جاتے ہیں اور کسی ایک آیت کو لیتے ہیں حالانکہ اُس آیت کی کہیں کوئی تشریح بھی ہے، اُس کی کوئی شرط بھی ہے اور اُن چیزوں کو وہ دیکھتے نہیں ہیں۔

اِن دِنوں میں، میں نے اپنے کچھ عزیزوں کے ساتھ ایسی کچھ باتوں پر مذاکرہ کیا اور ہم نے اِس سلسلے میں بحث کی کہ لوگ کس سطحیّت سے قرآن کے مطلب کو نکالنا چاہتے ہیں، حالانکہ قرآن (۱۶:۸۹) میں ہر ضروری بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ قرآن میں اگر کوئی موضوع ہے تو اُس موضوع سے متعلّق تمام آیات کو دیکھنا ہے اور چونکہ قرآن کی آیتیں ایک دُوسرے کی تشریح کرتی ہیں اور اِس کے بغیر کسی ایک آیت کو لیں تو وہ مضمون ادھورا رہتا ہے۔ بنی آدم! آپ سوچیں کہ بنی آدم کے کیا معنی ہیں؟ آدمؑ میں کیا خصوصیات تھیں؟ تو بنی آدم سے وہ افرادِ انسان مُراد ہیں جو حضرتِ آدمؑ کی طرح علم و حکمت سے آراستہ ہوں اور برگزیدگی میں آدمؑ سے قریب ہوں، آدمؑ کی خصوصیات اُن میں پائی جاتی ہوں تو آدمؑ کی طرح صفی اور برگزیدہ ہوں یا اُس کے قریب ہوں تو آدمؑ اور آدمؑ کی اولاد کہلانے کے حقدار ہو سکتے ہیں۔ حافظؒ کہتے ہیں کہ:

پدرم روضۂ رضوان به دو گندم بفروخت نا خلف باشم اگر من به جَوی نفروشم

میرے باپ آدمؑ نے گندم کے دو دانوں کے لئے بہشت کو فروخت کر ڈالا، اگر میں نے اِس سودے میں جَو کے ایک دانے کو بھی نہیں بیچا تو میں باپ کا بیٹا نہیں ہوں، یہ بہت اچھی مثال ہے، یہ اشارہ ہے اُن لوگوں کی طرف کہ وہ بنی آدم ہونے پر فخر کرتے ہیں لیکن اُن کے اندر بنی آدم کی خصوصیات نہیں ہیں۔ یہاں یہ اشارہ ہے کہ کوئی باپ کا بیٹا لائق بھی ہوسکتا ہے، کوئی نااہل بھی ہوسکتا ہے تو جو اولاد یا جو بیٹا نااہل ہو، ناخلف ہو تو اُس کو اپنے باپ پر نہیں اِترانا چاہئے، فخر نہیں کرنا چاہئے۔ ایک عام محاورہ ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ ''پدرم سلطان بود'' یہ ایک ایسے موقع کا طنز ہے کہ شائد کوئی شخص نالائق تھا مگر اچھے خاندان سے تعلّق رکھتا تھا تو وہ ہر بار کہا کرتا تھا کہ میرے آباؤ اجداد جو تھے وہ بادشاہ تھے۔ چونکہ وہ نااہل تھا تو لوگوں نے اُس کی وجہ سے اِس قول کا محاورہ بنایا اور ہمیشہ جو بھی بے جا طور پر فخر کرتا ہے اُس کے متعلّق اِس محاورہ کو استعمال کیا گیا ''پدرم سلطان بود'' اِس کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو بنی آدم سے ایسے افراد مُراد ہیں جو صحیح معنوں میں بنی آدم ہیں اور وہی مخلوقات سے اشرف ہیں۔ اب سوچنا یہ ہے کہ اِس شرف و فضیلت سے کیا مُراد ہے یا کس بات میں شرف ہے یا کس چیز کی فضیلت ہونی چاہئے؟ تو ہم دیکھتے ہیں آدمؑ کی مثال میں کہ آدمؑ کے پاس علم تھا۔ علم تھا تب ہی تو خداوندِ عالم نے فرشتوں سے فرمایا کہ دیکھو اگر تمہارے پاس علمُ الاسماء ہے تو بتاؤ تو اُن سے نہیں ہوسکا اور آدمؑ سے فرمایا گیا کہ آپ ہی اِن کو بتاؤ (۳۱:۲)۔ آدمؑ نے اُن کو ایک ایک کر کے علم کی باتیں بتائیں۔ پھر اِس علم کے بتانے سے، تعلیم دینے سے، علم سے حجاب اُٹھا کے، پردہ اُٹھا کے، علم کے بھیدوں کو ظاہر کرنے سے آدمؑ کی فضیلت کا ثبوت ہوا اور وہ فرشتوں کے معلّم ٹھہرائے گئے۔

اب بنی آدم کہنے کا مقصد یہی ہے کہ حقیقت کا علم ہو، دین کا علم ہو، خدائی علم ہو اور علم حقائقِ اشیاء کہتے ہیں یعنی چیزوں کی حقیقت کا علم، یہ ہو تو کوئی خود کو بنی آدم کہلا سکتا ہے۔ مقصد یوں ہے کہ خداوندِ عالم نے دین کے اندر کسی چیز کی اگر اہمیّت رکھی ہے تو وہ علم کی بنیاد پر ہے، آپ قرآن کی حکمت کو سامنے رکھیں گے تو ہر مقام پر علم کی تعریف ملے گی۔ عجیب حکمت ہے قرآن کی کہ جب آپ کو یوں لگتا ہے کہ قرآن کے اندر تقویٰ کی تعریف ہے، صحیح ہے! اور آپ کو یوں لگتا ہے کہ قرآن کے اندر خوفِ خدا کی تعریف ہے، درست ہے! آپ کو ملتا ہے کہ قرآن کے اندر صبر کی تعریف ہے، صحیح ہے! آپ کو یہ بھی پتا چلتا ہے کہ قرآن کے اندر شُکر کی تعریف ہے، درست ہے! آپ کو یہ بھی یقین ہوگا کہ قرآن کے اندر علم کی تعریف ہے، درست ہے! آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کے اندر کثرت سے خدا کو یاد کرنے کی تعریف کی گئی ہے، صحیح ہے! لیکن میں ایک بات آپ کو بتاؤں جو بہت ہی اہم ہے، وہ یہ ہے کہ یہ تمام اُونچے حقائق آپس میں مِل جاتے ہیں، ایک اعلیٰ مقام پر جتنے اُونچے حقائق ہیں یہ ایک مقام پر مِل جاتے ہیں، قرآن کی یہ حکمت ہے۔ مثلاً پہلے آپ کو تقویٰ اور خوفِ خدا کی تعریف الگ ملے گی لیکن دیکھنے سے ایک آیت ایسی بھی ملے گی کہ اُس میں علم اور تقویٰ کا ملاپ ہے جیسے فرمایا گیا کہ: ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ

مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُ''(۳۵:۲۸)۔خدا سے وہی اُس کے بندے صحیح معنوں میں ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

ابھی آپ نے دیکھا[کہ] خداوندِ حکیم نے اپنی عظیم حکمت سے تقویٰ کو علم کے تحت کر دیا اور کہا کہ صحیح معنوں میں متّقی وہی ہے، دُرست تقویٰ وہی ہے جو علم کے ساتھ ہو اور فرمایا گیا کہ: '' اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُ'' (۳۵:۲۸)۔خدا کے بندوں میں سے صحیح معنوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں، تو خوفِ خدا ایسا نہیں ہے جو حیوانی قسم کا ہو، حیوان بھی ڈرتا ہے، جانور بھی ڈرتے ہیں، نادان لوگ بھی ڈرتے ہیں لیکن خوفِ خدا ایسا نہیں ہے، وہ علم و معرفت کی روشنی میں ہے۔یعنی خوفِ خدا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جیسے کوئی شخص کسی ظالم سے ڈرتا ہے اور کسی دشمن سے خوف کھاتا ہے، موت سے کوئی ڈرتا ہے یا کسی اور چیز سے ڈرتا ہے یا حیوان کسی ڈنڈے سے ڈرتا ہے، کسی تکلیف سے ڈرتا ہے یا اپنے دشمن سے ڈرتا ہے، تو یہ بھی ایک طرح کا خوف ہے مگر خوفِ خدا ایسا نہیں ہے۔قرآن نے بتایا وہ ایک ایسی لطیف شئ ہے، کہ جس کی شناخت علم و معرفت کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے اور میں آپ کو بتاؤں اِسی طرح جو دُوسرے اوصاف ہیں وہ علم کے تحت آجاتے ہیں ''رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَۃً وَّعِلۡمًا''(۴۰:۷)۔خداوندِ عالم[نے] اِس کائنات کے اندر جتنی چیزیں ہیں اُن میں سے ہر شئ کو علم اور رحمت کے تحت کر دیا ہے، بحیثیتِ مجموعی آپ اِس کائنات پر نظر ڈالیں اور حدودِ دین کو لیں یا اِس شخصی دُنیا کو لیں، دونوں صورتوں میں، اگر آپ اِس شخصی دُنیا کو[یعنی] عالمِ صغیر کو لیتے ہیں، اپنی ہستی ہی کی مثال لیتے ہیں تو آپ ہم، تین چیزوں کا مجموعہ ہیں۔ہماری شخصیّت، ہماری رُوح، ہماری عقل تو شخصیّت رُوح کے تحت ہے اور رُوح عقل کے نیچے ہے، یہ تو اِس چھوٹی سی دُنیا کی بات ہوگئی۔اب اِس کائنات کی بات کو لیجئے، اِس کائنات کے اندر بھی تین چیزیں ہیں: ایک ہے (Matter) مادّہ، ایک ہے (Soul)، ایک ہے (Intellect) عقل، تو جو مادّہ ہے وہ رُوح کے تحت ہے اور جو رُوح ہے وہ عقل کے تحت ہے یعنی میری مُراد ہے جسمِ کُلّی ساری کائنات (Universe)، اور رُوحِ کُلّی (Universal Soul) اور عقلِ کُلّی (Universal Intellect)، تو عقلِ کُلّی نے رُوح کے سمندر کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے اور رُوح کے سمندر نے جسم کو گھیر لیا ہے، تو سب سے وسیع اور سب پر محیط کیا شئ ہے؟ عقلِ کُلّی ہے، اِس عقلِ کُلّی سے کیا مُراد ہے؟ علم، کیونکہ علم کا سرچشمہ وہ یہ ہے۔

آپ نے دیکھا عقل کی برتری کو، تو کیا قرآن میں جو کچھ اِرشاد ہوا ہے وہ اِس قانونِ کائنات کے خلاف ہوسکتا ہے یا بالکل قرآن کو اِس کائنات کے موافق ہونا چاہئے؟ بالکل موافق ہے، جو قانون قرآن کا ہے وہی قانون کائنات کا ہے، اور جو قانون کائنات کا ہے وہی قانون قرآن کا ہے، تو قرآن میں علم کی اور عقل کی تعریف کی گئی ہے اور اِس کائنات میں جو یہ تین چیزیں رکھی گئی ہیں اُن کے رکھ رکھاؤ سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے کہ عقل کا جو مقام ہے[وہ] سب سے باہر ہے اور سب سے اُونچا ہے، کہ عقل نے رُوح کو اپنے گھیرے میں لیا ہے اور رُوح نے جسم کو سنبھالا ہے تو پھر علم کوئی معمولی بات کس طرح ہوسکتی

ہے؟ چنانچہ قرآن کے اندر جتنے بھی اوصاف آپ کو ملیں گے ایمان کے، انسانیت کے، دین کے، آدمیّت کے اُن تمام اوصاف سے علم جو ہے وہ بہت ہی اُونچا ہے۔ ہاں! اِس میں کوئی شک نہیں کہ تمام جو اعلیٰ اوصاف ہیں اُن کا (Link) آپس میں ہوتا ہے اور پھر عقل سے یعنی علم سے اِن کا (Link) ہوتا ہے۔ دُنیا میں جو لوگ حق پر ہیں یا جو لوگ راہِ راست پر ہیں وہ بھی تو ایک علم ہے، ایک ہدایت ہے، تو ہدایت علم کی ایک صورت ہے، ہدایت علم کی ایک روشنی ہے یا براہِ راست کہئے کہ ہدایت علم کا دُوسرا نام ہے۔ جن کو نور کی شناخت عنایت ہوئی ہے وہ بھی علم کی ایک صورت ہے یعنی آج جو خوش بخت افراد زمانے کے امام کو پہچانتے ہیں یہ ایک بنیادی علم ہے، یہ ایک ایسا علم ہے کہ اِس سے علم جنم پاتا ہے، علم وُجود میں آتا ہے تو [یہ] ایک بنیادی علم ہے۔ گو آپ اِس کو عقیدہ مانتے ہیں لیکن یہ ایک علم ہے جو آج حدِ قوّت میں ہے، کل کو یہ حدِ فعل میں آئے گا تو اِس لئے علم کی قدر دانی ہوئی، علم کی تعریف ہوئی، علم کی فضیلت ثابت ہوئی اور قرآن میں جب آپ پڑھتے ہیں کہ خداوندِ عالم اپنے حبیبؐ سے فرماتا ہے کہ: ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا، اے رسولؐ! اے مسلمین! تم کافروں کو، مشرکوں کو میرے گھر کی طرف نہ آنے دو کیونکہ وہ نجس ہیں'' (۹:۲۸)۔ تو اِس سلسلے میں کون کیا خیال کرے گا کہ اُن کی یہ نجاست کس قسم کی ہے؟ کس نوعیت کی ہے؟ یہ نجاست جہالت ہے، یہ نجاست نادانی ہے لیکن کون سی نادانی؟ دُنیا کے معاملے میں یا دین کے بارے میں؟ دُنیا کے معاملے میں وہ تو بڑے ہوشیار ہیں، بہت اپنی دُنیا کے بنانے والے ہیں، تو وہ دین کے بارے میں نادان ہیں، جاہل ہیں۔ خدا اِسی جہالت کو لیتا ہے اور اِسی کا ذکر کرتا ہے، اِسی کا ذکر فرماتا ہے تو آپ جب تاویل میں جائیں گے، حکمتِ قرآن میں جائیں گے تو اُس وقت آپ کو جہالت کے بہت سے نام ملیں گے۔

خدا کی نظر میں جن چیزوں کی بہت زیادہ اہمیّت ہے تو اُن چیزوں کے بہت سے نام ہوا کرتے ہیں۔ کہیں آپ کو یہ ملے گا کہ خداوندِ عالم نے اِس جہالت کو ''عَذَابٌ اَلِیْم'' (۳:۷۷) کہا ہے، یہ بہت بڑا دردناک عذاب ہے۔ آپ ہم سے پوچھئے کہ جہالت کس طرح عذاب کی ایک شکل ہو سکتی ہے، دیکھئے! عذاب بھی تین (۳) طرح کا ہے: جسم کا عذاب، رُوح کا عذاب، عقل کا عذاب، ابھی ابھی ہم نے بات کی تھی کہ سب سے بڑی چیز، سب سے بڑی شئ عقل ہے اور سب سے چھوٹی چیز جو ہے وہ جسم ہے، تو آپ خود ہی اب بتا سکتے ہیں کہ جسم کے لئے جو عذاب ہے وہ بڑا ہے یا رُوح کے لئے جو عذاب مقرّر ہے وہ بڑا ہے یا عقل کے لئے جو عذاب ہے وہ سب سے بڑا ہے؟ میں تو یہ کہوں گا اور یہی کہتا رہوں گا کہ جو عقلی عذاب ہے وہی سب سے بڑا ہے۔ جسم کی تکلیف کی کیا بات ہے! جسم تو ایک عارضی شئ ہے، جسم کی زندگی بھی، اُس کی بقا بھی، ہم اِس دُنیا میں بیمار ہو جائیں یا کسی طرح سے تکلیف اُٹھائیں، رنج اُٹھائیں، محنت کریں تو کوئی بات نہیں ہے۔ ہماری رُوح پر اور ہماری عقل پر کوئی ایسی تکلیف نہیں آنی چاہئے، تو جہاں قرآن کے اندر ''عَذَابٌ اَلِیْم'' [یعنی] دردناک عذاب (۳:۷۷)

یا ''عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ''[یعنی] بہت بڑا عذاب (۲:۷) کہا گیا ہے تو لوگ یعنی اپنی چھوٹی سی عقل سے یوں سوچتے ہیں کہ یہ تو جسم کی تکلیف کی بات ہے، جسم کی تکلیف کی بات نہیں ہے! سب سے بڑا جو عذاب ہے وہ عقلی شکل میں ہے۔ عقلی شکل میں ہے تو عقل کے لئے کون سا عذاب ہے جو دردناک ہے؟ وہ جہالت ہے، وہ نادانی ہے تو یہی جہالت و نادانی عقل کے لئے ایک عذاب ہے اور اِس عقل کے لئے جہالت سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔

اب میں اِس کی دُوسری تشریح کروں، کبھی کبھی آتش دوزخ کا ذکر آیا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ یہ آگ جو ہے جسم کی آگ [ہے] یا رُوح کی آگ یا عقل کی، کون سی بڑی ہے؟ کس کی بات ہے؟ جسم کی آگ ہے اور رُوح مستثنیٰ ہے اور یہ آگ عقل کو نہیں چُھوتی ہے تو کوئی بات نہیں ہے، لیکن میں وُثوق سے کہتا ہوں کہ مشکل یہ ہے کہ جس آگ کا ذکر ہوا ہے وہ عقلی آگ ہے اور وہ جہالت ہے۔ اِسی طرح دوزخ کا ذکر آیا ہے، میں پوچھتا ہوں کون سی دوزخ؟ جسم کی یا رُوح کی یا عقل کی؟ کون سی زیادہ مشکل ہے؟ کس میں زیادہ تکلیف ہے؟ تو وہی جواب ملے گا کہ وہ دوزخ بھی عقلی ہے اور وہ جہالت و نادانی کی شکل میں ہے، تو دُنیا کے اندر جو جہالت ہے، جو نادانی ہے وہ بہت ہی بُری شئ ہے، دُنیا میں بھوک ہے، پیاس ہے، بیماری ہے، تکلیف ہے، محنت ہے یا کسی طرح سے اور کوئی غم ہے اُس کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر تکلیف بہت بُری شئ ہوتی تو جتنے انبیاء دُنیا میں آئے ہیں وہ ہمیشہ آسائش میں ہوتے، راحت میں ہوتے، اُن پر کوئی دکھ نہیں آتا، کوئی مصیبت نہیں آتی، وہ بیمار نہ ہوتے، اُن پر موت مقرّر نہ ہوتی، وہ اولاد کی طرف سے کسی طرح سے بھی تکلیف میں نہ ہوتے، اُن کو کوئی رنج نہیں پہنچتا۔ ہم نے دیکھا قرآن میں، کتاب میں، دین میں، اسلام میں کہ تمام تر مصیبتیں جو ہیں وہ انبیاء علیھم السّلام پر نازل ہوئیں تو کیا یہ چیزیں عذاب ہوسکتی ہیں؟ نہیں! نہیں! یہ تو ریاضت ہے، یہ تو عبادت ہے، اِس میں خدا کی رضا ہے یعنی اُس کی خوشنودی ہے لیکن جہالت جو ہے اِس سے وہ پاک تھے، نادانی سے وہ پاک تھے، اُن کو خداوندِ عالم نے اپنے حضور سے علم دیا تھا، اُن کے پاس رُوحانی علم تھا، لَدُنّی علم تھا اور آسمانی علم تھا، اُن کی عزّت، برتری، پاکیزگی اِسی میں [تھی]۔ ابھی میں نے تشریح کی تھی کہ پلیدی بھی جہالت ہے، عذاب بھی جہالت ہے اور دوزخ بھی جہالت ہے، آگ بھی جہالت ہے تو ہم نے ایک بار یہ کہا تھا کہ خداوند نے اِرشاد فرمایا کہ تم مشرکوں کو اور کافروں کو خانۂ کعبہ میں نہ آنے دو، اُن کو اِس کے نزدیک نہ آنے دو کیونکہ وہ ناپاک ہیں (۹:۲۸) تو یہ جہالت کی ناپاکی تھی۔ اِس کے برعکس رسولؐ کے بارے میں اِرشاد ہوتا ہے کہ: ''وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ''(۲:۱۲۹) رسولؐ مومنین کو کتاب سکھاتے ہیں اور حکمت سکھاتے ہیں۔ اور پھر اُس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ ''وَیُزَكِّیۡهِمۡ ''(۲:۱۲۹) وہ اُن کو پاک کرتے ہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ اگر مومنین میں ذرا بھی نادانی ہے یا کسی چیز کے بارے میں جہالت ہے یا کم علمی ہے تو اُس سے پیغمبرؐ اور امامؑ مومنین کو پاک کرتے ہیں، کس چیز سے پاک کرتے ہیں؟ کیا پانی سے اُن کو پاک کرتے ہیں؟ نہیں! نہیں! علم سے اور

حکمت سے اُن کو پاک کرتے ہیں، تو اِس سے بھی معلوم ہوا کہ جہاں علم نہ ہو، حکمت نہ ہو وہاں پلیدی ہوتی ہے۔ اب اِسی سلسلے میں ایک بار اہلِ بیتِ اطہارؑ کی بات بھی سنئے کیونکہ اُن کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی ہے اور خدا نے فرمایا ہے کہ: ''خداوندِ عالم چاہتا ہے اے اہلِ بیت! کہ تم کو ہر طرح کی پلیدی سے پاک و پاکیزہ رکھے'' (۳۳:۳۳)۔ اِس میں بھی علم کی بات ہے، اہلِ بیتِ اطہارؑ کی پاکیزگی بھی علم سے تھی کہ وہ علم کے نور سے منوّر تھے اور اُن کے پاس رُوحانی علم تھا، لَدُنّی علم تھا، تو میں نے کچھ جنرل قسم کی چند باتیں کیں اور میرے خیال میں یہ باتیں اہم ہیں، ضروری ہیں اور اگر اِن باتوں میں سے کوئی سوال پیدا ہوا ہو تو وہ آپ نوٹ فرمالیں، بعد میں کسی وقت آپ پوچھ سکتے ہیں، شکریہ، مہربانی۔

<u>ایک اہم مشورہ:</u>

دُوسری بات میں آپ کو یہ مشورہ دے دوں گا [کہ] دُنیاوی معاملات میں آپ امامؑ سے بہت کام نہیں لینا، میں آپ کو ایک خیر خواہی کی بات کرتا ہوں، اِس کے بعد میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ دُنیاوی معاملات میں آپ امامؑ سے زیادہ مدد نہیں لینا مثلاً بچّے کا نام رکھنا، کاروبار کے سلسلے میں پوچھنا، بیماری کے بارے میں پوچھنا، گھر کے جھگڑوں کے بارے میں امامؑ سے رُجوع کرنا یا تعلیم کے سلسلے میں، [جیسے] میں کون سے (Subject) کو لوں، یہ سب باتیں۔ آپ امامؑ سے یاری چاہنا، مدد چاہنا کہ وہ اپنے نور سے اور نور کے ذریعے سے آپ کے دل کے اندر باتیں کرنے لگیں، آپ امامؑ کی اس (Life) کو جو مشترک ہے اُس کو خرچ مت کرنا، اسماعیلی مذہب میں سب سے قیمتی خزانہ کون سا ہے؟ میرے لئے میری زندگی قیمتی ہے اور میری زندگی میں آپ میں سے ہر ایک کی زندگی کو جمع کریں، کتنی اِس کی قیمت ہوگی؟ اِس کی قیمت کتنی ہوگی؟ دُنیا کے اندر اگر دو بہت [بڑے] عالم ہیں تو اُن کی زندگیوں کی قیمت کو جمع کریں تو بہت بہت قیمتی ہوگی، قوم کی، جماعت کی زندگی، قیمت ہوگی نا! ایک امیر آدمی کے (Bank Balance) سے اور اُس کی حیثیت سے اُس کی زندگی بہت قیمتی ہے، ایسا ہے نا! تو میرے نزدیک میری (Life) بہت قیمتی ہے کیونکہ دُوسری چیز آسکتی ہے، مِل سکتی ہے، لی جاسکتی ہے لیکن زندگی نہیں مِل سکتی ہے، سب سے بڑی چیز زندگی ہے نا؟ (Life) ہے نا؟ ٹھیک، اور اِسی طرح جماعتوں کی زندگیوں کو جمع کریں تو اُس کی بہت قیمت بنے گی نا! ہاں۔ اچھا! امامؑ کی زندگی کی کیا قیمت ہوگی؟ آپ کچھ اندازہ کرسکتے ہیں، اندازہ کرسکتے ہیں؟ نہیں کرسکتے ہیں، امامؑ کی زندگی کی ہر منٹ کتنی قیمتی ہو گی؟ بہت قیمتی ہے، وہ زندگی کس لئے ہے؟ مذہبی کام کرنے کے لئے ہے دُنیا پر اثر ڈالنے کے لئے ہے اور دُنیا والوں کو متاثر کرنے کے لئے ہے، ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے ہے جو آپ سے حل نہیں ہوسکتے ہیں۔ بچّے کا نام رکھنا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اور کاروبار کے بارے میں آپ خود سوچیں، مولا سے دُعا مانگیں تو آپ کے دل میں وہ بات آئے گی،

(Education) کے سلسلے میں آپ امامؑ سے رُجوع نہ کریں اور جسمانی بیماریوں کے لئے آپ امامؑ سے رُجوع نہ کریں، کسی ڈاکٹر سے مشورہ کریں اور کسی بھی گھریلو جھگڑے کے بارے میں آپ امامؑ سے رُجوع نہ کریں۔

آپ دیکھیں کہ آپ کسی مہمانی [میں] اور اِس کے لئے، اُس کے لئے آپ یہ توقع نہ رکھیں کہ آپ کے نام پر ایک اسپیشل لیٹر آئے تو آپ فخر کریں۔ اِس کی آپ توقع نہ رکھیں، امامؑ کی خدمت کریں، وہ آپ کو وہ موقع عطا کرے گا کہ آپ کی سب تعریف کرنے لگیں گے، کیا ضرورت ہے کہ آپ امامؑ کی قیمتی زندگی میں سے منٹوں کو صَرف کرتے ہیں؟ پانچ منٹ! آپ کے خط کو پڑھنے میں امامؑ کے پانچ منٹ صَرف ہو جاتے ہیں، دس منٹ صَرف ہو جاتے ہیں، جواب لکھنے میں دس منٹ صَرف ہو جاتے ہیں، تو آپ نے قوم کی اور جماعت کی سب سے بڑی قیمتی چیز کو خرچ کیا۔ آپ جماعتوں کو کیا جواب دیں گے؟ جماعتوں کو کیا جواب دیں گے؟ آپ کی رُوحانی ترقّی کس طرح ہو سکتی ہے؟ جو قومی خزانہ ہے، جو موتی ہیں، جو جواہرات ہیں آپ تو سوچے بغیر خرچ کرتے ہیں، خرچ کرتے ہیں اور امامؑ ایسے ہیں کہ اُس کو تو جواب دینا ہے اور جواب نہیں دیں گے تو آپ مایوس ہو جائیں گے۔ امامؑ کا دل نہیں چاہتا ہے کہ ایک رُوحانی بچّہ اُس سے رُجوع کر رہا ہے اُس کو جواب نہ دے، تو وہ جواب تو دے دیں گے، اپنی زندگی کو آپ کے لئے قربان کر دیں گے۔ آپ کہتے ہیں کہ یا مولا قربان جاؤں! حالانکہ وہ آپ کے لئے اپنی زندگی کو قربان کرتا ہے، وہ زیادہ قربان ہو جاتا ہے، آپ نے منہ سے بولا کہ میں فدا ہو جاؤں! قربان ہو جاؤں! لیکن عملاً کچھ نہیں کیا، وہ تو اپنی زندگی کو قربان کر دیتا ہے، یعنی اپنی زندگی کو خرچ کرتا ہے، بہر حال یہ ایک مشورہ ہے۔ آپ دیکھ لینا، سوچ لینا اگر یہ بات اچھی ہے تو اِس پر عمل کرنا، دُوسروں کو بھی بتانا اور اِس چیز کو پھیلانا، بات اگر اچھی ہے تو اِس کو اُونچی رکھنا کیونکہ (Light) تو اُونچی رکھی جاتی ہے، وہ پست جگہ پر نہیں رکھی جاتی ہے، اگر بات اچھی نہیں ہے تو اِس کو چھوڑ دینا، فقط امامؑ سے رُجوع نہ کرے۔ کوئی مشکل ایسی ہو جس کو امامؑ کے بغیر کوئی حل نہیں کر سکتا ہو تو بے شک، نہیں تو امامؑ کی زندگی جماعتی کاموں کے لئے ہے اور دُنیا میں امامؑ کی ہستی اِس لئے ہے کہ آپ فخر کریں، ہدایت لیں اور ہدایت کے لئے بھی اُس کے نمائندے ہیں، ادارے ہیں۔ اُن سے زیادہ سے زیادہ آپ تعاون حاصل کریں لیکن ذاتی طور پر امامؑ سے رُوحانی رستے سے رسائی کریں، جسمانی طور سے آپ بہت کم رسائی کریں تا کہ آپ بھی چین، بدخشان، ایران، ہونزہ، گلگت، چترال اُن جماعتوں کی طرح ترقّی کر سکیں۔ یہ چند باتیں تھیں جو میں نے آپ سے گزارش کیں۔

ٹرانسکرائب: نورالدین ٹائپنگ: اکبر علی پروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی (ق س) کا پُر حکمت بیان

عنوان: روح کے بارے میں سوال و جواب

[از کتاب رُوح کیا ہے: سوال نمبر ۱ تا ۲۵]

کیسٹ نمبر: ۴۴ تاریخ: ۱۷/ مئی/ ۱۹۸۱، کراچی

Click here for Audio

سوال نمبر ۱: درخت، جھاڑ، گھاس اور ہر قسم کی اُگنے والی چیز یعنی نباتات میں جو رُوح موجود ہوتی ہے اُس کا کیا نام ہے؟ کیا نباتات میں ایک ہی رُوح ہوتی ہے یا زیادہ؟

جواب: یہ اِن کا سوال ہے، بڑا دلچسپ سوال ہے، اور جیسا کہ میں نے ابھی ابھی گزارش کی کہ یہ رُوح سے متعلّق موضوع ہے آپ جانتے ہیں کہ اسماعیلی مذہب میں رُوح کا جو موضوع ہے اُس کی کیا اہمیّت ہے، اِس لئے کہ ہم رُوح شناس ہیں، اہلِ باطن ہیں اور اِس لئے کہ رسولِ اکرمؐ نے اور مولا علیؑ نے رُوح کی شناخت یعنی معرفت کو بہت اہمیّت دی ہے، اِس لئے رُوح کی پہچان سے متعلّق یہ جو سوالات ہیں اور یہ سوالات مل کر جو موضوع بناتے ہیں یہ بڑا اچھا ہے، تو سوال اِن کا یہ ہے کہ اُگنے والی چیزوں میں ایک رُوح ہے یا ایک سے زیادہ ہے، اور اُس رُوح کا کیا نام ہے؟ اِس کا جواب ہے کہ اُگنے والی چیزوں میں ایک لحاظ سے ایک ہی رُوح ہے، اُس کا نام رُوحِ نباتی ہے، اُگنے والی جتنی چیزیں ہیں خواہ کوئی درخت ہے یا جھاڑ ہے، جھاڑ جو درخت کی حد میں نہ ہو اُس کو جھاڑ کہتے ہیں یا کوئی گھاس ہے اور گھاس میں بہت سی قسمیں ہیں، جڑی بوٹیاں ہیں اور ترکاریاں ہیں، فصلیں ہیں یہ سب، تو اِن کا نام نباتات ہے، تو نباتات کے اندر جو رُوح ہے اُس کو روحِ نباتی کہا جاتا ہے، تو ایک لحاظ سے اِن چیزوں کی صرف ایک ہی رُوح ہے جو نشو و نما دینے والی رُوح ہے۔ اِس کو روحِ نامیہ بھی کہا جاتا ہے یعنی نشو و نما پانے والی رُوح یا کہ نشو و نما دلانے والی رُوح، اور دُوسرے لحاظ سے نباتات کے اندر دو رُوحیں ہیں، تو دُوسری رُوح کون سی ہے؟ اُس کا ذکر آگے چل کر آئے گا، وہ خاموش رُوح ہے، وہ سوئی ہوئی رُوح ہے جیسے کسی پتّھر میں ایک بیدار رُوح نہیں ہوتی ہے، بلکہ سوئی ہوئی رُوح ہوتی ہے اُس کو سائنسدان کسی بھی نام سے پُکار سکتے ہیں جیسے ایٹم ہے وغیرہ اور آگے چل کر بھی کتنی معلومات ہوں گی جو (dead soul) ہے اُس کے متعلّق، تو بہر حال ایک اعتبار سے نباتات کے اندر ایک ہی رُوح ہے اور دُوسرے اعتبار سے اگر اُس خاموش رُوح کو جو سوئی ہوئی ہے اُس کو بھی کاؤنٹ کریں تو اُس کے اندر دو رُوحیں ہوتی ہیں اِسی کے ساتھ اِن کا سوال نمبر ۱ ختم ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۲: انہوں نے پوچھا جانور جو حیوانِ صامت ہیں یعنی ویسے تو حیوان جو عربی لفظ ہے ''حیّ'' حیات کو کہتے ہیں زندہ کا نام ہے، تو اِس حیوان کے اِس نام میں (originally) یا (literally) انسان بھی شامل ہے تو بعض دفعہ جو فلاسفی [یا فلاسفر] ہیں وہ انسان کو بھی جاندار کہتے ہیں جاندار کا مطلب ''جیو'' رکھنے والا لیکن عام استعمال میں جاندار یا کہ جانور جو ہے اُن مخلوقات کو کہا جاتا ہے جن کے اندر جان تو ہے لیکن قوّتِ ناطقہ یعنی بولنے کی صلاحیت نہیں ہے، تو عام طور پر اُن کو جانور کہا جاتا ہے یا حیوان کہا جاتا ہے۔ اِس میں اِس فرق کے لئے فلسفیوں نے کیا رکھا؟ حیوانِ صامت، خاموش حیوان اور دُوسرے کو حیوانِ ناطق، تو بولنے والا حیوان زندہ اور زندگی کے (sense) میں انسان ہے اور جو خاموش حیوان ہے وہ جانور ہے، تو یہاں سوال اصل میں جانور سے متعلّق ہے۔

جواب: پوچھا گیا ہے کہ جانور جو حیوانِ صامت ہے اِن میں کتنی رُوحیں کام کرتی ہیں؟ تو جس طرح ابھی نباتات کے بارے میں پوچھا گیا تھا کہ اُس کے اندر کتنی رُوحیں ہیں؟ اسی طرح جانور کے بارے میں سوال ہے کہ جانور میں کتنی رُوحیں کام کرتی ہیں اور اِن کے مراکز کہاں کہاں ہیں؟ کیونکہ رُوح کا کوئی سینٹر ہوتا ہے وہ اُس سینٹر میں رہ کر کام کرتی ہے، تو یہاں اِن رُوحوں کے مراکز یا کہ سینٹرز کے بارے میں بھی سوال ہے اور اُن کے نام کے بارے میں بھی سوال ہے، تو عرض ہے کہ جانوروں میں ایک لحاظ سے دو رُوحیں کام کرتی ہیں۔ ایک وہ ہے اُس کا ابھی ابھی ذکر ہوا روحِ نباتی اور ایک جانور کی اپنی رُوح ہے مخصوص رُوح اُس کا نام روحِ حیوانی ہے، اور اگر اُس رُوح کو بھی کاؤنٹ کریں جو سوئی ہوئی ہے، تو اِس کے ساتھ تین رُوحیں ہوتی ہیں۔ اگر ہم اُس کو شمار اِس لئے نہیں کرتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اِس کو شمار نہیں کیا ہے، تو اِس صورت میں جانور کے اندر دو رُوحیں ہیں، کوئی بھی جانور خواہ ہاتھی ہو، مچھّر ہو، چیونٹی ہو یا کوئی پرندہ ہو، تو کوئی بھی جانور جس میں ''جیو'' ہے، جس میں جان ہے، تو اُس کے اندر دو رُوحیں ہیں، اِن دونوں میں سے الگ الگ نام [ہیں] ایک تو روحِ نباتی جو گھاس والی یا درخت والی رُوح تھی وہ بھی اِس میں ہے اور ایک رُوحِ حیوانی جو جانور کی اپنی مخصوص رُوح ہے وہ ہے۔

اَب اِن کے مراکز یعنی (work center) کہاں ہے؟ تو اُس کے لئے عرض یہ ہے کہ جو رُوحِ نباتی ہے اُس کا سینٹر جگر میں، کلیجے میں ہے، اور جو رُوحِ حیوانی ہے اُس کا سینٹر دل میں ہے، سینٹر کا تصوّر ایسا ہے کہ کوئی ادارہ ہے یا کوئی چیز تو اُس کا مخصوص مقام ہوتا ہے لیکن اُس کا دائرۂ کار جو ہے وہ کافی وسیع ہوتا ہے۔ چنانچہ جاندار کے اندر جو رُوحِ نباتی ہے جس کا سینٹر جگر ہے، کلیجہ تو وہ سارے جسم میں کام کرتی ہے، اور اسی طرح رُوحِ حیوانی کا سینٹر دل ہے جانور کا دل، تو دل میں اپنے سینٹر کو قائم رکھتے ہوئے رُوحِ حیوانی جانور کے تمام جسم میں کام کرتی ہے، اور جو وہ (dead soul) ہے یا جو مُردہ

رُوح ہے، مری ہوئی یا سوئی ہوئی یا جامد تو وہ تو تمام جسم میں پھیلی ہوئی ہے اُس کا کوئی سینٹر نہیں ہے، اور مثال کے طور پر انسان کے جسم میں کوئی حصّہ ایسا ہو کہ جہاں پر فالج گرا ہو یا کوئی پھوڑا نکلا ہو اور وہ جگہ خشک ہو، تو اُس مقام پر وہ (dead soul) نمایاں ہو جاتی ہے، پتا چلتا ہے کہ اُس میں وہی رُوح ہے جو پتّھر میں ہے جو بے حس ہے، اُس میں نباتات کی طرح نشوونمائی کی صلاحیت نہیں ہے، اُس میں رُوحِ حیوانی کی طرح حس وحرکت کی قوّت نہیں ہے لیکن وہ خاموش ہے اور سوئی ہوئی ہے تو یہ ہے سوال نمبر ۲ کا جواب کہ حیوان کے اندر ایک لحاظ سے دو رُوحیں ہیں اور دُوسرے لحاظ سے تین رُوحیں ہیں، جن کا ذکر ہوا اور جن کے مرکز کا بھی بیان ہوا اسی کے ساتھ نمبر ۲ سوال ختم ہو جاتا ہے۔ [یہ] اپنی نوعیت کی نرالی مجلس ہے اِس میں زیادہ سے زیادہ علم کا پروگرام رکھا ہوا ہے، تو اِن شاء اللہ ہم بہت آرام آرام سے اِس سے (deal) کریں گے۔

سوال ہے نمبر ۳: ظاہر ہے کہ ایک عام انسان ایسا نہیں ہے جیسے انسانِ کامل ہیں، اور انسانِ کامل پیغمبرؑ کا نام ہے، امامؑ کا اور امامؑ سے قریب یعنی پیر، بزرگ وغیرہ جو ہیں وہ بھی انسانِ کامل سے قریب ہیں یا کہ انسانِ کامل کے ساتھ شمار ہیں۔ انسانِ کامل کی جو اصطلاح ہے یہ ایسی ہے کہ یہ واحد اصطلاح پیغمبرؐ کے اور امامؑ کے اور اِس کے نچلے درجات کو (cover) کرتی ہے یہ اصطلاح، اِس لئے ہم نے اِس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ سوال ہے کہ ایک عام انسان ایسا نہیں ہے جیسے انسانِ کامل آیا اِس میں رُوح کی پاکیزگی کا فرق ہے یا تعداد کا؟ یا دونوں کا؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اِس سوال کو (catch) کیا، کہ پوچھتا ہے کہ جس طرح ایک عام انسان، انسانِ کامل کے اوصاف کو نہیں پہنچتا ہے، کیونکہ عام انسان، انسانِ کامل سے کم تر ہے یا کہنا چاہئے کہ یہ تو ناقص ہے اور وہ کامل ہے، تو اِس فرق کی کیا وجہ ہے رُوح کے اعتبار سے، آیا انسانِ کامل میں کوئی اعلیٰ درجے کی رُوح ہے؟ یا جو بھی رُوح ہے اُس میں زیادہ پاکیزگی ہے؟ تو کیا وجہ ہے یا یہ ہے کہ رُوح بھی ہے وہ بھی پاک و پاکیزہ ہے اور اِس کے علاوہ انسانِ کامل میں ایک زائد رُوح ہے اِس کی وضاحت چاہئے، نیز دونوں درجوں میں رُوحوں کے نام اور مراکزِ کار بتایئے؟

جواب: تو انسان کے اندر جو حیوان سے، جانور سے اُوپر ہے اِس کا درجہ [سب سے بلند ہے] تین رُوحیں ہیں ایک لحاظ سے، اور اگر خاموش اور خوابیدہ رُوح کو بھی شمار کریں تو چار ہیں اور اگر خاموش رُوح کو شمار نہیں کرتے ہیں تو اُس کا ذکر آپ نے سنا تو چلئے تین ہیں: ایک وہ جو گھاس پات والی ہے، جس کو رُوحِ نباتی کہا جاتا ہے اور دُوسری رُوح وہ جو جانوروں میں ہوا کرتی ہے اور تیسری رُوح انسان کی اپنی مخصوص رُوح جس کا نام رُوحِ انسانی بھی ہے، رُوحِ ناطقہ بھی ہے اور کچھ لوگ اُس کو نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں، اور اِس کی خاصیّت یہ ہے کہ وہ بولنے والی رُوح ہے، اور انسان اور حیوان

کے درمیان جتنا کچھ فرق ہے وہ اِس روحِ ناطقہ کی وجہ سے ہے، بولنے والی رُوح کی وجہ سے ہے یہ فرق ہے کیونکہ اِس میں عقل ہے، شعور ہے، تمیز ہے اور دیگر انسانی اوصاف جمع ہیں تو اِسی بولنے والی رُوح کی وجہ سے۔ اَب اِس فرق کا کچھ ذکر کیجئے کہ ایک کامل انسان جو پیغمبر ہے یا امام ہے اُس میں اور ایک عام انسان میں کیا فرق ہے [اور] کیوں فرق ہے؟ تو عرض ہے کہ یہ فرق اِس لئے ہے کہ انسانِ کامل کے اندر ایک زائد رُوح ہے اُس کا نام رُوحِ قدسی ہے، جسے (holy spirit) کہتے ہیں یہ ہے۔

اِس رُوحِ قدسی کی موجودگی کی بدولت جو ذیلی رُوحیں ہیں اُن پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک عام انسان میں جو انسانی رُوح ہے اور پیغمبر میں جو عام انسانی رُوح ہے اُس میں فرق ہے، کیوں؟ اِس لئے کہ پیغمبر میں رُوحِ قدسی ہے جس نے اِس انسانی رُوح کو مہذّب بنایا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ پیغمبر اور امامؑ میں جو رُوحِ حیوانی ہے وہ بھی مہذّب ہوگئی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اُن حضرات میں رُوحِ قدسی ہے، اِس رُوحِ قدسی کی روشنی میں اُن کے اندر جو ذیلی اور ضمنی رُوحیں ہیں وہ مہذّب ہو چکی ہیں، وہ روشن ہو چکی ہیں، اُن کو ادب ملا ہے، تہذیب ملی ہے، تربیت دی گئی ہے اور وہ رُوحیں پرورش پا گئی ہیں۔ اِس کی مثال، عام مثال یہ ہے کہ جو بکری میں، اُونٹ میں، گائے میں اور دیگر حلال و حرام جانوروں میں جو رُوحِ حیوانی ہے وہی رُوح انسان میں بھی ہے، لیکن انسان کے اندر جو رُوحِ انسانی ہے اِس نے اِس حیوانی رُوح کو مہذّب بنایا ہے اور مزید مثال چاہئے، آپ نے دیکھا ہوگا کہیں کچھ کتّوں کے سامنے ہڈیاں ہوتی ہیں تو وہ رُوحِ حیوانی کے اندر جو خواہشات و میلانات ہیں اُن کے تحت آپس میں کتّے لڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح کہیں دُوسرے جانوروں کو آپ گھاس ڈالتے ہیں تو وہ بھی اِس طرح سے گھاس نہیں کھاتے ہیں جس طرح انسان خوراک کھاتا ہے، حالانکہ انسان ایسا نہیں کرتا ہے اور بہت ہی ادب سے کھاتا ہے اور جو اُس کے ہم طبق ہیں اُن کو دیکھتا ہے اور بہت ہی شرم سے اور عزّت سے اور حیا سے کھاتا ہے اور حالانکہ کھانے کا جو تقاضا ہے وہ عقل کے لئے نہیں ہے اور جو اعلیٰ رُوح ہے اُس کے لئے نہیں ہے، ہمارے اندر جو نفس حیوانی ہے اُس کے لئے ہے، لیکن نفس حیوانی جو ہمارے اندر ہے وہ اِس طرح سے آزاد نہیں ہے جس طرح جانوروں میں ہے، کیونکہ اِس کے اُوپر جو رُوح ہے اُس نے اِس کو کنٹرول کیا ہے۔

جب عام حد میں یہ ثبوت ملا تو انسانِ کامل میں جو رُوحِ قدسی ہے اُس نے اُس کی ہستی کے اندر جو رُوحِ انسانی ہے اُس کو بھی کنٹرول کیا ہوا ہے اور جو رُوحِ حیوانی ہے اُس کو بھی کنٹرول کیا ہوا ہے، تو یہ فرق ہے ایک عام انسان اور انسانِ کامل میں یہ فرق ہے کہ انسانِ کامل میں ایک زائد یا کہ اضافی رُوح ہے (extra) رُوح ہے، اُس کا نام رُوحِ قدسی ہے اور مراکز کے سلسلے میں یہ ہے کہ جانور ہو یا انسان، اُس کے جگر کے اندر رُوحِ نباتی کا مرکز ہے۔ کامل انسان ہو یا ناقص انسان، بس یہی اُصول ہے کہ جو روحِ نباتی ہے انسانِ کامل میں بھی اور عام انسان میں بھی جگر کے اندر اُس کا

سینٹر ہے اور جو رُوحِ حیوانی ہے خواہ وہ جانور میں ہو یا ایک عام انسان میں ہو یا انسانِ کامل میں ہو تو اُس کا سینٹر دل ہے۔

اَب سوال رُوحِ قدسی کے بارے میں ہے کہ رُوحِ قدسی جو پیغمبر اور امام میں ایک اضافی رُوح ہے اُس کا مرکز کہاں ہے اُس کا مرکز انسانی رُوح کے مرکز کے اُوپر ہے۔ ہاں! یہ بات تو بیان سے رہ گئی تھی کہ ہمیں یہ بات انسان کی رُوح کے سوال میں بتانا چاہئے تھی، خیر چونکہ عام انسان کی رُوح کا ذکر بھی یہاں پر ہے، تو انسان کی انسانی رُوح کا جو سینٹر ہے وہ پیشانی میں ہے، اور رُوحِ قدسی کا جو سینٹر ہے اِسی رُوح کے اُوپر ہے۔ مجھے یہاں ایک اور وضاحت کی اجازت ہو [وہ] یہ کہ ایک لحاظ سے چار عمارتیں ہیں: گراؤنڈ فلور، اِس میں رُوحِ نباتی ہے، فرسٹ فلور رُوحِ حیوانی ہے، سیکنڈ [فلور] جو ہے رُوحِ انسانی ہے، تھرڈ [فلور] جو ہے وہ رُوحِ قدسی ہے یا اِس مطلب کو یوں ادا کیجئے، کہ رُوحِ نباتی کے اُوپر روحِ حیوانی قائم ہے، روحِ حیوانی کے اُوپر روحِ انسانی قائم ہے، رُوحِ انسانی کے اُوپر رُوحِ قدسی جو پاک رُوح ہے وہ قائم ہے، تو رُوحِ قدسی (literal sense) میں پاک رُوح۔ اِس کا اشارہ ہے کہ اِس میں بہت ہی پاکیزگی کی ضرورت ہے اور اِس رُوح سے جو قریب ہونا چاہے یعنی امامؑ کی رُوح سے، تو اُس کو ہر لحاظ سے نافرمانیوں سے، آلائشوں سے پاک رہنے کی ضرورت ہے تب ہی تو وہ رُوحِ قدسی اِس کو (accept) کرے گی، قبول کرے گی، اِسی کے ساتھ سوال نمبر ۳ ختم ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۴: کیا انسانی رُوح اور دُوسری تمام رُوحیں ذرّات اور اجزاء پر مشتمل ہیں یا اِن میں ہر رُوح ایسی وحدت اور اکائی کی طرح ہے کہ اُس کا کوئی تجزیّہ نہیں ہو سکتا؟

جواب: بہت دلچسپ اور بہت ہی مفید سوال ہے۔ اَب تک جتنی رُوحوں کا ذکر ہوا اِن میں سے ہر رُوح کی ہستی (existence) کیسی ہے؟ کیا اُس کے اندر بہت ساری اکائیاں ہیں، (units) ہیں، ذرّات ہیں اجزاء ہیں یا اِن میں سے ہر رُوح کوئی ایک ٹھوس چیز ہے۔ ایک ایسی وحدت کی طرح ہے اور ایک ایسی اکائی کی طرح ہے، کہ اُس کا جُز جُز نہیں ہو سکتا ہے اُس کے ٹُکڑے نہیں ہو سکتے ہیں اُس کا تجزیہ نہیں ہوتا ہے تو کیا معاملہ ہے؟ جواب عرض ہے کہ اِن میں سے ہر رُوح یعنی جن رُوحوں کا ہم نے اب تک ذکر کیا خواہ وہ رُوحِ قدسی ہو، رُوحِ انسانی ہو، رُوحِ حیوانی ہو، رُوحِ نباتی ہو اِن میں سے ہر ایک ذرّات پر مشتمل ہے، یعنی اُس کے ذرّات ہیں۔ جب آپ رُوح کے فلسفے کو پڑھیں گے، تو آپ کو وہ فلسفہ یہ بتائے گا کہ رُوح جو ہے وہ ناقابلِ تقسیم ہے، اُس کا ایک الگ مقام ہے وہ بات بھی صحیح ہے، لیکن ایک لحاظ سے رُوح کے ٹُکڑے ٹُکڑے ہیں ذرّے ذرّے ہیں، کیوں؟ اِس لئے [کہ] اگر رُوح کے ذرّات نہیں ہوتے ٹُکڑے نہیں ہوتے، تو ہاتھی کو جتنی رُوح دینی چاہئے وہی رُوح مچھّر کو بھی دینی ہوتی یہ تو ایک (burden) ہو گیا۔ مچھّر کو اُس کی ہستی کے مطابق

رُوح ملنی چاہیئے، ہاتھی کو اُس کے وُجود کے مطابق رُوح ملنی چاہیئے ایک یہ، اور دُوسری بات اِس کا ذکر آگے آئے گا آپ کسی کو (blood) دیتے، خون دیتے ہیں اور خون کا عطیہ دیتے ہیں تو اُسمیں کیا آپ کی جو حیوانی رُوح ہے وہ تقسیم نہیں ہوتی ہے؟ اور (blood) کی جو مقدار آپ دیتے ہیں، جو (quantity) آپ (sacrifice) کرتے ہیں کیا اُس میں روحِ حیوانی کے ذرّات نہیں ہیں؟ اور اگر روحِ حیوانی کے ذرّات ہیں، تو پھر آپ میں بھی رُوح ہے یا نہیں ہے؟ اِس سے ظاہر ہے کہ رُوح (divide) ہوگئی۔

ڈاکٹر اور سائنسدان مانیں گے اور مانتے ہیں کہ رُوحِ حیوانی اور رُوحِ نباتی کے ٹُکڑے، ٹُکڑے ہیں۔ اچھا آپ نے وہ (gardening) کا کام نہیں کیا ہوگا، آپ نے کوئی گلاب کی قلم نہیں لگائی ہوگی یا کوئی اور درخت کہ آپ درخت سے ایک شاخ کو کاٹتے ہیں اور زمین میں اُس کو لگاتے ہیں، تو آپ ہی بتایئے کہ درخت کی ساری جو اُگنے والی رُوح تھی وہ کہاں گئی؟ درخت میں ہے یا اُس قلم میں، تو اُدھر بھی ہے اور اِدھر بھی ہے۔ آپ ایک لمبی شاخ کے دس (۱۰) ٹُکڑے ٹُکڑے کریں گے تو اُن دس (۱۰) مقامات پر وہ جو اُگنے والی رُوح ہے موجود ہوگی۔ آپ زندگی میں سو (۱۰۰) آدمیوں کو یا بیس (۲۰) کو (Blood) دے دیں گے تو اُن سب میں آپ کی رُوحِ حیوانی جو ہے وہ جائے گی، مگر رُوحِ انسانی نہیں جائے گی، تو اِس سے ظاہر ہے کہ جو رُوح ہے وہ ذرّات پر مشتمل ہے۔

اِس میں تو میں نے صرف رُوحِ نباتی اور رُوحِ حیوانی کی مثال دی اور رُوحِ انسانی کے ذرّات کس طرح ہیں اُس کا میں نے ذکر نہیں کیا، تو بہر حال رُوحِ انسانی کے بھی ذرّات ہیں اسی طرح جس طرح رُوحِ نباتی کے ذرّات ہیں اجزاء ہیں اور رُوحِ حیوانی کے ذرّات ہیں۔ یہاں تک کہ رُوحِ قدسی کے بھی ذرّات ہیں، ابھی مجھے اِس میں دلچسپی ہوگئی کہ میں آپ کو بیان کروں، مثال کے طور پر پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو رُوحِ قدسی آئی (suppose) تو جب آئی تو وہ رُوحِ قدسی ایک اکائی کی طرح نہیں آئی، فرشتے، ملائک، ارواح، انبیاء، اولیاء اور خود قرآن کی رُوح، بہت ساری زندہ حقیقتیں آنحضرتؐ میں آگئیں۔ اِن تمام کے مجموعے کا نام، اِن تمام چیزوں کی (unity) کا نام رُوحِ قدسی ہے، اِن تمام چیزوں کی وحدت کا نام، سالمیّت کا نام رُوحِ قدسی ہے، تو رُوحِ قدسی کوئی ایک (particular) چیز نہیں تھی۔

مجھے یہاں پر ایک اور بات کہنے دیجئے پیغمبر اکرمؐ نے اِرشاد فرمایا ہے کہ خدائے حکیم نے اپنے دین کو اِس کائنات کے موافق بنایا یعنی جیسی یہ کائنات ہے، جیسی یہ مخلوقات ہیں اسی طرح اُس نے اپنے دین کو بنایا [اِنَّ اللہَ اَسَّسَ دِیْنَہُ علیٰ اَمْثَالِ خَلْقِہٖ لِیُسْتَدَلَّ بِخَلْقِہٖ علیٰ دِیْنِہٖ وَ بِدِیْنِہٖ علیٰ وَحْدَانِیَّتِہٖ] کیوں؟ اِس لئے کہ اِس کائنات کو دیکھ کر دین کی مثال لی جائے، اور دین سے اُس کی (unity) کی مثال لی جائے، تو مطلب یہ ہے کہ دین جس چیز کا نام ہے وہ ایک (unity) ہے۔ اُس کے اندر بہت ساری اکائیاں ہیں، اسی طرح رُوحِ قدسی ایک نام ہے اور اُس کے اندر بہت

ساری رُوحیں ہیں، سب فرشتوں کی رُوحیں ہیں اور سب مومنین کی رُوحیں ہیں، بہت ساری حقیقتیں ہیں، تو اِس سے ظاہر ہے کہ تمام رُوحیں جو ہیں وہ اجزاء کی صورت [میں ہیں]۔ ایک اور (example) آپ کو بتائیں، جہاں دین کے بڑے فلسفے میں نفس کُلّی کا ذکر آتا ہے، (universal soul) کا ذکر آتا ہے، تو اُس وقت انسان کو نفس جزوی قرار دیا جاتا ہے، انسانوں کو اُس نفس کُلّی کے اجزاء شمار کیا جاتا ہے اور نفس کُلّ کو کُل اور مجموعہ بتایا جاتا ہے، اِس سے بھی ظاہر ہے کہ جتنی رُوحیں ہیں بڑی چھوٹی وہ اجزاء پر مشتمل ہیں، ذرّات پر مبنی ہیں اور وہ جو ہیں جو اصل ہیں وہ ایک (unity) ہے یا مجموعہ ہے تو اسی کے ساتھ سوال نمبر ۴ ختم ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۵: پیغمبر اور امام میں جو عظیم رُوح موجود ہوتی ہے کیا وہی رُوح نور کہلاتی ہے یا نور اِس کے علاوہ ہوتا ہے ایسی عظیمُ الشّان رُوح کا سرچشمہ کہاں ہے؟

جواب عرض ہے کہ پیغمبر اور امام میں جو عظیم رُوح موجود ہوتی ہے وہی نور بھی ہے اور یاد رہے کہ ہر رُوح نور نہیں ہے۔ جو عظیم رُوح ہے جو سب بڑی رُوح ہے صرف اُسی پر نور کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ اُس میں روشنی ہے اور جو چھوٹی چھوٹی رُوحیں ہیں وہ ازخود اپنے آپ سے نور نہیں کہلا سکتی ہیں۔ ہاں! اگر کسی خوش نصیب رُوح پر اُس بڑی رُوح کی روشنی پڑ رہی ہے تو یہ بات الگ ہے، نہیں تو اپنے آپ کوئی بھی ذیلی رُوح نور نہیں کہلا سکتی ہے نور صرف ایک رُوح ہے جو پیغمبر اور امام کی رُوح ہے اور دُوسرا سوال اِسی میں یہ تھا کہ ایسی عظیمُ الشّان رُوح کا سرچشمہ کہاں ہے؟ یعنی یہ رُوح کہاں سے آتی ہے؟ اِس کا جواب یوں ہے کہ پیغمبر سے اگلی جو ہستی ہوتی ہے، آگے جو امام ہوتا ہے یا پیغمبر ہوتا ہے وہ اِس ہونے والے پیغمبر کی رُوح کے لئے سرچشمے کی حیثیّت سے ہوتا ہے اور جو سابق امام ہے وہ لاحق امام کے لئے نور کے سرچشمے کی حیثیّت سے ہوتا ہے۔ یہاں پر ایک اہم پوائنٹ ہے میں اُس کا خلاصہ کروں گا، قرآن میں جو ارشاد ہے جو خدا فرماتا ہے کہ: ”فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ“ (۲۹:۱۵)۔ آدمؑ کے قصّے میں خداوندِ عالم فرشتوں سے اعلان کرتا ہے، فرماتا ہے کہ جب میں اِس آدم کو دُرست کروں اور اپنی رُوح اِس میں پھونکوں تو تب تم سجدے میں گر پڑنا، پہلے نہیں، اِس سے یوں لگتا ہے جیسے خدا نے بذاتِ خود اور اپنی ہستی سے ایسی رُوح آدمؑ میں پھونکی۔ مگر تاویل اور حقیقت میں یہ بات نہیں ہے، آدمؑ سے پہلے جو امام تھے یا جو پیغمبر تھے اُس سے جو نور منتقل ہوا، تو اِسی کا نام خدا کی طرف سے رُوح پھونکنا ہے۔ آپ کو آگے چل کر اِس راز کا انکشاف ہو جائے گا کہ جو فعل ہے جو کام ہے جو (action) ہے وہ خدا کی ذات سے منسوب ہو جاتا ہے۔ اِس لئے کہ اُس کی بادشاہی میں یہ کام ہو رہا ہے تو خدا نے کسی اور طرح سے آدم میں رُوح نہیں پھونکی بلکہ جو اگلی ہستی تھی اُسی میں سے رُوح یا کہ نور منتقل ہو گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ میری عادت میں کبھی

تبدیلی نہیں پاؤ گے (۳۰:۳۰) اور اگر مان لیا جائے کہ آدمؑ کے اندر خدا نے جو رُوح پھونکی تھی اُس کا طریقہ دُوسرے انبیاء اور اماموں سے الگ تھلگ تھا تو پھر خدا کی دو عادتیں ہوگئیں: ایک وہ [کہ] اُس نے عرش سے آدمؑ میں رُوح پھونکی ایک یہ کہ اِس میں خدا نے اگلے امام سے دُوسرے امام میں رُوح پھونکی، تو خدا کی دو عادتیں ہوگئیں۔ جب دو عادتیں ہوگئیں تو یہ جو فرماتا ہے کہ میری عادت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے تو یا یہ حکم فضول ہوگیا کہ چونکہ وہاں عادتیں دو ہیں، ایک پہلی عادت جس میں خدا نے براہِ راست اور (direct) عرشِ اعلیٰ سے آدمؑ میں رُوح پھونکی، دُوسری خدا کی وہ عادت جو ایک پیغمبر سے دُوسرے پیغمبر میں رُوح تبدیل ہوگئی نور تبدیل ہوگیا۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے تو خدا کا رُوح پھونکنا یہ ہے کہ جو اگلا پیغمبر تھا یا جو امام تھا اُس میں سے نور منتقل ہوگیا تو اِس نور منتقل ہونے کا نام رُوح پھونکنا ہے یہ اِس لئے کہ جو پیغمبر میں اور جو امام میں رُوح ہے وہ خدا کی رُوح ہے۔ آگے چل کر آپ کو بتائیں گے اِن سوالات کے سلسلے میں خدا کی رُوح بھی صرف منسوب ہے، جس طرح خدا کا فعل خدا سے منسوب ہے وہ کرتا کوئی اور ہے لیکن خدا اُس فعل کو اپنی ذات سے منسوب کرتا ہے اور یہ راز بعد میں بتائیں گے کہ یعنی خدا کون ہے اور کیا ہے؟ یہ سوال الگ ہے فی الحال ہمیں اِس طرح سے بولنے دیجئے تو اِس لئے اِس عظیمُ الشّان رُوح کا سرچشمہ جو ہے وہ اگلا امام ہے اور اگلا پیغمبر ہے۔

سوال ہے نمبر ۶ آیا قرآن کی بھی کوئی عظیم رُوح ہے اگر کہا جائے کہ قرآن کی ایک معجزاتی رُوح ہے تو سوال ہوتا ہے کہ وہ کہاں ہے؟

جواب: بڑا اچھا سوال ہے اور بہت معلوماتی ہے اِس کا جواب ہے کہ ہاں! قرآن کی بھی ایک عظیم رُوح ہے اور وہ معجزاتی رُوح جب قرآن نازل ہوا تھا تو اُس وقت آنحضرتؐ میں تھی۔ ہم آپ کو قرآن سے ثابت کرنے کی ذمّہ داری لیتے ہیں، بوقتِ فرصت ہم آپ کو بتائیں گے کہ قرآن (originally) ایک رُوح کی صورت میں نازل ہوا تھا، ایک زندہ اور بولنے والی رُوح کی شکل میں قرآن نازل ہوا تھا اور اُس رُوح کا نام رُوحِ قدسی تھا۔ ابھی ابھی اُس کا ذکر ہوا اُسی رُوحِ قدسی کے اندر قرآن تھا، بعض دفعہ ایسی رُوح کو جبرائیل بھی کہا جاتا ہے، رُوح الامین اور رُوح القدّس، تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک حقیقت کے کئی کئی نام ہوا کرتے ہیں۔ بہرحال قرآن کی بھی ایک زندہ رُوح ہے اور وہ رُوح سب سے پہلے آنحضرتؐ میں تھی پھر اُس کے بعد امامؑ میں وہ رُوح منتقل ہوگئی جس میں قرآن تھا۔ یہاں پر ایک اور نکتے کی وضاحت کی جائے آپ کو بہت سے حضرات یہ کہتے ہوئے ملیں گے کہ وہ قرآن کی رُوح کو مانتے ہیں اور اپنی تحریروں میں رُوح کے لفظ کو استعمال بھی کرتے ہیں، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ رُوح جس کو انگلش میں (spirit) کہتے ہیں اِس سے وہ حضرات (essence) کو مُراد لیتے ہیں مغز کو مُراد لیتے ہیں، یعنی یہ رُوح کے عام اور بہت ہی عام معنی ہیں۔ آپ طبّ میں

جائیں گے تو یہ لفظ آپ کو وہاں بھی ملے گا طبّ میں، یونانی طبّ میں وہ کس چیز کے ست کو، جوہر کو مغز کو، اور (essence) کو بھی رُوح کہتے ہیں، اِس لئے کسی کو گمان ہوسکتا ہے کہ جہاں قرآن کے اندر قرآن کی رُوح کا ذکر ہے تو اِس سے کہیں یہ معنی اور اصلیّت یا مغز ایسے معنی مُراد نہ ہوں یہ بات نہیں ہے، بلکہ اِس رُوح سے زندہ رُوح مُراد ہے اور وہ رُوحِ قدسی ہے۔ چونکہ سوالات بہت ہیں اِس واسطے اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور وہ رُوح جو ہے پیغمبر میں تھی اور آنحضرتؐ کے بعد امامؑ میں منتقل ہوگئی۔

سوال نمبر ۷: کیا یہ سچ ہے کہ خدا کی بھی رُوح ہے؟ اگر ہے تو وہ کہاں ہے اور کس طرح ہے؟

جواب: دلچسپ سوال ہے آپ نے سُنا ہے اسلامی لٹریچر میں، عیسیٰ رُوح اللہ، عیسیٰ جو خدا کی رُوح تھے یہ اور دُوسری وہ بات جو ابھی ابھی میں نے بتائی کہ خدا نے اپنی رُوح آدمؑ میں پھونکی ایسے اِرشادات سے پتا چلتا ہے کہ خدا کی رُوح ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ خدا کی رُوح کیسی ہے؟ کیا ایسی ہے جس طرح انسان کا قیام اُس کی رُوح پر ہے، اور رُوح نہ ہو تو پھر انسان مرجاتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے، زمانے میں جو ہادیٔ برحق ہوتا ہے وہ کبھی پیغمبر ہوتا ہے اور کبھی امام، وہی خدا کی رُوح ہے، وہی خدا کی رُوح ہے، یہ ایک نسبت ہے، یہ منسوب ہے۔ جس طرح ابھی ابھی بات کی گئی تھی کہ خدا کوئی فعل نہیں کرتا ہے لیکن جو انسانِ کامل کرتا ہے وہ فعل خدا سے منسوب ہوجاتا ہے، تو امامؑ خدا کی رُوح ہے، پیغمبر خدا کی رُوح ہے۔ پھر مجھے کہنے دیجئے کہ عیسیٰ رُوح اللہ کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف عیسیٰ ہی خدا کی رُوح تھے، یہ کیسی بات ہوگی کہ عیسیٰؑ کو ایک ایسا مرتبہ حاصل ہو جو آنحضرتؐ کو اور حضرت ابراہیمؑ کو دُوسرے بڑے بڑے انبیاء کو وہ مرتبہ حاصل نہ ہو یہ بات نہیں ہے۔ جس مرتبے میں کوئی پیغمبر ہوتا ہے تو اُسی مرتبے میں دُوسرے انبیاء بھی ہوتے ہیں اور امام بھی ایسے ہوتے ہیں، لیکن یہ بات الگ ہے کہ ہر پیغمبر کے نام پر وہی ذکر آیا ہے یا نہیں آیا ہے اِس کی کوئی بات نہیں ہے، لیکن اُصول ہم کو بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو جو درجہ حاصل تھا وہ ضرور آنحضرتؐ کو ہونا چاہئے اور دُوسری بات یہ کہ صرف آدمؑ میں خدا نے رُوح نہیں پھونکی تھی، ہر پیغمبر میں خدا کی رُوح ہوتی ہے اور ہر امام میں خدا کی رُوح ہوتی ہے کیونکہ ابھی ہم نے کہا نا کہ نور اور رُوح کہنے کا مقصد ایک ہے، جب خدا نے اپنے نور کے بیان میں یہ فرمایا کہ اُس کا نور دُنیا میں ہے اور کوئی اُس کو نہیں بجھاتا ہے تو اِس سے خدا کی رُوح مُراد ہے جو خدا کا نور ہے وہی خدا کی رُوح ہے اور جو خدا کی رُوح ہے وہی خدا کا نور ہے، تو اِس معنی میں، اِس (sense) میں انسانوں کی طرح نہیں! تو وہ یعنی انسانِ کامل خدا کی رُوح ہے۔

سوال نمبر ۸: کہا جاتا ہے کہ اِس کائنات کی ایک محیط رُوح ہے اِس کا کیا نام ہے، آیا یہ حقیقت ہے کہ ہم کائناتی

رُوح کے سمندر میں اِس طرح رہتے ہیں جس طرح پانی میں مچھلیاں رہتی ہیں؟

جواب: ہاں! اِس (universe) کی ایک محیط رُوح ہے، محیط کا مطلب جس نے ساری کائنات کو اپنے اندر سمولیا ہے اور یہ ساری کائنات عالم گیر رُوح کے سمندر میں ڈُوبی ہوئی ہے وہ اِس طرح سے ہے۔ اُس کا نام نفس کُلّی ہے اور جس کو انگلش میں (universal soul) کہتے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ہم اُس (universal soul) کے سمندر کے اندر ڈُوبے ہوئے ہیں جس طرح مچھلیاں سمندر میں ڈُوبی ہوئی ہیں، مگر زندہ ہیں اور تیرتی ہیں خوشی سے ہیں۔ اسی طرح ہم سب اور ہر چیز (universal soul) کے سمندر کے اندر ہے پھر ہماری رُوح کا اُس کے ساتھ رابطہ ہے، جب ہماری رُوح فنا ہوجائے گی اُس عظیم رُوح میں، تو ہم اُس عظیم رُوح کی آنکھ سے دیکھیں گے تو کیا کیا دیکھیں گے؟ ساری کائنات، آسمان، زمین، عرش، فرش، ہر چیز۔ اِس لئے کہ وہ رُوح اِس پوری کائنات پر محیط ہے اور یہ ساری کائنات اُس رُوح کے سمندر کے اندر ڈُوبی ہوئی ہے اور ہم اُس رُوح کے اندر اِس طرح سے تیرتے ہیں جس طرح مچھلیاں پانی میں۔ اگر ہماری آنکھ اِسی زندگی میں کُھل جائے یا مر چکنے کے بعد ہماری آنکھ کُھل جائے تو ہم اپنے آپ کو نفس کُلّی میں پائیں گے (universal soul) میں پائیں گے، تو ساری کائنات ہماری نگاہوں کے سامنے ہوگی۔

دُوسرے مطلب میں اِس کی تائید کے لئے دیکھیں: ''اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ'' احتیاط رکھو، ڈرو! مومن کی فراست سے کیونکہ وہ خدا کے نور کے وسیلے سے دیکھتا ہے، یعنی مومن جو کامل ہو وہ خدا کے نور کو اپنی آنکھ قرار دے کر اُسی سے وہ دیکھتا ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اگر یہ ممکن ہے کہ کوئی مومن اپنے مقام پر پہنچنے کے بعد خدا کے نور کی روشنی میں دیکھتا ہے تو خدا کا نور کہاں نہیں پہنچتا ہے اور خدا کے نور کی روشنی کس مقام تک رسا نہیں ہوسکتی ہے، یہی بات ہے کہ جزوی نفس جب کُلی نفس میں فنا ہوجائے گا یعنی چھوٹی رُوح جب بڑی رُوح میں فنا ہوجائے گی تو وہ اپنے آپ کو بڑی رُوح پائے گی اور سب کچھ دیکھ سکے گی۔

سوال نمبر ۹: فرمایا گیا ہے کہ رُوح کے بغیر کوئی چیز نہیں تو کیا آپ یہ بتاسکتے ہیں کہ پتّھر اور مٹّی جیسی چیزوں کی بھی ایک رُوح ہوا کرتی ہے تو وہ کون سی روح ہے؟

جواب: فرمایا گیا ہے کا اشارہ حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہؑ کے ایک اِرشاد کی طرف ہے جو اسلام میرے مورثوں کا مذہب، میں کسی مقام پر فرماتے ہیں کہ اسلام کے عقیدے کے مطابق، اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر چیز میں رُوح ہے، کوئی چیز [رُوح کے بغیر نہیں]۔ [کتاب اسلام میرے مورثوں کا مذہب، صفحہ نمبر ۱۹]

سوال نمبر ۱۰: انہوں نے سوال کیا کہ اسلام اور ایمان کی رُوح کون سی ہے اور وہ کہاں رہتی ہے؟ کیا وہ بولنے والی ہے یا خاموش ہے؟

جواب عرض ہے کہ اسلام اور ایمان کی رُوح بھی وہی ہے جو قرآن کی رُوح ہے جس کا ابھی ابھی ذکر ہوا تھا، تو اسے اسلام اور ایمان کی رُوح کہیں یا قرآن کی رُوح کہیں، کیونکہ قرآن سے یہ اسلام اور ایمان باہر نہیں ہے، تو اِس (sense) میں اسلام اور ایمان کی رُوح سب سے پہلے آنحضرتؐ میں نازل ہوئی تھی اور آپ میں یہ رہ رہی تھی اور اُس کے بعد قرآن کی رُوح کی حیثیّت سے، اسلام اور ایمان کی رُوح کی حیثیّت سے وہ رُوح آپ کے برحق جانشین میں یعنی امامؑ میں منتقل ہوئی۔ لہٰذا اسلام اور ایمان کی رُوح امام میں ہے وہ خاموش نہیں ہے وہ بولنے والی ایک حقیقت ہے۔

سوال نمبر ۱۱: سوال ہے آدمی جب نیند کی کیفیّت میں ہوتا ہے تو اُس وقت اُس کی رُوح کہاں ہوتی ہے؟ وہ جو خواب دیکھتا ہے اِس کا محلِ وقوع جسم ہے یا رُوح؟ یعنی عالمِ خواب کہاں ہے؟

جواب: آدمی جب نیند کی کیفیّت میں ہوتا ہے تو اُس وقت اُس کی رُوح اُس کے ساتھ ہوتی ہے وہ کہیں نہیں جاتی، صرف ہوتا یہ ہے کہ جو حواس ہیں اُن میں سے رُوح کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ نیند اور سکون کی وجہ سے یہ جو (senses) ہیں، جو حواس ہیں مثلاً دیکھنا، سننا، سونگھنا، بولنا، چکھنا اور ظاہر اور باطن میں جو اِس قسم کے حواس ہیں اُن کے ساتھ رُوح کا جو رابطہ تھا اور جس طرح اِن کو رُوح نے اپنی گرفت میں لیا تھا تو وہ (connection) جو ہے وہ ڈھیلا ہو جاتا ہے یا کہنا چاہئے کہ اُس کی گرفت جو ہے اِن حواس سے ڈھیلی ہو جاتی ہے، اور پھر رُوح اپنی ذات کی طرف متوجّہ ہو جاتی ہے، اپنے اندر کی طرف۔ جس طرح ہم بیٹھتے ہیں کبھی (thinking) کے لئے یا سوچنے کے لئے یا (meditation) کے لئے بیٹھتے ہیں تو اُس وقت ہم بیداری ہی میں رُوح کی طرف متوجّہ ہو جاتے ہیں، اور جب چلتے ہیں، پھرتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، بات چیت کرتے ہیں تو اُس وقت ہم اپنے جسم اور دُنیا کی طرف متوجّہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح خواب میں رُوح جو ہے اپنی ذات کی طرف متوجّہ ہو جاتی ہے، اور یہ جو حواس ہیں اِن کو اپنی گرفت سے چھوڑ دیتی ہے، اور انسان وہ جو خواب دیکھتا ہے وہ رُوح کے اندر ہے تاہم ایک طرح سے جسم کے ساتھ رُوح کا رابطہ ہوتا ہے جیسا کہ میں نے کہا کہ رُوح جو ہے کہیں نہیں جاتی ہے جسم کے ساتھ ہے اور تھوڑا سا رابطہ ہوتا ہے۔ اِس کا ثبوت، جسم کے ساتھ رُوح کے رابطہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ کبھی کبھار جب آدمی خواب میں ڈرتا ہے تو وہ تھوڑی سی آواز نکالنے کی کوشش کرتا ہے ادھوری سی حرکت کرتا ہے یا ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے یا بڑبڑاتا ہے یا اُس کو پسینہ آتا ہے تو یہ ایک طرح سے رابطہ ہے تو رُوح جسم کے ساتھ رہتی ہے اور فرق یہ ہے کہ جو حواس ہیں اُن کو اپنی گرفت سے چھوڑ دیتی ہے، اور عالمِ خواب رُوح کے اندر ہے اور ایک طرح

سے جسم کے ساتھ اُس کا رابطہ ہوتا ہے ایک حد تک۔

سوال نمبر ۱۲: ذکر اور عبادت سے رُوح پر جو پُر مسرّت اثرات پڑتے ہیں اِس کی کیا وجہ ہے؟ اور غفلت و نافرمانی کے نتائج کیوں ناخوشگوار گزرتے ہیں؟

جواب: یہ ہے کہ ذکر و عبادت میں خدا کی یاد ہے اور خدا کی یاد میں روشنی ہے اور اُس میں نور کی حرارت ہے، تو اِس حرارت کی وجہ سے رُوح میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور اُس کے ذرّات میں کچھ تجدید ہوتی ہے اور رُوح ایک طرح سے (renew) ہوتی ہے کچھ ذرّات تبدیل بھی ہو جاتے ہیں، اور رُوح کو اچھی اُمیدیں آتی ہیں اور جو بے جا غم ہے اور شیطان کی طرف سے جو خوف ہے، جو اندیشہ ہے وہ کم ہو جاتا ہے اور رحمان کی طرف سے جو اچھے خیالات ہیں، جو نیک اُمیدیں ہیں وہ آتی ہیں اور اسی طرح سے اِس (connection) سے ذکر و عبادت کے جو نتائج ہیں وہ خوشگوار ہوتے ہیں، اور اسکے برعکس، نافرمانی اور غفلت، غفلت معنی خدا کو بھول جانا اور نافرمانی کے معنی گناہ کرنا تو اِس کے نتائج اِس کے برعکس ہیں، اُس میں تاریکی آتی ہے اور شیطان کو موقع ملتا ہے، تو رُوح کے کان میں وہ شیطان مایوسیاں اور افکار اور ایسی بُری چیزیں جن سے رُوح کو غم ہوتا ہے وہ رُوح کے کان میں شیطان بھر دیتا ہے، اور تاریکی آتی ہے اِس لئے جو غفلت و نافرمانی ہے اُس میں انسان کا جو دل ہے وہ تنگ ہو جاتا ہے، اِس کے برعکس جو ذکر و عبادت ہے اُس سے رُوح میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے اور روشنی پیدا ہوتی ہے اِس لئے انسان عبادت اور ذکر سے خوش ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۳: ایک بچّہ جب شکمِ مادر میں ہوتا ہے تو اُس وقت اِس میں رُوحِ حسّی کہاں سے داخل ہوتی ہے اور یہی رُوح طفلِ شیر خوار میں کس راہ سے داخل ہوتی ہے؟

جواب: وہ بچّہ جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اُس کو غذا جو ملتی ہے وہ (blood) ہے، خون ہے، ماں کا خون، وہ اُس خون کو منہ کی راہ سے نہیں چوستا ہے ناف کے راستے سے اُس کو مسلسل (automatic) خون جاتا ہے۔ وہ اِس طرح نہیں جس طرح کوئی جانور گھاس کھاتا ہے یا انسان غذا کھاتا ہے چبا کر، وقفے وقفے سے نہیں، جس طرح کسی جھاڑ کو آپ پانی دیتے ہیں اور مسلسل اُس کی جڑیں جو ہیں، جھاڑ رُطوبت کو اور قوّت کو چوستا رہتا ہے مسلسل۔ اسی طرح مسلسل ناف کی راہ سے اُس بچّے کو خون جاتا ہے اُس خون کے ساتھ رُوحِ حیوانی یا کہ روحِ حسّی اُس بچّے کو جاتی ہے، لیکن یہ بچّہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ رستہ بند ہوتا ہے [یعنی] ناف کا راستہ، پھر وہ دودھ پینے لگتا ہے تو منہ کی راہ سے دودھ کے ساتھ رُوحِ حیوانی اُس کو ملتی رہتی ہے، یہ سوال تھا۔ سوالات نے ہمارا بہت ٹائم لیا، بہر حال اِس کو ختم کرتے ہیں جلدی جلدی، آپ (bore) ہوئے ہوں گے، لیکن (bore) نہیں ہونا چاہئے معلومات کے لحاظ سے یہ بہت پُر قوّت مجلس ہے۔

۱۴نمبر کا سوال ہے، انسان میں بولنے والی رُوح یعنی رُوحِ ناطقہ کہاں سے آتی ہے؟ کس راستے سے داخل ہوتی ہے؟ آیا یہ ایک دن میں مکمّل ہو جاتی ہے یا بتدریج؟

جواب: تو اِس کے لئے جواب عرض ہے کہ انسان میں بولنے والی رُوح گھر کے افراد سے آتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ساری رُوح ماں سے یا باپ سے آتی ہے یہ نہیں، گھر میں جو اُس سے بولتے ہیں، بچّے سے باتیں کرتے ہیں ماں ہے، بہن ہے، بھائی ہے، باپ ہے اور کوئی ہے جو اُس سے باتیں کرتے ہیں، تو اُن سب سے وہ رُوح جو ہے رُوحِ ناطقہ [یعنی] بولنے والی رُوح جو ہے [وہ] (collect) ہو جاتی ہے اور اُس کا راستہ یہ ہے [یعنی کان]، بولنے والی رُوح کا راستہ یہ ہے، رُوحِ حیوانی کا راستہ یہ ہے۔ پہلے ناف کا راستہ تھا تو بولنے والی رُوح جو ہے وہ یہاں سے آتی ہے، ماں سے جب [وہ] بولتی ہے بہن سے، بھائی سے، باپ سے، جو بھی بولے تو سب سے وہ بولنے والی رُوح جو ہے وہ (collect) ہو جاتی ہے۔ ایک دن میں نہیں، اُس کو کم سے کم تین برس یا اِس سے زیادہ جتنے عرصے میں آپ دیکھتے ہیں کہ ایک بچّہ بات کو مکمّل کرتا ہے تو اتنے عرصے میں بولنے والی رُوح جو ہے اپنے ماحول سے اور گھر سے وہ (collece) ہو جاتی ہے۔ یہاں مجھے یہ بھی کہنے دیجئے [کہ] رُوحِ قدسی کہاں سے آتی ہے؟ اُس کے لئے بھی کوئی راستہ نہیں ہے بس وہ بھی یہاں سے آتی ہے پاک رُوح، تو یہ جو بولنے والی رُوح ہے وہ کس کے ساتھ آتی ہے؟ وہ باتوں سے جو ماں بات کرتی ہے، میرے لعل، میرے پیارے، میرے بچّے، ماں باپ اِس قسم کی جو باتیں کرتے ہیں اِن میں بولنے والی رُوح اُس کو ملتی ہے لیکن رُوحِ قدسی جو ہے وہ علم و حکمت کی باتوں سے، امامؑ کے ارشادات سے اور اعلیٰ دینی باتوں سے، گنان سے اور امامؑ کی محبّت کی باتوں سے رُوحِ قدسی یہاں سے آ کر تکمیل پاتی ہے، لیکن ایک خطرہ یہ رہتا ہے کہ اگر ایک مومن غیروں کی باتوں کو بھی بے دریغ سنتا ہے بے تحاشا سنتا ہے تو اُس کی رُوحِ قدسی نامکمّل ہو جاتی ہے اُس میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی مومن کو رُوحِ قدسی مکمّل کر لینی ہے تو اُس کو فقط اپنے دین کی باتیں سننی [ہیں]۔ دُنیا کی تعلیم تو الگ ہے لیکن دین کی باتیں جو ہیں اپنی ہی ہیں تو اُس سے یہاں سے رُوح آتی ہے اور اُس کے اندر رُوحِ قدسی ایک حد تک مکمّل ہو جاتی ہے اور ہر رُوح بتدریج یعنی آہستہ آہستہ (complete) ہو جاتی ہے ایک دن میں نہیں۔ یہاں پر ایک کمی یہ رہ گئی ہے کہ رُوحِ قدسی جو ہے وہ کانوں سے آتی ہے، جس طرح رُوحِ انسانی کا مرکز جو ہے وہ دماغ ہے اور اِسی دماغ میں رُوحِ قدسی کا بھی مرکز ہے بالکل اسی طرح سے انسانی رُوح کانوں سے باتوں کے ساتھ داخل ہوتی ہے بولنے والی رُوح، اسی طرح رُوحِ قدسی یعنی پاک رُوح یا کہ امام کا نور علم کی، حکمت کی باتوں میں آسکتا ہے۔ اِس طرح سے نہیں [جیسے] جو مادّی روشنی ہے جو بلب سے یا سورج سے آتی ہے وہ [بھی] اِس طرح سے آتی ہے، اِس طرح سے نہیں! دین کا نور، امام کا نور، معرفت کا نور

یا کہ رُوحِ قدسی جو نور ہے وہ علم وحکمت کی باتوں کے وسیلے سے کانوں کی راہ سے آپ میں آسکتی ہے۔

سوال نمبر ۱۵: اِنہوں نے کہا انسان میں، تو انسان میں اعلیٰ رُوح پہلے آتی ہے یا ادنیٰ رُوح؟ عقل پہلے آتی ہے یا رُوحِ ناطقہ؟

جواب عرض ہے کہ پہلے ادنیٰ رُوح آتی ہے پھر اعلیٰ رُوح آتی ہے پہلے نوکر آتا ہے پھر بادشاہ آتا ہے۔ سب سے پہلے گھاس والی رُوح آتی ہے اور اُس پر بادشاہ حیوان کی رُوح ہے وہ آتی ہے، اُس پر بادشاہ انسان کی رُوح ہے وہ آتی ہے اُس پر بادشاہ رُوحِ قدسی ہے وہ بعد میں آتی ہے۔ جس طرح عام مثال میں ایک عام انسان کے اندر عقل بعد میں آتی ہے بولنے والی رُوح پہلے آتی ہے، عقل برتر ہے اِس واسطے بعد میں آتی ہے، تو دین کے اندر جو اعلیٰ چیز ہے وہ بعد میں آتی ہے۔ دیکھیں درختوں میں کیا ہوتا ہے جب موسمِ بہار آتا ہے تو پہلے پتّے آتے ہیں، پتّے پیدا ہوتے ہیں، پھر کلیاں، پھر پھول، پھر کیریاں اور پھر اُس کے بعد کچّا پھل اور پھر پھل اور آخر میں مغز، تو دین کا سلسلہ بھی ایسا ہے۔

سوال نمبر ۱۶: [نفس اور رُوح میں کیا فرق ہے؟ قرآن میں اِنسانی نفس کے کتنے درجے مذکور ہیں؟]

جواب: اِس کے بعد ایک سوال رہتا ہے ابھی ہم اِس مضمون کو ختم کرنے والے ہیں، نفس اور رُوح میں درحقیقت کوئی فرق نہیں ہے لیکن عام طور پر فرق ہے اور لوگ رُوح کہنا پسند کرتے ہیں نفس کہنا پسند نہیں کرتے ہیں وجہ اِس کی یہ ہے کہ نفس جو ہے امّارہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے نفس امّارہ اور ہمیشہ یعنی بُرائی کے ساتھ اور بُری چیزوں کی طرف حکم کرنے والا نفس تو لہٰذا اِس سے بچنے کے لئے نفس کی جگہ پر رُوح کہا کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو نفس بھی اچھّے (sense) میں قرآن کے اندر استعمال ہوا ہے اور ایک عام انسان میں نفس کے تین (stages) ہیں: نفس امّارہ (۱۲:۵۳) یعنی بار بار بُرائی کی طرف حکم کرنے والا نفس، نفس لوّامہ (۷۵:۲) اپنی غلطیوں پر نادم ہونے والا ندامت اُٹھانے والا یعنی (self blaming) یعنی خود کو (blame) کرنے والا نفس یہ دُوسرا درجہ ہے اور نفس مطمئنہ بس جو نفس سکون میں ہے اور [جس نے] دین کی حقیقت کو پایا ہے وہ نفس، قرآن [میں] ایک ایسا مقام بھی ہے جہاں خدا فرماتا ہے کہ: ''یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً'' (۸۹:۲۷۔۲۸)۔ اے نفس مطمئنہ! جس کو اطمینان ملا ہے خدا کی طرف سے، اب خدا کی طرف لوٹ جا، راضی ہو کر اور خدا تجھ سے راضی ہے اور تو خدا سے راضی ہے، تو اِس سے پتا چلتا ہے کہ نفس جو ہے یعنی یکسر بُرا نہیں ہے اور نفس کے درجے قرآن کے اندر انسان کے اِن تین مقامات کے علاوہ دو اور مقام ہیں جو اعلیٰ ہیں ایک جگہ پر خدا نے اپنے نفس کے بارے میں کہا ہے، یعنی رُوح کے (sense) میں (۴:۱)، اور ایک مقام پر نفس واحدہ جو نفس کُلی کی طرف اشارہ ہے (۳۱:۲۸) تو اِس سے پتا چلتا ہے کہ نفس کا جو لفظ ہے قطعاً بُرا نہیں ہے،

لیکن اِس کا موقع استعمال (الگ) ہے،تو لہٰذا قرآن میں تین مقامات پر نفس کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے[بلکہ]پانچ(۵)مقامات پر، تین(۳)مقام جو ہیں وہ انسان کے بارے میں ہیں اور دو(۲)مقام جو ہیں[وہ]اِس سے اعلیٰ ہیں،تو اِس لئے یہ نفس کی تشریح ہے۔

سوال نمبر ۱۱:[جب ایک آدمی کسی مریض کو بوقتِ ضرورت خون کا عطیّہ دیتا ہے تو اُس خون کے ساتھ کون کون سی رُوحیں بیمار آدمی میں منتقل ہو جاتی ہیں؟]

جواب:سوال اُٹھتا ہے[کہ]آپ میں سے کوئی کسی مریض کو(blood)جو ہے وہ(grant) کرتا ہے،عطیّہ دیتا ہے تو اُس وقت آپ کے اندر جو مختلف رُوحیں ہیں اُن میں سے کون کون سی رُوحیں جاتی ہیں اور کون سی رُوح ہے جو نہیں جاسکتی ہے تو آپ کے اندر جو انسانی رُوح ہے وہ نہیں جاسکتی ہے، چونکہ اُس کا مرکز (mind)کے ساتھ،(brain)کے ساتھ وابستہ ہے لہٰذا وہ نہیں جاسکتی ہے اور اِس میں صرف رُوحِ نباتی اور رُوحِ حیوانی جاسکتی ہیں یہ دو رُوحیں جاتی ہیں تو اِن کے جانے میں کوئی حرج نہیں۔اِس سے شریعت کے بارے میں کچھ سوال پیدا نہیں ہوسکتا ہے کہ آپ میں سے جس نفس یا جس رُوح کے ساتھ حساب کتاب ہے وہ تو آپ کے پاس ہے،اور آپ میں سے اگر گھاس والی رُوح جاتی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اور حیوان والی رُوح جاتی ہے اُس میں سے کچھ ذرّے جاتے ہیں تو کوئی بات نہیں ہے،تو اسی لئے خون کے دینے سے یا کسی آنکھ کے دینے سے یا دل کی تبدیلی سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا ہے۔اسی کے ساتھ یہ ہمارے سوالات ختم ہو جاتے ہیں گو کہ اِس میں اور زیادہ تشریحات ہیں لیکن ہم ایک ہی مضمون کو زیادہ دیر تک چلانا پسند نہیں کرتے ہیں۔شکریہ کہ آپ نے توجّہ سے سُنا۔

اِس سلسلے میں اگر کچھ کہنا ہے تو میں کسی موقع پر کہوں گا،لیکن یہ بات میرے لئے بہت مشکل ہے کہ میں علم کا حق ادا کرنے پر کچھ اصرار کروں یا اُس پر زور دوں،بلکہ اسماعیلی اُصول کے مطابق یہ ہے کہ علم کا حقیقی سرچشمہ امامؑ ہے اور اِس میں ہمارا فرض یہ ہوتا ہے کہ کچھ علم کی باتیں کر کے آخر میں علم کے دعوے سے دستبردار ہو جائیں اور یہ اقرار کریں کہ علم ہمارا نہیں ہے،علم امامؑ کا ہے اور ہمارا اُصول ہم کو یہ بتاتا ہے تو باقی جو کچھ کہا گیا وہ تو ادب کی بات ہے اور امامؑ جیسا چاہیں وہ فرما سکتے ہیں امامؑ اپنے تحت جو اُس کے خادم ہیں اُن میں سے کسی کو کوئی چیز منسوب کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں،لیکن ہم اِس حد میں نہیں ہیں کہ کسی چیز کا دعویٰ کریں جبکہ ہمارا اُصول،ہمارا دین یہ بتاتا ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں،جو سرچشمہ جہاں سے آتا ہے تو وہ سرچشمہ وہیں کا ہے یعنی علم صحیح معنوں میں امامؑ کا ہے اور حقیقی سرچشمہ بھی وہی ہے،لیکن ہم درمیان میں،اِس چیز کو

دیکھیں تجزیہ کریں، اور صحیح طور سے دیکھیں تو یہ چیز ہماری نہیں ہے اور اسی کے ساتھ میں بات کو ختم کرتا ہوں کیونکہ کافی وقت ہوا ہے اور پھر آگے چل کر دیکھیں گے جو کچھ مناسب ہو۔ [نوٹ: سوال نمبر ۱۸ تا ۲۰ کی ریکارڈنگ موجود نہیں]

سوال نمبر ۲۱: جَنین (بچہ شکمِ مادر) میں رُوحِ حیوانی کب داخل ہو جاتی ہے؟ آیا یہ رُوح تخلیقِ بدن کے نقطۂ آغاز میں شروع ہی سے موجود نہیں ہوتی؟ جبکہ ڈاکٹری سائنس کی جدید ریسرچ (تحقیق) کے مطابق تخمِ حیات کے اُن تمام قطرات میں رُوحِ حیوانی کے ذرّات مجموعی طور پر کروڑوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

جواب: اِن کے سوال نمبر ۲۱ کے بارے میں، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ دفعہ بھی کچھ سوالات ہوئے تھے اور اسی سلسلے میں یہ دُوسری قسط چلتی ہے۔ جواب: ڈاکٹری سائنس کی یہ بات بالکل معقول اور صحیح ہے، اور اِس سے اُن رُوحانی مشاہدات کی تصدیق و تائید ہو جاتی ہے جن کی روشنی میں قبلاً یہ کہا گیا تھا کہ ہر درجہ کی رُوح کے لاتعداد ذرّات ہوا کرتے ہیں، یعنی رُوحِ نباتی نام کے لحاظ سے ایک ہے لیکن اُس کے اندر لاتعداد نباتی قسم کی رُوحیں ہیں۔ رُوحِ حیوانی شمار میں ایک ہے لیکن اُس کے اندر لاتعداد ذرّات ہیں، رُوحِ انسانی کہنے کو ایک ہے لیکن اُس کے اندر بہت سی انسانی رُوحیں موجود ہیں جو اُس رُوح کے مطابق زندگی رکھتے ہیں اور یقین کرنا چاہئے کہ ہر ایک رُوح کی ایسی ذیلی تقسیم اور اتنی کثرت و فراوانی میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور رحمتیں بھی اِس قدر زیادہ ہیں بہرکیف جَنین میں، جَنین پیٹ کے بچّے کو کہتے ہیں، جَنین میں حرکت چار ماہ کے بعد نمایاں ہو جاتی ہے۔ [وہ] شروع ہی سے ہے، نقطۂ آغاز ہی سے ہے لیکن کمزور ہونے کی وجہ سے وہ حرکت نہیں کر سکتی ہے، لہٰذا چار ماہ کے بعد اُس میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اسی اعتبار سے کہا گیا کہ رُوحِ حیوانی چوتھے مہینے کے اختتام پر آتی ہے یعنی قدیم زمانے میں جو ریسرچ ہوئی تھی اُس کے مطابق چار مہینے کے بعد رُوحِ حیوانی آنے کا ذکر ملتا ہے ویسے موجودہ سائنس کی روشنی میں دیکھا جائے تو رُوحِ حیوانی انسان کی شخصیّت کی تعمیر کے آغاز ہی سے موجود ہے، یعنی اگر اِس جسم کو ایک بلڈنگ سے تشبیہہ دی جائے تو اِس عمارت کا جس روز سنگِ بنیاد پڑتا ہے تو اُسی کے ساتھ ساتھ رُوحِ حیوانی ہے یعنی اِس کی تخلیق کی ابتداء میں اور اسی کے ساتھ ۲۱ نمبر کے سوال کا جواب ختم ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۲۲: اِن کا پوچھنا ہے ۲۲ نمبر کے سوال میں کہ قرآنِ حکیم میں لفظِ روح کتنی دفعہ آیا ہے؟ اور موضوعِ روح سے متعلّق جملہ آیات میں کلیدی آیت کون سی ہے مدلّل وضاحت کیجئے؟

جواب: اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو قرآنِ پاک سراسر رُوح کے تذکروں سے مملو ہے یعنی بھرا ہوا ہے اِس کے علاوہ ظاہر میں رُوح کے مترادفات بھی بہت زیادہ ہیں یعنی ایسے الفاظ بہت زیادہ ہیں قرآن میں جو رُوح کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسے نفس، ذرّہ وغیرہ۔ لیکن یہاں سوال صرف لفظِ رُوح کے بارے میں ہے، لہٰذا یہی بتانا کافی ہے

کہ رُوح کا لفظ قرآن میں چوبیس (۲۴) دفعہ مذکور ہے اور رُوح کے باب میں یعنی بارے میں اساسی وکلیدی آیت یہ ہے یہ اُس آیت کا ترجمہ: ''اور (اے رسولؐ) تم سے لوگ ''الرّوح'' کے بارے میں سوال کرتے ہیں'' یعنی رُوح کے بارے میں نہیں ''الرّوح'' کے بارے میں، اِس میں فرق ہے میں (repeat) کرتا ہوں ''(اے رسولؐ) تم سے لوگ ''الرّوح'' کے بارے میں سوال کرتے ہیں تم کہہ دو کہ ''الرّوح'' میرے پروردگار کے عالمِ امر سے ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے'' (۱۷:۸۵)۔ چنانچہ جاننا چاہئے کہ رُوح سے متعلّق یہ قرآنی تعلیم بنیادی اور کلیدی اہمیّت کی حامل ہے کیونکہ یہ سوال خواہ جیسا بھی کیا گیا ہو مگر سب سے بڑی رُوح کے معنی میں لیا گیا ہے، یعنی پوچھنے والوں نے جیسا بھی پوچھا ہو لیکن خداوندِ عالم نے اُن سے جو سوال لیا ہے اپنے اِس قرآن کے اندر تو اُس میں بڑی رُوح کے (sense) میں لیا ہے، جیسے اِس میں ''الرّوح'' کا لفظ آیا ہے چونکہ آیت کے اندر ''الرّوح'' ہے ایک تو ہے رُوح اور ایک ہے ''الرّوح'' اور جب ''الرّوح'' ہوتا ہے ا۔ل کے ساتھ [تو] وہ معرفہ بنتا ہے یعنی (proper noun) بنتا ہے۔ ایک تو ہے (common noun) عام اسم اور ایک ہے (proper noun) جو خاص اسم ہے تو اِس میں (proper noun) ہے ''الرّوح'' ہے، اور رُوح جو ہے وہ (common noun) ہے، تو خدا نے اِس کو (proper noun) میں لیا ہے اور اس میں بڑی رُوح کے معنی ہیں جیسے ''الرّوح'' کا لفظ آیا ہے، نیز اِس کے حقائق و معارف کے لئے کلمۂ ''کُن'' اور عالمِ امر کا حوالہ دیا گیا یعنی جیسا خدا نے فرمایا کہ اے رسولؐ آپ کہہ دیجئے کہ یہ رُوح میرے پروردگار کے عالمِ امر سے ہے بس اسی میں سب کچھ ہے۔ یعنی عالمِ امر ایک عالم ہے جو اِس عالمِ خلق کے (opposite) [ہے]۔

اب اُس عالمِ امر کی چیزیں اِس دُنیا کی (opposite) ہیں یعنی یہاں کوئی چیز بنائی جاتی ہے، وہ کوئی چیز کل کی ہے یا کوئی چیز پرسوں کی ہے، کوئی چیز سَو برس کی ہے، کوئی چیز ہزار برس کی ہے، لیکن عالمِ امر کی چیزیں ایسی ہیں کہ بس اسی طرح سے ہیں، اور اُن کے پیدا کئے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں وہ بالکل ہمیشہ سے ہیں، تو خدا یہ کہنا چاہتا ہے اِس ریفرینس میں کہ عالمِ امر سے ہے، رُوح میرے پروردگار کے عالمِ امر سے ہے اِس میں دو معنی ہیں ایک یہ کہ رُوح پر تخلیق نہیں ہوتی ہے، رُوح جس طرح خدا کا تصوّر ہے کہ خدا کو کسی نے نہیں بنایا وہ ہمیشہ سے ہے لیکن یہ صفت خدا کے لئے کچھ بڑی نہیں ہے، خدا اِس صفت کو رُوح کے لئے چھوڑ کے خود اِس صفت سے بالاتر ہو جاتا ہے تو قدیم کہنا کوئی بڑی صفت نہیں ہے جو رُوح کی صفت ہے، تو رُوح قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، اور دُوسرا یہ کہ عالمِ امر، اور امر کا مطلب ''کُن'' کے بارے میں آپ نے سُنا ہوگا کہ خدا جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو اُس کے پیدا کرنے کے لئے سامان مہیّا نہیں کرتا ہے بس ارادے سے کُن ہی فرماتا ہے اور لفظی طور پر نہیں صرف ارادہ کرتا ہے اور ارادہ بھی نہیں کرتا ہے کہ بس یعنی وہ چیز وُجود میں آتی ہے اور اِس کے وُجود میں آنے کا سوال نہیں ہے بلکہ وہ ہمیشہ سے ہے، تو دیکھا آپ نے، میں نے اپنی بات کو مرحلہ بہ مرحلہ

آگے بڑھادیا جس طرح کسی کو قاعدہ سے، پہلی سے اور دُوسری سے بڑھایا جاتا ہے تو قرآن کی حکمت بھی ایسی ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ''کُن فیکون'' (۲:۱۱۷) جسے کہتے ہیں وہ ایک مقام ہے، وہ ایک درجہ ہے، وہ ایک عالم ہے آپ جب ''کُن فیکون'' کے مقام پر جائیں گے تو اُس مقام پر جو چیز آپ چاہیں گے اور جو ارادہ کریں گے وہ چیز آپ کے سامنے حاضر ہوجائے گی۔ اِس طرح سے نہیں کہ وہ یعنی (nothingness) سے (existance) میں آگئی، اِس طرح سے وہ نہیں ہے صرف آپ ارادہ کریں گے تو وہ چیز آپ کے سامنے ظاہر ہوجائے گی، یہ ''کُن فیکون'' کا کرشمہ ہے تو خدا نے یہ جو فرمایا کہ رُوح جو ہے ''کُن فیکون'' سے ہے اور جو فرمایا کہ عالمِ امر سے ہے تو اِس کا یہ مطلب ہے کہ رُوح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کیسے نہ ہو آپ دیکھیں کہ رُوح خدا کے نور کے سورج کی ایک کِرن ہے تو اِس کو اُس وقت سے ہونا چاہئے جب سے کہ سورج ہے کیا کوئی یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ خدا کا نور نہیں تھا اور درمیان میں یہ پیدا ہوگیا یہ بات عبث اور فضول ہوجائے گی، اِس لئے کہ خدا کا جو تصوّر ہے وہ ازلی و ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، تو رُوح جو ہے وہ نور کی کِرن کی حیثیّت سے ہے جب سے نور ہے تب سے کِرن ہے، جب سے نور ہے تب سے حرارت ہے، جب سے نور ہے تب سے روشنی ہے۔ سورج کا تصوّر روشنی کے بغیر اور کِرن کے بغیر، اور حرارت کے بغیر کچھ نہیں بنتا ہے، اِس لئے خدا کے جتنے اوصاف ہیں اُن کا تقاضا یہ ہے کہ رُوح بھی ہمیشہ سے موجود ہو، تو جس آیت میں یہ ذکر ہے یہ بیان ہے وہ آیت رُوح کے (subject) کے سلسلے میں بنیادی اہمیّت کی حامل ہے اور وہ آیت یہ ہے، اور یہ جو خدا فرماتا ہے کہ اے رسولؐ جو لوگ تم سے رُوح کے بارے میں سوال کرتے ہیں اُن سے کہو کہ تمہارے پاس رُوح کی حقیقتوں کو سمجھنے کے لئے کچھ (background) نہیں ہے تمہارے پاس علم کا کوئی سرمایہ نہیں ہے کہ میں تم کو بتاؤں یعنی رُوح کے سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے وہ علم تمہارے پاس نہیں ہے، تو میں کیسے تم کو رُوح کی حقیقتیں بیان کروں۔

اِس سے رُوح کی عظمت و بلندی ثابت ہوجاتی ہے اور کیونکہ یہ سوال خواہ جیسا بھی کیا گیا ہو مگر سب سے بڑی رُوح کے معنی میں لیا گیا ہے جیسے اِس میں ''الرّوح'' کا لفظ آیا ہے، نیز اِس کے حقائق و معارف کے لئے کلمۂ ''کُن'' اور عالمِ امر کا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ اہلِ دانش معرفتِ رُوح کے اِن وسائل سے رُوحانی طور پر رُجوع کریں اسی کے ساتھ اِس سوال کا جواب ختم ہوجاتا ہے۔

سوال نمبر ۲۳: بڑا دلچسپ سوال ہے جو انہوں نے کیا، فرمایا: کیا یہ بات صحیح ہے کہ رُوح کی شکلیں کائنات بھر کی مخلوقات کی طرح مختلف بھی ہیں اور اتنی زیادہ بھی؟ آیا اِن تمام صورتوں میں سے رُوح کی کوئی خاص صورت بھی ہے، اگر اِس کی کوئی خاص یعنی مخصوص صورت ہے تو وہ کون سی ہے؟ بہت عمدہ اور مفید سوال ہے اور ہمیشہ مومن اپنے دل کے اندر

یہ خواہش رکھتا ہے کہ رُوح کی شکل کے بارے میں، صورت کے بارے میں جانے اور بہت اچھی طرح سے سوال کیا۔

جواب یہ ہے کہ ہاں! بالکل صحیح ہے کائناتی رُوح یعنی بڑی رُوح اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ کائنات کی شکل و شباہت رکھتی ہے، کیا؟ تو اِس کائنات کی جو رُوح ہے وہ اِس کائنات کی طرح ہے سب سے پہلی بات اور یہ حقیقت جنّت کے ذکر میں موجود ہے یعنی قرآن کے اندر ایک آیت ہے (۲۱:۵۷) ویسے تو جنّت کا ذکر بہت ساری آیتوں میں ہے مگر قرآن کی ایک آیت ہے اُس کے اندر فرمایا گیا ہے کہ بہشت کی وسعت یعنی طول وعرض اِس کائنات کے برابر ہے۔ اِس کا مقصد یہ ہوا کہ اِس کائنات کے باطن میں جنّت ہے یا یوں کہا جائے کہ اِس کائنات کی ایک عظیم رُوح ہے اِس (universe) کی وہی رُوح جنّت ہے اور اُس رُوح کی شکل کیسی ہے؟ چونکہ وہ رُوح اِس کائنات کی رُوح ہے اِس لئے اُس کی شکل بس اِس کائنات کی طرح آسمانوں کی طرح زمین کی طرح ہے، اور یہ حقیقت جنّت کے ذکر میں موجود ہے اور جزوی رُوحیں بھی اجزائے کائنات ومخلوقات کی سی شکل وصورت رکھتی ہیں، مثلاً وہ تو بڑی رُوح ہے کائنات کی طرح ہے اور اُس بڑی رُوح کے اندر میں جتنی چھوٹی چھوٹی رُوحیں ہیں، مثلاً اِس زمین کی بھی ایک رُوح ہے سیارۂ زمین جس پر ہم بستے ہیں، تو اِس کی رُوح کی شکل بس زمین کی طرح ہے تو ہر چیز کی رُوح ہے اور ہر چیز کی رُوح کی شکل اُس چیز کی طرح ہے۔ مگر رُوح کی سب سے خاص صورت یہ ہے کہ وہ انسانی شکل میں ہے چونکہ اِس کائنات کے اندر جو افضل مخلوق ہے جو اشرف مخلوق ہے وہ تو انسان ہے، اسی لئے رُوح کی بہت سی شکلوں میں سے جو انسانی شکل ہے رُوح کی، وہی افضل ہے لیکن انسان سب ایک جیسے نہیں ہیں انسانوں میں جو انسانِ کامل ہے یعنی پیغمبر اور امامؑ وہ سب انسانوں سے بالا و برتر ہے، لہٰذا رُوح بھی جا کر بس اپنی آخری شکل میں ہے کہاں؟ انسانِ کامل میں، کیوں؟ اِس لئے کہ انسانِ کامل کی صورت جو ہے وہ رحمان کی صورت ہے جیسے خدا نے آدمؑ کی تخلیق کے وقت فرمایا تھا کہ: ''اِنَّ اللّٰہُ خَلَقَ اٰدَمَ علیٰ صُوْرَتِہٖ''۔ خدا نے آدمؑ کو رحمان کی شکل میں پیدا کیا، تو آدم سے مُراد انسانِ کامل ہے، یعنی پیغمبرؑ اور امامؑ۔

لوگ کہتے ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے تو کیا اِس میں جو لوگ حیوان کے برابر ہیں یا درجے میں ہیں اور چونکہ قرآن نے بہت سارے لوگوں کو حیوان کا درجہ دیا ہے، گمراہی اور نادانی اور جہالت کے سبب سے (۷:۱۷۹) تو کیا وہ بھی اشرف المخلوقات ہیں؟ کون باور کرسکتا ہے، نہیں! انسان جو ہیں وہ طبقہ بہ طبقہ ہیں درجہ بدرجہ ہیں اور یہ درجہ جا کر وہاں تمام ہو جاتا ہے جہاں پر انسانِ کامل ہے، تو رُوح کی لاتعداد شکلیں ہیں، صورتیں ہیں، لیکن کامل ترین شکل وہاں ہے جہاں انسانِ کامل ہے اِس لئے کہ وہ صورتِ رحمان ہے رحمان کی شکل کا ہے۔ دیکھیں! رحمان کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو اِس حدیث میں وہ نہ فرماتا کہ خدا نے آدم کو اپنا ہم شکل بنایا اور اپنے مشابہ بنایا یا اپنی صورت پر اُس کی تخلیق کی تو اسی کے ساتھ یہ سوال ختم ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۲۴: بہت ہی عمدہ ہے انہوں نے فرمایا، سوال کیا چوبیس نمبر میں، آپ جن ذرّاتِ رُوحانی کا اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں آیا وہ مشاہدۂ رُوحانیت و معرفت کی بات ہے یا صرف قرآنی علم کی، اگر رُوح کا دیدار ممکن ہے تو وہ کس آنکھ سے ہوتا ہے یعنی دیدۂ ظاہر سے یا دیدۂ باطن سے؟ پوچھنا یہ ہے کہ آپ بار بار ذرّاتِ رُوح ذرّاتِ رُوح کہہ کر ذکر کرتے رہتے ہیں تو کیا بات ہے کہ یہ دیکھے گئے ہیں ذرّاتِ رُوح، رُوحانیت میں اور اِن کی معرفت حاصل ہوئی ہے یا یہ قرآن سے ہے اگر رُوح کا دیدار ممکن ہے تو وہ کس آنکھ سے ہوتا ہے ظاہری آنکھ سے یا باطنی آنکھ سے؟ یہ اِن کا سوال ہے۔

جواب: اب اِس کے لئے جواب، ذرّاتِ رُوح کا تذکرہ مشاہدۂ رُوحانیت و معرفت اور قرآنی حکمت کے بغیر ممکن نہیں، یعنی ایسا ذکر دیکھے بغیر اِن ذرّات کو اور اِن کی معرفت کے بغیر اور قرآنی حکمت کے بغیر ممکن ہی نہیں اور نہ ہی امامِ زمانؑ کی تائید کے سوا رُوحانیت اور حکمتِ قرآن حاصل ہوسکتی ہے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی امامؑ کے بغیر، امامؑ کی تائید کے بغیر کوئی رُوحانیت کی بات کرے اور قرآن کی حکمت کی بات کرے یہ ایک طرح سے جواب ہوگیا۔ اب تفصیل یہ ہے کہ دیدارِ رُوح کا تعلّق چشمِ باطن سے ہے، رُوح کی ملاقات، رُوح کا مشاہدہ اور رُوح کا دیدار دل کی آنکھ سے ہوتا ہے مگر بعد میں ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اِس میں حواسِ ظاہر اور حواسِ باطن باہم مل کر ایک ہوجاتے ہیں۔ بڑی دلچسپ بات ہے یہ جو بتاتا ہے کہ شروع میں تو دل کی آنکھ [سے] رُوحانیت کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں لیکن کچھ آگے چل کر ظاہر اور باطن کے درمیان جو ایک پردہ ہے وہ ختم ہوجاتا ہے اور ختم ہونے کی وجہ سے ظاہری آنکھ بھی باطنی آنکھ سے مل جاتی ہے ظاہری کان جو ہے باطنی کان سے مل جاتا ہے تو یہ جو ظاہری حواس ہیں، جس کی قوتیں اور جو باطنی حواس ہیں یہ آپس میں مل کے ایک ہوجاتے ہیں مثلاً جو کبھی ہم آنکھ بند کر کے کسی چیز کو دیکھتے تھے بعد کے کسی وقت میں آنکھ کو کھول کے اُسی چیز کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اِس سوال کا جواب اتنا سا ہے۔

سوال نمبر ۲۵: بہت عمدہ سوال ہے انہوں نے کہا آپ کے کہنے کے مطابق، جو ۲۴ نمبر [کا سوال] تھا، آپ کے کہنے کے مطابق ایک ہی رُوح مثلاً رُوح انسانی یا نفس ناطقہ کہیئے لاتعداد رُوحوں کا مجموعہ ہے یعنی ٹوٹل ہے یعنی لاتعداد رُوحوں کا، پھر بتائیے کہ آیا یہ تمام رُوحیں جو لاتعداد ہیں، بے شمار ہیں زندگی بھر انسان کے جسم میں محبوس و مقیّد رہتی ہیں یعنی قید اور بند رہتی ہیں یا کہ اِن کا تبادلہ اور آنا جانا ہوتا ہے۔ اتنی ساری رُوحیں انسان میں ہیں تو کیا اِن میں سے کوئی ایک بھی الگ نہیں ہوتی ہے اور زندگی بھر اتنی ساری رُوحیں بالکل بند ہی رہتی ہیں یا کیا بات ہے یہ سوال تھا۔

جواب: کوئی شک نہیں کہ ایک ہی رُوح کے نام سے بے پناہ رُوحیں انسانی جسم میں رہتی ہیں مگر یہ ہے کہ بہت سے مواقع پر اِن کا ایسا تبادلہ اور آنا جانا ہوتا ہے کہ سوائے اہلِ رُوحانیت کے اِس کا کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا (۳۹:۴۲)، مثال کے طور پر نیند کے دوران کچھ رُوحیں جاتی ہیں اور کچھ نئی رُوحیں آتی ہیں۔ بہت دلچسپ بات ہے اب ذرا تفصیل سنئے کہ انہوں نے کہا جواب کے طور پر کہا کہ ہمارے اندر اگرچہ لاتعداد رُوحیں ہیں لیکن یہ رُوحیں جو ہیں ہر وقت آتی جاتی رہتی ہیں جس طرح کوئی مِلٹری ہے، لشکر ہے یا کوئی جمعیّت ہے یا کوئی ادارہ ہے یا کوئی حکومت ہے، تو اُس میں آدمیوں کو آنا جانا چاہیئے نا! لیکن ادارہ تو وہی رہے گا قانون وہی رہے گا، کام وہی ہوگا لیکن افراد جو ہیں، شخصیتیں جو ہیں، وہ بدلتی رہیں گی اور اِن رُوحوں کے بدلنے کے مختلف مواقع ہوتے ہیں اُن میں سے ایک موقع نیند ہے۔

میں اِس کو اور روشن دلیلوں سے بتاؤں گا ایک انسان سوتا ہے تو سونے کے وقت اُس کی تھکان والی رُوح اور وہ رُوح جو دن کو فرسودہ ہو چکی تھی یا غمگین ہو چکی تھی یا وہ رُوح جو کسی قدر غفلت میں تھی، اگر مومن ہے تو وہ یعنی سب ذرّات چلے جاتے ہیں اور اُن کی جگہ پر نئے اور عمدہ ذرّات آتے ہیں جب کہ مومن وقت پر جاگے، بڑی دلچسپ بات ہے، اور مثال کے طور پر ایک شخص ایسا ہے کہ اُس کو کوئی احساس نہیں ہے دین کا وہ سوتا ہے ایک بار جاگتا ہے، پھر سوتا ہے پھر جاگتا ہے پھر سوتا ہے اِس درمیان میں اُس کی رُوح بجائے اِس کے کہ اُس میں اصلاح ہو، تجدید ہو وہ نیچے سے نیچے اور بد سے بدتر [ہو جاتی ہے] اور بہت دیر کے بعد جاگتا ہے تو وہ بالکل حیوان کی طرح سُست ہو جاتا ہے وجہ اِس کی کیا؟ اُس کے پاس جو اچھی رُوح تھی وہ اِس نیند کے ساتھ چلی گئی اور وہ وقت پر نہیں جاگا، تو اُس کی جگہ پر ایک سست رُوح آئی اُس کے اعمال بھی ایسے ہیں۔ پھر سویا ایک اور درجہ نیچے گرا پھر سویا ایک اور درجہ نیچے گیا اور صبح اُٹھتا ہے تو وہ بالکل اُس میں نہ تو خوشی ہے نہ راحت ہے اور اگر خوشی ہے تو وہ انسانی قسم کی خوشی نہیں ہے، حیوان کی خوشی جیسی خوشی ہے تو اسی طرح اُس کی رُوح جو ہے بالکل نیچے گرتی ہے، یعنی بد سے بدرُوحیں اُس میں آتی ہیں اور اگر مومن ہے تو اُس کے اندر اچھی رُوحیں آتی ہیں تھوڑا سویا تو اُس کے ساتھ۔ تجربے میں آیا ہے کہ ایک مومن ہے جو اچھا ہے، نیکوکار ہے اُس کے اعمال اچھے ہیں تو دن کے وقت اُس کے دل کو دُکھایا جاتا ہے تو مولا کا نام لے کر سوتا ہے تو سونے کے ساتھ وہ دکھ جو ہے اُس کے دل سے مِٹ جاتا ہے وہ غم، وہ غصّہ، وہ فکر دُور ہو جاتا ہے، یعنی جن ذرّات پر یہ چیزیں ٹیپ ہو گئیں تھیں وہ چلی جاتی ہیں، اور اُن کی جگہ پر دُوسرے ذرّات آتے ہیں اور اِس میں جو شعور ہے اُس کو فرق نہیں پڑتا ہے وہ شعور جو ہے وہ ٹرانسفر ہو جاتا ہے جو آگے ذرّات ہیں وہ اِس چیز کو ٹرانسفر کر کے مثلاً ویسے تو ہمارے جسم میں یعنی ہر جگہ پر رُوح ہے لیکن جہاں سینٹرز ہیں مثلاً دماغ میں سینٹر ہے، دل میں سینٹر ہے، کان میں سننے کا سینٹر ہے، زبان میں سینٹر ہے، اِن سینٹرز میں جو جو رُوح کے ذرّات کام کرتے ہیں وہ زیادہ حساس ہوتے ہیں، زیادہ باشعور ہوتے ہیں اور جو اِن مراکز سے ہٹ کر ہیں

وہ یعنی اُن کو ایسا موقع نہیں ہے کہ اِن جیسا کام کریں۔اب یہ جو(transferring) ہوتی ہے وہ اِن مراکز سے ہوتی ہے، جب مراکز سے یہ چیزیں ہٹ جاتی ہیں تو پیچھے ذرّات ہیں وہ آگے بڑھ کے اِن کی جگہوں کو لیتے ہیں،تو اسی تبادلے میں وہ شعور،وہ ذمّہ داری،وہ یادداشت،وہ علم اور زندگی کی ہر چیز انہی میں ٹیپ ہو جاتا ہے اور اِس سے آدمی یہ سمجھتا ہے کہ بس وہ جس طرح یعنی کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا یا جس وقت اُس نے ہوش سنبھالا تھا تب سے اِس کی رُوح اِس طرح سے ہے یہ بات نہیں ہے۔ یہاں پر میں ایک مثال دوں ایک تالاب ہے اُس تالاب کے دو راستے ہیں ایک پانی بھرنے کا اور پانی گرنے کا اور ایک جو ہے (exhaust) کا،نکاس کا،تو اُس تالاب کے اندر ہر وقت پانی بھرا رہتا ہے اب یعنی تالاب کا پانی کیسا ہے؟ گرم ہے یا ٹھنڈا ہے یا صاف ہے یا گدلا ہے۔۔۔۔

ٹرانسکرائب:حبیب اللہ ٹائپنگ:اکبر علی پروف:نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی (ق) کا پُرحکمت بیان

عنوان: روح کے بارے میں سوال و جواب [از کتاب رُوح کیا ہے: سوال نمبر ۲۵ تا ۳۰]

ملکِ چین کے اسماعیلی

Click here for Audio

کیسٹ نمبر: ۴۵ تاریخ: ۲۴ ر مئی ر ۱۹۸۱، کراچی

یہاں پر میں ایک مثال دوں ایک تالاب ہے اُس تالاب کے دو راستے ہیں ایک پانی بھرنے کا اور پانی گرنے کا اور ایک جو ہے (exhaust) کا نکاس کا تو اُس تالاب کے اندر ہر وقت پانی بھرا رہتا ہے اب یعنی تالاب کا پانی کیسا ہے؟ گرم ہے یا ٹھنڈا ہے یا صاف ہے یا گدلا ہے، تو یہ (depand) کرتا ہے کہ باہر سے کیسا پانی آتا ہے اِس پر۔ اب اگر اِس میں پانی ناصاف ہے وہ مُکدّر ہے تو اِس کا کیا علاج ہونا چاہیے، آپ صاف پانی کو لے آئیں اور اُس میں صاف پانی کو چھوڑیں، کچھ دیر کے بعد جو (exhaust) ہے اِس کی راہ سے یعنی تالاب کی صفائی ہوتی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ ہم تالاب ہیں، ہماری ہستی اِن رُوح کے ذرّات کا تالاب ہے اور ہمارے اندر کچھ کدورت ہوگئی ہے تو ہمیں عبادت اور علم کے پانی سے اِس تالاب کو (renew) کرنا چاہیے، اِس کے پانی کو صاف کرنا چاہیے، جو علم کا پانی چھوڑیں گے، جو ذکر کا پانی چھوڑیں گے تو اِس کی تجدید ہوجائے گی اور پھر (exhaust) ہوجائے گا تو اِس سے بھی ثابت ہوا کہ رُوح (exhaust) ہوجاتی ہے یہ ہے اور اسی کے ساتھ یہ جواب بھی ختم ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۲۶: انہوں نے پوچھا چھبیس نمبر میں اگر معاملہ کچھ یوں ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مجموعی رُوحانیت میں تجدید و تازگی ہو وہ یہ کہ آلودہ اور فرسودہ ذرّات چلے جائیں اور عمدہ عمدہ ذرّات اُن کی جگہ لیں اِس کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: صاحب امر کی فرمانبرداری یعنی امامؑ کی فرمانبرداری میں کامیاب عبادت و بندگی، مومنین کی خدمت اور عاجزی اختیار کرنے سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور خداوندِ عالم نے تبادلے کا یہ نظام اہلِ ایمان کی رُوحانی ترقّی ہی کے لئے بنایا ہے، تو اگر تبادلہ نہ ہوتا تو وہی فرسودہ رُوح ہمیشہ کے لئے رہتی۔ اِس کے لئے خداوندِ عالم نے یہ رحمت کا ایک نظام بنایا ہے کہ مومنین عبادت و بندگی اور علم سے ہمیشہ اپنے آپ میں تجدید کرتے رہیں۔ اِس کے لئے امامِ زمانؑ کی

فرمانبرداری میں کامیاب عبادت و بندگی ناکام عبادت نہیں، کامیاب عبادت و بندگی کا مقصد مومنین کی خدمت اور عاجزی اختیار کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ جواب مختصر تھا ختم ہوگیا۔

اب ۲۷ نمبر کا سوال، انہوں نے ۲۷ نمبر کا سوال کیا رُوح کب سے ہے اور کب تک قائم رہ سکے گی؟ بالفاظِ دیگر خداوندِ تعالیٰ نے رُوح کب پیدا کی تھی اور کتنے عرصے کے لئے؟

جواب : اِس سے پیشتر آیۂ کریمہ کی وضاحت ہو چکی ہے، ہم نے ایک آیت کا ترجمہ سنایا اُس میں عالمِ امر کا ریفرینس تھا اور ہم نے تھوڑی سی وضاحت یہ کی تھی کہ رُوح قدیم ہے، ہمیشہ سے ہے اِس لئے کہ وہ عالمِ امر سے ہے اور جو چیز عالمِ امر سے ہوگی وہ ہمیشہ سے ہوگی اور اُس کے پیدا کرنے کا سوال نہیں ہوتا ہے اور رُوح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے اور یہ خدا کی سب سے بڑی صفت ہے کہ اُس کی بادشاہی میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو قدیم ہیں۔ ہم ایسے خدا کو مانتے ہیں کہ اُس کی بادشاہی میں ایسی چیزیں بھی ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہیں، لیکن کچھ لوگ خدا کو بالاو برتر ماننے کی بجائے اُس کو تھوڑا سا نیچے لے آتے ہیں۔ اُس کی جو مخلوق ہے اُس کی صفت میں اُس کو مانتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ خدا قدیم ہے، خدا کے قدیم ہونے میں کوئی تعریف نہیں ہے اور اگر خدا قدیم ہے تو وہ کسی شئ کا (opposite) ہے۔ کیونکہ یہ قدیم لفظ [ایک] (term) ہے، قدیم ہم تو عام زبان میں پرانی چیز کو کہتے ہیں اِس (sense) میں نہیں، وہ ایک اصطلاح کے طور پر یعنی فلسفے کی اصطلاح ہے، قدیم ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو ہمیشہ سے ہو اور جس کے پیدا کرنے کا سوال ہی نہ ہو اُس کو قدیم کہا جاتا ہے۔ اب اگر خدا کو قدیم مانیں تو اُس کے سامنے ایک (opposite) ہوگی جس کو کہتے ہیں حادث، حادث وہ چیز جو کسی زمانے میں وُجود میں آئی ہو اور قدیم وہ چیز جو ہمیشہ سے ہے، تو قدیم اور حادث ایک دُوسرے کے آمنے سامنے (opposite) ہو گئے اور حالانکہ خدا کی کوئی ضد نہیں ہے یعنی خدا کا کوئی (opposite) نہیں ہے، خدا کی کوئی چیز (opposite) نہیں ہوسکتی ہے، اِس لئے یہ رُوح قدیم ہے اور جسم حادث ہے، اِن دونوں کو ایک دُوسرے کے (opposite) ہونے دو لیکن خدا کو اِس سے برتر مانو۔ کیونکہ جو چیز عالمِ امر سے منسوب ہو وہ قدیم ہوتی ہے اور جو شئ عالمِ خلق کی ہو وہ تو حادث ہوتی ہے۔

خدا نے اُس آیت کے اندر جو رُوح کے (subject) میں کلیدی حیثیّت رکھتی ہے اُس آیت کے اندر یہ ریفرینس دیا تھا کہ رُوح عالمِ امر سے ہے وہ ''کُن فیکون'' کے مقام سے ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ رُوح قدیم ہے، لہٰذا رُوح کے پیدا کئے جانے کا سوال ہی نہیں ہے، جبکہ یہ نورِ خدا کی کِرن کی حیثیّت سے ہے جب سے نور ہے تب سے روشنی ہے، نور ہمیشہ سے ہو اور روشنی بعد میں پیدا ہو جائے یہ کہاں کی دانشمندی ہوسکتی ہے، اِس کے ساتھ یہ سوال بھی ختم ہے۔

سوال نمبر ۲۸ میں انہوں نے پوچھا، یہ تو بالکل درست ہے کہ سب سے بڑی رُوح ایک مثال میں رُوحوں کا سمندر ہے اور دُوسری مثال میں ''رُوح الارواح'' ہے، رُوح الارواح معنی؟ یہ تصوّف میں صوفیوں کی اصطلاح ہے، رُوح الارواح رُوحوں کی رُوح، عجیب بات ہے رُوحوں کی بھی رُوح ہوتی ہے، رُوح الارواح، رُوحوں کی رُوح لیکن ہم اِس کے علاوہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ عظیم ترین رُوح کا کوئی قرآنی نام ہوتا کہ یہ حقیقت اور زیادہ روشن ہو جائے تو کیا آپ اِس باب میں قرآنِ حکیم سے کچھ بتا سکتے ہیں؟

جواب: قرآنِ پاک میں کائناتی رُوح کے کئی نام مذکور ہیں اور اِن میں سے ایک نام نفس واحدہ ہے جس کا ریفرینس (۲۸:۳۱) ہے۔ نفس واحدہ، جس میں تمام رُوحیں جمع ہیں، جہاں ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو سب لوگ بیک وقت اور مَعاً پیدا کئے گئے تھے اور وہ اسی طرح دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔ اِس میں دوبارہ وضاحت کرنے کی ضرورت ہے یعنی قرآنِ کریم میں کائناتی رُوح کا نام نفس واحدہ ہے، نفس واحدہ اِس (sense) میں ہے کہ اُس کے اندر سب رُوحیں جمع ہیں، وہ ساری رُوحوں کو (cover) کرتی ہے اور اِس نفس واحدہ کے بارے میں جو آیت ہے اُس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ سب انسانوں کا پیدا ہونا اور مر کر دوبارہ زندہ ہو جانا نفس واحدہ کی طرح ہے، مثلاً اگر مان لیا جائے [کہ] ایک طرح سے انسان کو پیدا کیا گیا تھا اِس میں دو اعتبار ہیں۔ سب سے اُوپر کی بات یہ ہے کہ رُوح کی تخلیق نہیں ہے اور اُس کے نیچے جو دُوسرا پہلو ہے اُس کے لحاظ سے دیکھا جائے تو انسان نفس کُل کے ساتھ پیدا ہوا ہے سب لوگ، اور جو مر کر دوبارہ زندہ ہو جانا ہے وہ بھی اُسی نفس کُلّی میں ہے۔ آپ کو تعجّب ہوگا کہ میں نے دو قسم کی بات کی، ایک یہ بھی کہا کہ رُوح کے پیدا کئے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں اور دُوسرا یہ بھی کہا کہ جو کائناتی رُوح ہے اُس سے مل کر رُوح پیدا ہوئی ہے اور مر کر بھی انسان دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔ اِس میں تعجّب کی کوئی بات نہیں ہے کہ جو اعلیٰ حقیقتیں ہوتی ہیں اُن کے پہلو ہوتے ہیں جس طرح آپ نے کسی ڈائمنڈ کو یا کسی رُوبی کو یا کسی نگینے کو دیکھا ہوگا اُس کے مختلف رُخ ہوتے ہیں، مختلف پہلو ہوتے ہیں یعنی اُن کو مختلف اطراف سے کاٹا جاتا ہے، تو لعل و یاقوت اور گوہر کی تعریف یہ ہے کہ اُس کے پہلو ہوتے ہیں وہ پہلو دار شئ ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ جب علم و رُوحانیت میں آگے جائیں گے تو اُونچی حقیقتوں کو پہلو دار پائیں گے، پہلو دار، اُن کی تعریف مختلف اعتبارات سے مختلف ہوگی، مثلاً خدا کی تعریف سنئے، دو، تین، تعریف میں کروں گا، خدا ایک حقیقت ہے، خدا ایک قانون ہے، خدا تصوّرِ سبحانیت ہے پاکیزگی کا تصوّر ہے، اور خدا مونور یالزم ہے اور خدا وہ ہے جو جملہ مخلوقات پر خدا کا نمائندہ ہے، خدا آپ ہیں، خدا ہم ہیں۔ دیکھا ایک خدا کے بارے میں کتنی باتیں کہی گئیں اور اِن سب کے لئے یعنی دلیل ہے وہ سب ہی صحیح ہیں، یہ ایک ہی لعل کے پہلو ہیں اِس سے زیادہ بھی پہلو ہو سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم کو جب پیاس لگی تو انہوں نے سوال کیا کہ ہم کو پانی چاہیے، اپنے ربّ سے ہم کو پانی لائیے تو

خداوند نے حکم دیا اُس موقع پر اے موسیٰؑ اپنی لاٹھی سے اِس پتّھر کو مارو ، بارہ دفعہ مارا بارہ چشمے الگ الگ پیدا ہو گئے (۲:۶۰)،سوال یہ پیدا ہوتا ہے ایک بڑا سا چشمہ کیوں نہیں ہوا؟ بارہ چشمے کیوں ہوئے؟ اور قرآن میں یہ بھی ہے کہ ہر گروہ نے، ہر گروپ نے اپنے چشمے کو پہچان لیا، وہ بھاگے اور اپنے اپنے چشمے کے پاس آئے تو کس نے سکھایا کہ یہ چشمہ تمہارا ہے اور یہ (difference) کیوں، یہ اختلاف کیوں؟ وہ تعلیم تھی وہ علم تھا کیونکہ لوگ ایک جیسے نہیں ہو سکتے ہیں، ہر کسی کا شعوری (standard) مختلف ہوتا ہے ۔لہٰذا مختلف صلاحیتوں کی بنیاد پر علم کے بارہ درجے بتائے گئے، ایک اُس میں گروپ ایسا تھا کہ جس کو سب سے اُونچی تعلیم کی ضرورت تھی ، نچلی تعلیم اُس کے لئے مفید نہیں تھی کیونکہ اُس کا جو معیار تھا بہت اُونچا تھا، دُوسرا گروپ اُس کے نیچے تھا، تیسرا اُس کے نیچے تھا علیٰ ھٰذا القیاس، تو یہ علم کی بات ہے اگر سچ مچ دُنیا کا پانی ہوتا تو ایک ہی چشمہ ہونا چاہیئے نا، الگ الگ کیوں؟ تو وہ بارہ حجّت تھے اور اُس قوم کے اندر بارہ پیر، انہوں نے اُن کو بارہ قسم کی تعلیم دی، اسی طرح ابھی جو میں بات کرتا تھا تو یہ خدا کے متعلّق بھی درجہ بدرجہ آپ کو بتا دیا جائے گا ۔شروع شروع میں آپ کو یہ بتا دیا جائے گا کہ ایک خدا ہے جو موجودات سے الگ تھلگ ہے اور سب مخلوق اُسی سے پیدا ہوئی، پھر بعد میں آپ کو کوئی اور درس دیا جائے گا اِس طرح کرتے کرتے کرتے اخیر میں آپ کو بتا دیا جائے گا کہ مونو ریالزم ہے، یعنی یہ کہ سب حقیقتیں وہاں جمع ہوتی ہیں تو یہ اسماعیلی مذہب کی برکت ہے کہ یہاں لوگوں کے مختلف ذہنوں کے لئے تربیت ہوتی ہے، یہاں حقیقتوں کے خزانے کُھلتے ہیں اور یہاں رُوح کی شناخت ہوتی ہے ۔

میں بیان کر رہا تھا کہ ہر چیز کی تعریف الگ الگ ہوتی ہے اور میں لوٹتا ہوں، میں کہہ رہا تھا کہ کائناتی رُوح کے بارے میں یا رُوح کے بارے میں، میں نے دو قسم کی باتیں کیں، دو قسم کی باتیں کیں بہت ہی کم کیں میں نے، مجھے اور زیادہ باتیں کرنی چاہئیں ۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت امام جعفر الصادقؑ بیٹھے تھے ایک صحابی نے کوئی سوال کیا تو اُس سوال کا ایک طرح سے جواب دیا، تھوڑی دیر کے بعد امامؑ نے اُس صحابی کو اُسی مطلب میں دُوسرا بیان دیا پھر تیسرا بیان دیا، اُس صحابی کو حیرت ہوئی عرض کرنے لگا کہ یا حضرت ! ابھی تو آپ نے اِس سے پہلے کچھ اور کہا تھا، امامؑ نے فرمایا کہ میں ایک ہی چیز کے بارے میں سات قسم کا بیان دے سکتا ہوں ۔اُس کو تعجّب ہو گیا، عرض کیا کہ یا امامؑ سات؟ مولا نے فرمایا کہ ہاں ستّر، جب اُس کو حیرت ہوئی تو مولا نے اِس علم کو اور بڑھا دیا اور اُس کو حیرت میں ڈالا کہ میں سات نہیں بلکہ ستّر قسم کا بیان دے سکتا ہوں، یعنی ستّر قسم کی تاویل بتا سکتا ہوں، یہ ہے ۔

ہمارے پیروں کی جو تاویلات ہیں اُن میں جا کے دیکھیں گے تو بعض دفعہ اُن میں تضاد جیسا لگے گا، وہ اصل میں تضاد نہیں ہے وہ (تعلیم) ایک اُوپر کی اور ایک نیچے کی ہے، تا کہ لوگوں کو اُوپر لے جایا جائے یعنی پیروں کے گنانوں میں بھی گو کہ میں گنانوں کی کوئی مہارت نہیں رکھتا ہوں لیکن قانون جانتا ہوں، ضرور جانتا ہوں، دین کا جو قانون ہے، علم کا جو

اُصول ہے وہ میں جانتا ہوں، وہ یہ کہ قرآن ہو یا حدیث یا پیروں کے گنان، اُن کے اندر بعض دفعہ آپ کو کچھ تصادم سا، کچھ اختلاف سا نظر آئے گا، یہ واللہ اختلاف نہیں ہے یہ (steps) ہیں، اُس میں سے دیکھ لینا آپ، پہچان لینا کہ کون سا (step) اُوپر کا ہے اور کون سا (step) نچلا ہے، آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں، تو یہ اِس لئے ہے کہ مختلف انسان کیا ایک ہی انسان بھی یعنی زندگی میں مختلف (stages) سے اُوپر جا سکتا ہے یعنی یہ جو تعلیمات میں جو (stages) ہیں یہ لوگوں کے الگ الگ مزاجوں اور اُن کی الگ الگ ذہنیتوں کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی انسان اپنی زندگی میں مختلف مراحل سے گزر جاتا ہے اِس لئے علم کے درجے ہیں، تو آیئے واپس کہ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو رُوح کی خلقت ہی نہیں اُس کی پیدائش کا سوال ہی نہیں اور پھر اُس کے نیچے جو ہم آئیں گے اُس میں یہ ہے کہ بے شک انسان ایک طرح سے پیدا کیا گیا ہے وہ کب؟ یہ جو عالم گیر رُوح جس وقت پیدا ہوئی تو اُس کے ذرّات کی حیثیّت سے ہم اُس کے ساتھ پیدا ہوئے اور جب وہ عالم گیر رُوح (universal soul) اُوپر کے درجے میں جائے گی تو اُسی کے ساتھ ساتھ ہم بھی چونک جائیں گے اور ہماری قیامت برپا ہو جائے گی اور ہماری بھی ترقّی ہو گی، چونکہ ہم اُس کے ذرّات ہیں، جس طرح ابھی ایک فرد کی مثال میں بتایا نا ایک انسان کے اندر کتنے ذرّات ہیں تو نفس کُل کے بھی ذرّات ہیں ہم اُس کے ذرّات ہیں اُس کے اجزاء ہیں جب اُس کی ترقّی ہو گی تو لازمی طور پر ہماری بھی ترقّی ہو گی۔ اِس کے ساتھ یہ سوال بھی ختم ہوا۔

سوال نمبر ۲۹: انہوں نے پوچھا، بہت عمدہ سوال ہے آپ توجّہ فرمایئے، آپ کے جو آگے عبادت کا کورس ہے اِس سے (concern) ہے، ۲۹ نمبر کا سوال ہے مطالعۂ قرآن (۴:۱۷۱) سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کا کلمہ تھے، خدا کا (word) تھے جو بی بی مریمؑ میں القاء کیا گیا وہ جو کلمہ تھے جو (word) تھے، بی بی مریمؑ میں منتقل ہو گیا خدا نے وہ کلمہ بی بی مریمؑ کو دیا اور خدا کی طرف سے ایک خاص رُوح تھے، وہ کلمہ بھی تھے، کلمہ (word) کو کہتے ہیں اور رُوح بھی تھے، اِس میں پوچھنا یہ ہے کہ آپ کس طرح کلمہ تھے، کس طرح کلمہ تھے؟ اور کون سا کلمہ تھے؟ نیز یہ کہ کلمہ اور رُوح میں کیا مناسبت ہے یعنی کیا رشتہ ہے اور یہ رُوح کون سی تھی یہ سوالات ہیں۔

جواب: اِس کی حکمت یوں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جسمانی پیدائش سے قبل رُوحانی طور پر کلمۂ خدا تھے، جو اسمِ اعظم ہے، تو حضرت عیسیٰؑ اپنے وقت میں اسمِ اعظم تھے، جس طرح ہم اپنے وقت میں امام کو اسمِ اعظم مانتے ہیں اسمِ اعظم وہ نہیں ہے جو لفظوں میں ہے۔ اسمِ اعظم یہ ہے جو زندہ ہے اور وہ لفظی اسمِ اعظم اسی زندہ اسمِ اعظم کی بدولت کچھ کام کر سکتا ہے، نہیں تو نہیں تو اسی طرح حضرت عیسیٰؑ اپنے وقت میں اسمِ اعظم تھے، اسمِ اعظم تھے، کلمہ تھے اور چونکہ وہ اسمِ اعظم ایک رُوح بھی ہے تو یہ اسمِ اعظم یا کہ کلمہ اور رُوح مریمؑ میں ڈالی گئی، کس طرح ڈالی گئی؟ یہ کہ زمانے کے امام نے یا پیغمبر نے مریمؑ کو بول دیا، جیسے

ہی بول دیا تو وہ بول (word) ہے، وہ بول کلمہ ہے، وہ بول رُوح ہے اور اِسی بول کے متعلّق قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ خدا نے مریم میں رُوح پھونکی۔ اِس طرح نہیں پھونکی جس طرح لوگ سمجھتے ہیں، رُوح پھونکنا کلمہ دینا ہے (word) دینا ہے، رُوح پھونکنا اسم دینا ہے، بول دینا ہے، مریم کو بول دیا گیا تو اُس میں گویا رُوح پھونکی گئی، اور دُوسری بات یہ ہے کہ جاننا چاہیئے کہ ہر پیغمبر کے اندر بول ہوتا ہے اور وہ بول ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو اُس کا باپ، ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو اُس کا بیٹا، ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ پیغمبر، ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ امام۔ پھر سے مجھے کہنے کی اجازت ہو بہت عمدہ چیز ہے، مریمؑ میں جو رُوحِ قدوس آئی عیسیٰؑ کے عنوان سے آئی، مریمؑ میں جو بول تھا وہ عیسیٰؑ تھا، وہی مریمؑ میں بولتا تھا اُسی سے مریمؑ درجۂ کمال کو پہنچی اور اُسی سے عیسیٰؑ پیدا ہوا، ایک یہ بات اور علیؑ میں کیسا نور تھا؟ محمدؐ میں کیسا نور تھا؟ چلیئے پہلے محمدؐ کی بات کریں، محمدؐ میں نور اسمِ اعظم تھا ایک پہلو، دُوسرا پہلو یہ اسمِ اعظم زمانے کا امامؑ تھا دو پہلو، اور پھر ایک لحاظ سے وہ ابو طالبؑ تھے تین پہلو، اور ایک لحاظ سے وہ نور خدا تھا چار پہلو، اور ایک لحاظ سے وہ خود محمدؐ تھے پانچ پہلو، اور ایک لحاظ سے وہ نور ہونے والا امامؑ تھا چھ پہلو، نور ایسا ہی بتاتا ہے، اُس کے اندر یہ سب گنجائش ہے چونکہ مونور یا لزم ہے۔

آپ کے اندر جب نور آئے گا تو نور آپ کو کیا بتائے گا وہ ایک دفعہ بولے گا کہ میں اسمِ اعظم ہوں جو زندہ ہوں، اور ایک دفعہ بولے گا کہ میں علیؑ ہوں، پھر کبھی بولے گا کہ میں خدا ہوں، پھر کبھی بولے گا کہ میں امام ہوں، پھر بولے گا کہ میں تیری رُوح ہوں، پھر کبھی بولے گا کہ تیرا ہونے والا بیٹا ہوں، یہ ایسا یعنی بیٹا ہوگا، پھر کبھی یہ بھی ہوگا کہ پیر کا نام لیا جائے گا علیٰ ھٰذا القیاس۔ یہ پہلو ہیں جن پہلوؤں پر ہم نے روشنی ڈالی تھی، ایک ڈائمنڈ ہے لعل ہے اُس کے پہلو ہوتے ہیں، تو اسی طرح مریمؑ میں جو کلمہ تھا وہ عیسیٰؑ تھا، اور عیسیٰؑ کلمہ تھا، آپ یوحنا کی انجیل کو بھی ذرا دیکھئے، یوحنا کی انجیل کے اندر جو کچھ ہے میں نے ''پیر ناصرِ خسرو اور رُوحانیت (ص:۴۵)'' کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب میں لکھا ہے، انجیل آپ کے پاس ہے تو دیکھئے۔ بہت دلچسپ بات ہے اُس میں بھی بول کی بات ہے، بول آج سے نہیں ہے یہ ازل سے ہے، سب سے پہلے چوٹی پر یوحنا کی نجیل میں بول کا ذکر آتا ہے، کہ ایک کلمہ تھا سب سے پہلے وہ کلمہ نور تھا اُس میں سب لوگوں کی زندگی تھی اور اُس میں روشنی تھی اور وہ کلمہ خدا تھا، اِس طرح سے، تو بی بی مریمؑ میں اِس طرح سے رُوح پھونکی گئی کہ اُس میں اُس کو بول دیا گیا اور اُس بول کے اندر زمانے کا پیغمبر تھا اور موجودہ وقت میں بول کے اندر امام ہوتا ہے اور وہی علیؑ ہوتا ہے، وہی پیغمبر ہوتا ہے، وہی خدا ہوتا ہے، وہی آپ کی رُوح ہے، وہی بول بھی ہے اور وہی ہونے والا اور مستقبل کا امام بھی ہے، اُس میں سب پہلو آتے ہیں اِسی کے ساتھ یہ سوال جو ہے ختم ہوگیا۔

سوال: پوچھا کہ ماں کے پیٹ میں جو بچّہ ہوتا ہے اُس کو غذا تو ناف کی راہ سے ملتی رہتی ہے اور جو اعلیٰ رُوح ہے

وہ تو کان کے ذریعے سے آتی ہے، لیکن حضرت عیسیٰؑ شکمِ مادر میں کس طرح سے آئے؟

جواب: ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ ذرا دلچسپ سوال ہے اور دیکھئے کہ "عیسیٰ"، جس حقیقت کو ہم پکارتے ہیں وہ حقیقت رُوحِ نباتی بھی نہیں ہے، رُوحِ حیوانی بھی نہیں ہے، وہ جسم بھی نہیں ہے، عیسیٰؑ جو صحیح معنوں میں عیسیٰؑ ہے وہ اعلیٰ رُوح ہے تو عیسیٰؑ کے جسم کی تخلیق بے شک ماں کے پیٹ میں ہوئی تھی۔ اُس میں تو رُوحِ نباتی اور پھر رُوحِ حیوانی کی تکمیل ہوئی تھی، لیکن عیسیٰؑ اپنی اصلیت میں جو اپنی ماں کے اندر منتقل ہوا تھا وہ کان کی راہ سے منتقل ہوا تھا، اور بول کی صورت میں منتقل ہوا تھا یہ عیسیٰؑ تھا۔ میں اِس مقام پر ایک عمدہ سی مثال پیش کروں آپ کے باغ میں ایک درخت ہے وہ درخت کچھ اچھا پھل دینے والا نہیں ہے لیکن اچھا ہے کہ وہ تناور ہو چکا ہے، آپ اُس کے اندر گرافٹ کرتے ہیں پیوند لگاتے ہیں، اچھا ہے کہ پیوند لگانے میں ایک تیار درخت میں آپ نے ایک پیوند لگایا تو آپ کو وہ اصل پھل ملے گا، اِس طرح جو ہماری اصلیت ہے وہ کان کی راہ سے آتی ہے، امامؑ کا فرزند جو ہے وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے کوئی شک نہیں، لیکن نور کی منتقلی کس راہ سے ہوتی ہے؟ جب امامؑ کا فرزند دُنیا میں پیدا ہوتا ہے اُس میں شعور آتا ہے تو تب اسپیشل نورانی تعلیم امام دیتا ہے اور کچھ مدّت کے بعد کان کی راہ سے وہ نور صرف کان کی راہ سے منتقل ہو جاتا ہے گو کہ امامؑ پاک ہے اور بنیاد سے پاک ہے اور اُس کی شخصیّت بھی پاک ہے اور پیغمبر نے کئی حدیثوں میں یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ ہم نور تھے اپنی ایک پاک پشت سے ایک پاک بطن [میں] ہوتے ہوئے یہاں تک آئے لیکن چیز نور میں (include) ہے اصل نور کا مرکز وہ ہے جو زبان سے کان میں منتقل ہوتا ہے یہ نور ہے۔

ایک اور مثال لیجئے زمانۂ قدیم میں ایک چراغ کے نام سے کوئی ظرف تھا اُس میں تیل ڈالا جاتا تھا وہ برتن یا لوہے کا ہوتا تھا یا پتّھر کا ہوتا تھا یا مٹّی کا ہوتا تھا ابھی اُس کے نمونے ملتے ہیں تو اُس میں تیل اور پھر بتّی اور پھر شعلہ تب ہی اُس سے روشنی ہوتی تھی لیکن آپ اُس ساری چیز کو چراغ کہہ سکتے ہیں۔ اُس میں ظرف، برتن وہ بھی چراغ کے نام میں شامل ہے، امام کو جب آپ نور کہتے ہیں تو نور کی ایک خاصیت ہے یہ اُس خاصیت کی وجہ سے امام کی جو شخصیّت ہے تو وہ بھی اِس میں (include) ہو جاتی ہے لیکن اِس کے باوجود اگر ہم تجزیہ کریں تو ہم کو اِس کا یقین ہو جائے گا کہ نور کی منتقلی کان کی راہ سے ہے تو آپ کا یہ سوال تھا۔

سوال نمبر ۳۰: انہوں نے پوچھا ۳۰ قرآن کریم (۹:۳۲) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک رُوح آدمؑ میں پھونک دی آیا یہ کوئی الگ طریقہ تھا یا اسمِ بزرگ کی تعلیم دینا ہی رُوح القدس پھونک دینا تھا؟ یہ انہوں نے سوال کیا ہے۔

جواب: ہم نے کتاب پیر ناصرِ خسرو اور رُوحانیت [صفحہ نمبر ۱۲] میں تفصیل سے اِس کا ذکر کیا ہے کہ ربّ العزّت نے اپنی رُوح حضرت آدمؑ میں اِس طرح پھونک دی تھی کہ اُس حکمت والے نے آدم صفی اللہ کو اسمِ اعظم کی تعلیمات سے سرفراز فرمایا اور کُل اسماء کا علم بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ خدا نے اپنی رُوح آدم میں پھونکی اِس طرح نہیں پھونکی جس طرح عام عوام سمجھتے ہیں، تو خدا کا کام حکمت سے ہے کوئی عامیانہ کام نہیں ہے لہٰذا خدا کا آدمؑ میں رُوح پھونکنا یہ تھا کہ اُس نے آدمؑ کو بول دیا اور خدا کا حضرت آدمؑ کو علم الاسماء سکھانا بھی یہی تھا کہ خدا نے اُس کو بول دیا، تو بول کے اندر سب کچھ تھا اور علم الاسماء سے سرفراز فرمایا، علم الاسماء کا مطلب ایک ہی اسمِ اعظم دیا اور اُس کی بدولت دُوسرے اسمِ اعظم دُوسرے اسمائے اعظم اُس کے سامنے آئے اور قدرتی طور پر اُس کو علم ملا اور میرے خیال میں اتنے سوالات کافی ہیں اور ہم نے تیس تک کیا اور اکتیس جو ہے رہتا ہے دُوسرے سوالات کے ساتھ ملا کر دوسری دفعہ کریں گے۔ اب کچھ اور۔

سوال: انہوں نے پوچھا قرآن کے حوالے سے آیت میں ہے کہ عیسیٰؑ کی پیدائش بھی آدمؑ کی پیدائش کی طرح ہے لیکن انہوں نے کہا کہ اِس میں ہم اِس بیان سے فرق پاتے ہیں کہ یہاں تو عیسیٰؑ کو شروع ہی سے بول قرار دیا اور اُس کو کلمہ بنایا لیکن آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد یہ سب کچھ ہوا، ان کا یہ سوال بہت ہی مناسب اور علمی قسم کا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ جب عیسیٰؑ کلمہ تھے تو وہ کلمہ ضرور تھے اپنی ماں کے لئے لیکن جب عیسیٰؑ پیدا ہو گئے تو یقیناً یہ شعور یہ یادداشت حضرت عیسیٰؑ کو نہیں تھی، یہ تو خدا کی نظر میں یہ بات تھی اور مریمؑ ایسا جانتی تھی لیکن ابھی عیسیٰؑ کو اِس کی کوئی خبر نہیں تھی وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا، جب پیدا ہو گیا اور جب سنِ شعور کو آیا تو اُس کو اُسی طرح تعلیم ملی اور ایسا اسمِ اعظم بھی ملا اُس کو جس طرح کہ سب انبیاء کو اور دُوسرے مومنین کو ملتا ہے۔ یہ جو بات کہی گئی ہے یہ صرف مریمؑ کی نسبت سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ آدمؑ بھی پیدا ہونے سے پہلے اگلے نبی میں اور اگلے امام میں نور کی حیثیّت سے نظر آیا ہو، جیسا کہ ابھی ہم نے ایک اُصولی بات کی تھی اور اُصولی بات یہ تھی کہ نور کبھی کہتا ہے کہ میں خدا ہوں، کبھی کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں، کبھی کہتا ہے کہ میں امام ہوں، کبھی کہتا ہے کہ تیرا ہونے والا بیٹا ہوں، جب وہ ہمارے بیٹے کی بات کرتا ہے اور بیٹا پیدا ہوتا ہے تو اُس کو تھوڑی یہ یادداشت ہوتی ہے کہ ہمارے دماغ میں جو کچھ اُس کے متعلّق بات ہوئی تھی اُس سے وہ باخبر نہیں ہوتا ہے یہ تو رُوحانیت کی بات ہوتی ہے۔ اِس جیسی اور بات میں کروں "الست" میں ہم سب نے خدا کے سامنے جو اقرار کیا وہ تو خدا ہی اِس کا (interpret) کرتا ہے ہم کو اِس کی یادداشت تھوڑی ہے، اور حالانکہ یہ بات صحیح ہے "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" (۷:۱۷۲)۔ خدا نے ہماری رُوحوں سے پوچھا آیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ "قَالُوْا بَلٰى" (۷:۱۷۲)۔ ہم سب نے مل کر کہا، ہاں! تو ہمارا یہ

ہاں کہنا کہاں یاد ہے؟ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے ہم تو کہہ چکے اب ہم اِس کو نہیں جانتے ہیں وہ ایک حقیقت ہے، اسی طرح عیسیٰ ؑ جس طرح اپنی ماں کے حق میں کلمہ تھے، عیسیٰ ؑ جس طرح اپنی ماں کے لئے رُوح القدوس تھے یہ تو بالکل صحیح ہے لیکن عیسیٰ ؑ ابھی عام طور سے پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک بچّہ پیدا ہوتا ہے اور بچّہ پیدا ہونے کے بعد اپنے وقت میں اُس کو تعلیم ملتی ہے اُس کے وقت میں کوئی پیغمبر ہوتا ہے کوئی امام ہوتا ہے۔

مستند کتابیں دکھاؤں گا کہ عیسیٰ ؑ کے باپ تھے اُس کا نام ہے وہ یوسف نجّار، نجّار یعنی بڑھئیے کو کہتے ہیں، لیکن یوسف نجّار کوئی معمولی آدمی نہیں تھے وہ بہت بڑی ہستی تھے امامؑ اور پیغمبرؑ (level) کے تھے، کچھ لوگ کہتے ہیں اسماعیلی شجرے کے مطابق وہ امام تھے، وہ ضرور امام، پیغمبر یا اِس کے بعد کے کوئی درجے میں تھے، تو اُس کے بارے میں کیا ہوا اُس کے بارے میں کچھ نہیں ہوا یہود کے وہاں کچھ رُسومات تھیں سختی تھی، پابندی تھی، شادی پہ، اِس پہ، اُس پہ تو مریمؑ نے خدا کے حکم سے ایک شریعتی انقلاب لایا تھا اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی لیکن خدا کے منشاء کے مطابق اُس نے اصلاح کی تھی اور (revolution) لایا تھا۔ اسی وجہ سے اُس کے ساتھ لوگوں کی دشمنی ہوئی، یہودیوں کی دشمنی ہوئی اور اُس نے بڑا جرأت مندانہ اقدام کیا تھا کہ اُس نے اُن کی روایت کے خلاف یوسف نجّار سے نکاح کیا تھا تو جس کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ ؑ پیدا ہوئے اور حضرت آدمؑ کے بھی ماں باپ تھے۔

اِس مقام پر ایک اور چیز کو لیجئے میں آپ کو ایک بہت سنہری اُصول دے دوں گا اِس کو آپ مضبوطی سے لینا، خدا فرماتا ہے کہ میری عادت میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی ہے (۳۰:۳۰)۔ یہ دین کی بنیادی چیزوں کی طرف اشارہ ہے، سطحی چیزوں کے لئے نہیں ہے یہ بنیادی قوانین کے لئے ہے اور سب سے پہلے یعنی انسان کی پیدائش کی طرف اِس میں اشارہ ہے، اگر خدا کی عادت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے تو ذرا ظاہری بات کریں اور ظاہری لوگوں کی طرف جا کے پھر سوال اُٹھائیں، اگر خدا کی عادت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے تو اُس میں حضرت آدمؑ کو ماں باپ کے بغیر مٹّی کے پُتلے سے پیدا کیوں کیا؟ پھر اُس کے بعد جو دُوسرے انسانوں کو پیدا کیا اُن کو ماں باپ سے کیوں پیدا کیا؟ تو خدا کی اِس میں دو عادتیں ہوگئیں، ایک عادت آدم کے متعلّق اور ایک عادت دُوسرے سب انسانوں کے متعلّق، خدا کی تعلیم حکمت کی زبان جاننے سے ملتی ہے یہ کہ جو خدا فرماتا ہے کہ میری عادت میں تبدیلی نہیں ہے، تو وہ اِس چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سب لوگ ایک جیسے پیدا ہو گئے، سب کے ماں باپ ہیں اور ایسے کلیّے، ایسے فارمولے قرآن کے اندر بہت ہیں، خدا کی عادت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے تو یہ خضرؑ اب تک زندہ کیوں ہے؟ لوگوں کے بقول، کچھ تو مرتے ہیں اور کچھ تو ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں یہ کیا بات ہے؟ لیکن یہ حقیقت نہیں ہے، کوئی زندہ ہے تو رُوحانی طور پر زندہ ہے کوئی آبِ حیات ہے تو معرفت ہی آبِ حیات ہے تو ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو کہ خدا کی عادت کی روشنی میں دیکھنے سے سب باتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ اور

کوئی ایسا اہم سوال ہے۔

سوال: [حضرت آدمؑ کو جلالی فرشتوں نے سجدہ کیا تھا یا جمالی فرشتوں نے؟]

جواب: انہوں نے بہت اچھا سوال کیا یہ سوال ہے کہ ان کے کہنے کے مطابق فرشتے جو ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک جلالی فرشتے ہوتے ہیں، بزرگ، عظیم الشان جیسے عقلِ کُل ہے، نفس کُل ہے، جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل وغیرہ اور دُوسرے جمالی فرشتے ہوتے ہیں چھوٹے چھوٹے فرشتے، آپ کے اندر جمالی فرشتے بھرے ہوئے ہیں یعنی یہ جو ذرّات کا میں بار بار ذکر کرتا ہوں یہ ذرّات سب، آپ کے اندر جتنی رُوحیں ہیں یہ سب فرشتے ہیں۔ دیکھیں! اگر ہم مانیں کہ آدمؑ کو جلالی فرشتوں نے سجدہ کیا اور آدمؑ نے جلالی فرشتوں کو تعلیم دی تو اِس کا (result) یوں نکلے گا کہ گویا کہ آدمؑ سے پہلے نہ تو جبرائیل تھا، نہ میکائیل، نہ عقلِ کُل، نہ نفسِ کُل تو پھر یہ خدا کی خداوندی کیسی تھی، یہ بات نہیں ہے۔ آدمؑ کے معاملے میں جو کچھ ہوا وہ یہاں ہوا اِس شخصیّت کے اندر ہوا، اور خدا اِس چیز کو اِس لئے اہمیت دے کر وہاں نمونے کے طور پر رکھتا ہے تاکہ کل کو آپ عبادت کریں گے، بندگی کریں گے، تو وہی چیز آپ کے سامنے آئے گی جو آدمؑ کے سامنے آئی تھی، نہیں تو اگر یہ طریقہ انوکھا ہو، نرالا ہو، اور (untouched) ہو اور جس کو ہم رسا نہیں ہو سکتے ہوں تو اِس کو قرآن میں رکھنے سے کیا فائدہ؟ قرآن میں جو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں جو آپ کے سامنے کل کو آنے والی ہیں، رُوحانیت کے رستے میں چلیں گے تو وہ ایک ایک ہو کر سب انبیاء کی مثالیں آپ کے سامنے آئیں گی، تو آپ کے اندر ایک دُنیا ہے۔ اِس دنیا کے اندر آپ نے رُوحوں کو تعلیم دینی ہے وہ رُوحیں آپ کی اپنی بھی ہیں اور باہر کی بھی ہیں، کیوں تعلیم دیں گے؟ آپ نے ایک کائنات بنائی ہے اپنے لئے، ایک (kingdom)، ایک سلطنت، ایک شاہنشاہیت بنانی ہے تاکہ کل کو یہ آپ کی ہو جائے گی تو مزہ آئے گا، آپ ایک باغیچہ بناتے ہیں یہ اچھا یا یہ کہ کسی دوست کے باغیچے میں آپ فخر کرتے ہیں یہ اچھا، وہ کم ہے یا زیادہ ہے تو بہشت آپ کے ہاتھ سے تعمیر ہوگی لہٰذا آدمؑ کا جو قصّہ ہے وہ شخصی دُنیا کا قصّہ ہے عالمِ نفسی، عالمِ صغیر کی بات ہے تو ابلیس بھی یہاں تھا، اِس شخصی دُنیا میں فرشتے بھی تھے تو جب قیامت برپا ہوتی ہے تو اِس میں دو قسم کی رُوحیں حاضر ہو جاتی ہیں، ایک یہ کہ ہمارے اندر کھربوں کی تعداد میں (cells) کے اندر رُوحیں خوابیدہ ہیں، سوئی ہوئی ہیں، ایک یہ کہ کائنات بھر کی رُوحیں آتی ہیں۔

آپ کے پاس جب اسرافیل صور بجائے گا تو: ''وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ'' (۳۶:۵۱)۔ جب اسرافیل صور پھونکے گا تو قبروں سے لوگ اُٹھ اُٹھ کے بھاگیں گے ربّ کی طرف، تو ربّ کہاں ہے؟ ربّ کا، پروردگار کا کوئی سینٹر ہے کوئی بنگلہ ہے یا آسمان میں جانا ہے ربّ وہاں ہے جہاں پر اسمِ اعظم ہے، ربّ اسمِ اعظم ہے یعنی دُنیا والوں کی (feeding) کرتا ہے تو اِس (feeding) کے پیچھے دُنیا والوں کی رُوحیں آپ کے

پاس جمع ہو جائیں گی۔آپ میں اسمِ اعظم بولتا ہے پروردگار بولتا ہے تو یہ اسمِ اعظم پروردگار کا نمائندہ ہے، یہ نور ہے۔آپ میں باہر کی رُوحیں آئیں گی اور جو اپنی رُوحیں اندر ہیں وہ دونوں بیدار ہو جائیں گی پھر قیامت برپا ہونے کے بعد آپ اُن کو اسمِ اعظم کی تعلیم دے دیں گے، آپ کے اندر وہ ''الست'' کا واقعہ ہوگا، کیا ہوگا؟ ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُم ''(۷:۱۷۲)۔کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ کسی بھی حکمت کی زبان میں اللہ آپ کے اندر یہ کہے گا کن سے کہا ہے؟ یہ جتنی رُوحیں آپ میں جمع ہوئی ہیں اور اُن پر ظہور ہو گیا ہے اُن کو ''اَیّام اللہ ''(۱۴:۴۵) کہتے ہیں، خدا کے دن ہیں وہ خدا کے اسپیشل دن ہیں اُن رُوحوں کے لئے اسپیشل وقت ہے تو اُن کے سامنے یہ ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُم '' کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ اُن ذرّات سے اُن رُوحوں سے پوچھا جائے گا تو وہ رُوحیں رُوحانی زبان سے اقرار کریں گی تا کہ کل کو جب آپ کی بڑی قیامت برپا ہوگی تو سب یہ رُوحیں جن کو آپ نے تربیت دی تھی جن کو آپ نے تعلیم دی تھی، جن کو آپ نے اسمِ اعظم سے متعارف کیا تھا، جو بھاگتے بھاگتے قبروں سے اُٹھ اُٹھ کے آپ کے پاس آئی تھیں وہ سب رُوحیں کل کو آپ کے سامنے آپ کی بادشاہی قائم کرنے کے لئے سب حاضر ہو جائیں گی، حاضر ہونے کے بعد پھر اُن کو وہ واقعہ اُدھر یاد آئے گا کہ کہاں انہوں نے اقرار کیا تھا؟ کدھر اُن کو نور کی جھلک نظر آئی تھی؟ کس میں دیدار ملا تھا؟ تو یہ کس کے بچّے ہیں؟ وغیرہ۔اُن کو یہ سب باتیں یاد آئیں گی اور جہاں قبروں کا سوال ہوتا ہے تو یہ سوئی ہوئی رُوحوں کے بارے میں [ہے]۔یہ شخصیّت اور ہر شخصیّت قبرستان ہے اور لوگ اُن سوئی ہوئی رُوحوں کے لئے جن کے (cells) میں لاکھوں نہیں اربوں کھربوں کے حساب سے جو رُوحیں سوئی ہوئی ہیں اُن کے حق میں بڑی بڑی قبرستانیں ہیں، اِن ہی میں سے صورِ اسرافیل کے بجتے ہوئے ذرّات بھاگتے بھاگتے وہاں جاتے ہیں جہاں پر ایک انفرادی قیامت برپا ہوئی ہے تو یہ ہے کہ جلالی فرشتوں نے نہیں جمالی فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔

وہ اِس طرح نہیں جس طرح یہ ہے، وہ تابعداری کے (sense) میں ہے۔آپ بزرگانِ دین کی کتابوں کو پڑھیں گے اور رُوحانیت میں جائیں گے آپ کو پتا چلے گا اور یقین آئے گا کہ: ''فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ ''(۲۹:۱۵)۔تو خدا نے کیوں فرمایا تو اُس کو سجدہ کرتے ہوئے گر جانا، سجدہ کرنا ایک اور گر جانا دو، کیا سجدہ کرنا جھکنا نہیں ہے؟ اِس میں مکمل معنیٰ نہیں ہیں؟ اور پھر گرنا کیوں؟ خدا کی کتاب حکمت کی کتاب ہے اُس میں ایک ذرّہ ضرورت سے زیادہ نہیں ہے، گرامر کے لحاظ سے صَرف ونحو کے لحاظ سے اور ڈکشنری کے لحاظ سے، تو خدا جب فرماتا ہے: ''فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ ''(۲۹:۱۵)۔اُس کو سجدہ کرتے ہوئے گر جانا، کوئی آدمی اِس شرعی سجدے میں گرتا نہیں ہے اُس کو گرنا نہیں کہتے ہیں، جھکنا کہتے ہیں، گرنا یعنی کہ جہاں ہمارے قدموں میں لغزش آتی ہے تو گرتے ہیں تو یہ گرنا ہے، اور یہ اِس لئے ہے یہ جو فرشتے ہیں وہ ذرّات کی شکل میں تھے وہ ذرّات آتے ہیں ہماری ہستی کے اندر گر جاتے ہیں، جس طرح برف پڑتی ہے، بارش برستی ہے اور ذرّات

گرتے ہیں اسی طرح وہ فرشتے گر رہے تھے۔ وہ آدمی کی شکل میں ایسے گھٹنے ٹیک کر سجدہ کرنا نہیں۔ ابلیس کا واقعہ ایسا ہے کہ دُنیا، زمانے میں ہر شخص کے لحاظ سے کوئی ابلیس ہوتا ہے ایک اور انسان کے اندر ایک انکار کی قوّت بھی ہوتی ہے دو اور ابلیس قانون میں بھی کوئی رُوحانی چیز بھی ہوتی ہے یہ تین آپس میں ملتی ہیں۔ مثلاً مانیے کہ ہمارے اندر جتنی قوّتیں ہیں جو (qualities) ہیں، جو (abilities) ہیں، وہ سب یکسان نہیں ہیں تو اُن میں سے ایک قوّت ایسی بھی ہے جو کہ ہمیشہ انکار پر تُلی رہتی ہے وہ ابلیس ہے، ایک دن آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر شخص کا انفرادی (individual) ایک شیطان ہے، تو اُس وقت لوگ جرأت سے پوچھا کرتے تھے عرض کیا کہ یا حضرتؐ! اگر بات یوں ہے تو آپ کا بھی کوئی ذاتی شیطان ہوگا تو حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! لیکن میرے ربّ کی مدد سے وہ میرے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا تو اِس میں کچھ لوگ نفس امّارہ مُراد لیتے ہیں اور کچھ لوگ اِس سے قوتِ واہمہ مُراد لیتے ہیں، قوّتِ واہمہ ایک قوّت ہے انسان کے اندر اُس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اَن دیکھی چیز کو بھی (suppose) کر سکتی ہے وہ قوّتِ واہمہ ہے وہ بڑی زبردست طاقت ہے اگر اُس کو (use) کریں تو بہت کام دیتی ہے۔

ایک مجھے بہت عمدہ بات یاد آئی چونکہ اب اچھی مجلس جارہی ہے، دُنیا کے اندر جو سب سے سخت زہر ہے اُس کو (convert) کریں یعنی اُس میں اصلاح کریں تو سب سے بہترین دوائیاں اُسی سے بنتی ہیں کیونکہ اُس کے اندر (effect) ہے، تاثیر ہے اسی طرح انسان کے اندر جو بدترین قوّت ہے اگر اُس کی اصلاح کی جائے تو وہ زبردست ایک مفید صلاحیت بنتی ہے، اگر ابلیس کو مسلمان بنایا جائے تو کیا کہنا تو بہت کام بن سکتا ہے۔ بہت کام بن سکتا ہے۔ اِس فتح کے علاوہ یعنی اُس ظالم دشمن کے نہ ہونے سے جو فتح ہوتی ہے وہ تو الگ بات ہے لیکن اُس کے غلام بننے سے جو کام بنتا ہے وہ بے مثال ہے تو قوّتِ واہمہ یا کہ نفس امّارہ جو ہے اِس کو بنایا جائے، اِس کی اصلاح کی جائے تو اِس میں بہت زبردست فائدہ ہوتا ہے جس طرح دُنیا کے اندر زہر ہے تو بہت ساری دوائیاں اِس زہر کو (convert) کر کے اِس کی اصلاح کر کے، اور ایسی بہت سی جڑی بوٹیاں ہیں جو بہت ہی سخت ہیں اُن کے اندر اثر ہے یا تیز بو ہے یا تیز ذائقہ ہے اور اُس میں ہلاکت آفرینی ہے اُس میں مار ڈالنے کی قوّت ہے ہلاکت کی قوّت ہے لیکن اُس قوّت کو جو انسان کو ہلاک کرتی تھی اُس کو تھوڑا سا تبدیل کر کے جراثیم کو مارنے کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اسی طرح انسان کے اندر غصّہ ہے اِس کی اصلاح کرنے سے اِس کو صحیح معنوں میں (use) کرنے سے اِس سے دین کی غیرت پیدا ہوتی ہے، نفس کے خلاف اِس سے ایک ہتھیار بنایا جاسکتا ہے، تو خداوندِ عالم نے جو چیز بنائی ہے وہ دو قسم [میں]، دو (division) میں ہے، ایک حصّہ اچھا ہے اور ایک حصّہ اصلاح کے لئے ہے۔ جو حصّہ اچھا ہے وہ تو اچھا ہے جو حصّہ ہماری اصلاح کے لئے ہے تو اگر ہم اُس کو اصلاح کر سکیں تو بہت اچھی بات ہے۔

مثنوی میں ایک مثال ہے وہ یاد آئی کہیں کوئی جہاد تھا تو غازی لوگ وہاں جا کے بہت جہاد کر کے کامیابی کے ساتھ آئے اور ایک صوفی تھا اُن کے درمیان تو وہ غازی بڑی شکر گزاری کے ساتھ خوشی کے ساتھ آئے تو یہ صوفی اُس سے بہت ناخوش ہو گیا اُس نے یوں سمجھا کہ مجھے تلوار مارنے کے لئے موقع نہیں دیا گیا مجھے جہاد کی جو فضیلت ہے حاصل نہیں ہوئی تو بہت تنگ ہو گیا تو یہ مجبور ہو گئے۔ ایک کافر تھا جو بندھا ہوا تھا اُس کے ہاتھ پشت پہ بندھے ہوئے تھے تو آخر جو یاران تھے وہ تنگ آ گئے اور اِس صوفی سے کہا چلو وہ ایک کافر اُدھر ہے بندھا ہوا ہے اُس کو کاٹو تو وہ بندھا ہوا جو قیدی تھا اُس کو کاٹنے کے لئے گیا، مارنے کے لئے ہاتھ میں تلوار [اُٹھائی] اُس کافر نے جیسے ہی آنکھیں دکھائیں اور جو غصّہ کیا تو اِس سے یہ کانپ گیا اور تلوار اِس کے ہاتھ سے گر گئی اور جو اُس نے دانتوں سے اُس کو کاٹا اور خون خون کر دیا تو اِس سے وہ مثال دیتے ہیں کہ نفس امّارہ جو ہے ہمارے اندر بندھا ہوا کافر ہے اور بزدلی یہ ہے کہ صوفی کی طرح ہم اُس کو کچھ نہیں کر سکتے ہیں حالانکہ وہ نفس ایک طرح سے دیکھا جائے تو بے دست و پا ہے ہمارے اندر بہت قوّت ہے ہمارے میں تلوار ہے لیکن ہم اُس صوفی جیسی حسرت تو کرتے ہیں لیکن غازیوں کی طرح ہم سے کچھ نہیں ہوتا ہے اور وہ جو باندھا ہوا نفس ہے اپنے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر ہم کو لہو ولہان کر دیتا ہے [مثنویِ مولانا رومیؒ، دفتر: چہارم، شعر نمبر ۳۷۳۷ تا ۳۷۶۷]۔

ہر کسی کی ایک الگ یا مخصوص زبان ہوتی ہے اور اندازِ بیان الگ ہوتا ہے اور طریقِ کار الگ ہوتا ہے، لہٰذا اِس مجلس سے اُن حضرات کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوگا جو ہمارے صدر کے بقول مسلسل آئیں اور چند دفعہ آنے سے ایک بات سمجھ میں آئے گی یا ابھی وہ زبان سمجھنے کے مراحل میں ہوں گے، اصطلاحات اور الفاظ کو یا لہجے کو، لیکن نہ آئیں تو پھر اِس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، آئیں مسلسل آئیں اور کچھ عرصے تک اِس خانۂ حکمت سے یا اِس مجلس سے وابستہ رہیں تو پھر دیکھ لینا اور اگر آپ کو علمی طور پر فائدہ نہیں ہوتا ہے تو کہنا کہ یہ لوگ مجلس والے اور اِس کے چلانے والے کیسے جھوٹے ہیں، لیکن مجھے یقین ہے اور بھروسہ ہے اِس لئے کہا کہ کچھ عرصے تک آپ اِس مجلس سے وابستہ ہوں گے کتابیں پڑھیں گے، مقالے پڑھیں گے، سوال و جواب کریں گے تو سو فیصد یقین ہے کہ آپ علمی طور پر بہت ترقّی کریں گے اور کچھ ہمارے عزیزان اِس ترقّی کی مثال ہیں انہوں نے کافی ترقّی کی ہے اور وہ بہت کچھ جانتے ہیں بہت کچھ جانتے ہیں۔ بہت شکریہ بہت مہربانی، ویسے تو فی الحال آپ آتے ہیں تو جّہ دیتے ہیں وقت نکالتے ہیں، بڑے شوق سے سنتے ہیں، اُمید ہے کہ آئندہ بھی اِس طرح سے اِس مجلس سے وابستگی ہوگی اور ساتھ ہی گزارش ہے کہ کتابیں آپ پڑھیں، دیکھیں! کتابوں سے اور کوئی غرض نہیں ہے اِن کتابوں سے غرض یہ ہے کہ امامؑ کے مُریدوں کو اِن سے فائدہ ہو اور سچ تو یہ ہے کہ کتابوں کو جب ہم تیار کرتے ہیں تو بڑی دقّت سے اور بہت ذمّہ داری سے اور بہت سوچ کے اُس کو تیار کرتے ہیں لہٰذا کتابوں کے اندر بہترین مواد ہے، آپ اِن کتابوں کو پڑھیں مقالوں کو پڑھیں تو بہت فائدہ ہوگا۔

ایک اور بات میں کروں دیکھیں کہ تعلیم مختلف قسم کی ہوتی ہے ایک بہت ہی اعلیٰ تعلیم بھی ممکن ہے۔ بہت اعلیٰ سطح پر، امامؑ کی رحمت سے ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ یہ جو تعلیم ہے خانۂ حکمت کی تعلیم بہت ہی اعلیٰ ہے،، بہت ہی اعلیٰ ہے تو اِس سطح پہ آپ تعلیم حاصل کریں گے مانوس ہو جائیں گے، تو اِس سے آپ کو نہ صرف علم ملے گا بلکہ عبادت کے لئے بھی اِس سے مدد ملے گی، علم سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے اُس خوشی سے عبادت کے کرنے میں مدد ملتی ہے، عبادت کے کرنے میں مدد ملتی ہے، باطن، ضمیر روشن ہو جاتا ہے تو اُس روشنی میں آپ عبادت کریں، میں سچ کہتا ہوں اگر کسی مجلس میں آپ کا دل بہت زیادہ کھلتا ہے اور آپ خوش ہوتے ہیں تو اسی موڈ کو قائم رکھتے ہوئے شام کی عبادت کرنا اور اِسی موڈ سے صبح کی عبادت کر کے دیکھنا، تجربہ کرنا، میں بڑی ذمّہ داری سے کہتا ہوں کہ اِس مجلس کے نتیجے میں آپ کی جو عبادت ہے وہ بہتر ہو جائے گی اور اِس سے اسی طرح ترقّی ہو گی۔

ملکِ چین کے اسماعیلی

خیر میں اِس کو ذرا چھوڑ کے دُوسری طرف سے اُن ملکوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں جن میں کہ ہمارے اسماعیلی بستے ہیں تو میں نے بتایا دُنیا کے اندر جو بڑے بڑے مما لک ہیں اُن میں ہمارے دینی بھائی رہتے ہیں، امامؑ کے مُرید رہتے ہیں۔ چنانچہ مجھے آپ کی طرف سے یہ فرمائش آئی تھی کہ تھوڑی سی وضاحت چین کے اسماعیلیوں کے بارے میں کروں کہ وہاں چائنا میں بھی آپ کے دینی بھائی اور بہنیں رہتے ہیں، چائنا میں ہمارے اسماعیلی امامؑ کے مُرید رہتے ہیں اور آج کل اُسی رنگ میں رہتے ہیں جو کہ آج کل کے زمانے میں اُس ملک میں نمایان ہے، ہم تقاضا بھی نہیں کرتے ہیں کہ جو اسماعیلی رشیا میں رہتے ہیں وہ پاکستان کے اسماعیلیوں کی طرح رہیں اور جو افغانستان میں رہتے ہیں وہ افریقہ کے اسماعیلیوں کی طرح رہیں یہ بات ناممکن ہے۔ اسماعیلی مذہب کے اندر بڑی حد تک یہ گنجائش ہے کہ وہ جہاں بھی رہتے ہوں اُس ملک کے مطابق اور اُس ماحول کے مطابق رہا کریں کیونکہ امامؑ نے کبھی فرمایا تھا کہ اسماعیلی مذہب ایک ایسا پھول ہے جو مختلف زمانوں میں مختلف رنگوں میں کھلتے ہوئے آیا ہے [کراچی، ۷۔۶۔۱۹۵۱] اگر اسماعیلی مذہب میں یہ گنجائش ہے کہ وہ زمان و مکان کے مطابق کِھلے اور اُسی رنگ میں کِھلے تو کیوں نہ آج رشیا میں اسماعیلی مذہب زندہ رہے کیوں نہ چائنا میں اسماعیلی مذہب زندہ رہے۔ کیونکہ ہمارے اور آپ کے نزدیک جو کچھ بھی دُنیا میں ہوتا ہے وہ امام ؑ کی مرضی سے ہوتا ہے اور جو کام امامؑ کی مرضی سے ہوتا ہے تو اُس میں البتہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ امامؑ اِس دُنیا کو، اِس زمانے کو کسی ایک منزل کی طرف لے جا رہا ہے جو کہ سب لوگوں کے لئے باعثِ سکون اور باعثِ راحت ہو گا۔

میں چائنا کی جماعتوں کا ذکر کر رہا تھا، وہاں پر آپ کے اسماعیلی بستے ہیں جو تقریباً پچاس ہزار کی تعداد میں رہتے

ہیں اور انقلاب آنے سے پیشتر وہ بڑے اچھے اسماعیلی تھے، بہت ہی معتقد تھے اور میں سمجھتا ہوں اور میں نے بہت سے ممالک کے اسماعیلیوں کو دیکھا ہے اگرچہ جانے کے لحاظ سے مجھے صرف چائنا، پاکستان اور اِس دفعہ کینیڈا آنے کے لئے موقع ملا ہے، انڈیا وغیرہ میں گیا ہوں لیکن میں نے ایران، افغانستان اور تقریباً دُنیا کے مختلف ممالک میں جو اسماعیلی رہتے ہیں اُن کو میں نے دیکھا ہے، اُن کی عادتوں کو جانچ لیا ہے اور اُن کے ساتھ ہم نے ہم نشینی کی ہے لہٰذا دُنیا کے اندر اسماعیلی مذہب کے جتنے، اسماعیلیوں کے جتنے نمونے ہیں (tradition) کے لحاظ سے، علاقے کے لحاظ سے، ملک کے لحاظ سے، زبان کے لحاظ سے، میں نے سب نمونے دیکھے ہیں۔ لیکن چائنا کے اسماعیلیوں کو میں نے دیکھا اور میرے نزدیک وہ سب سے اچھے اسماعیلی تھے، سب سے اچھے اسماعیلی تھے، حالانکہ امامؑ کی تشریف زمانۂ دراز سے وہاں نہیں گئی تھی اور صرف اُن کے کچھ نمائندے آ کر امامِ عالی مقامؑ کے حضور سے کچھ پیغامات اُن کو پہنچاتے تھے اور اُن کے مالِ نُذُورات یعنی دسوند وغیرہ لایا کرتے تھے لیکن پچھلے کئی کئی برسوں سے یہ آمد و رفت بھی بند ہوگئی تو اُن کو تفصیل سے فرامین وغیرہ نہیں جایا کرتے ہیں پھر بھی وہ کتنے اچھے اسماعیلی تھے اور شروع شروع میں جب ہم یہاں سے اپنے مشن پر گئے تو ہونزہ کی (boundry) کو (cross) کرنے کے بعد ہم اُن کے علاقے میں گئے، تو اُن کی سرحد میں کچھ اسماعیلیوں کو پتا چلا کہ ہم پاکستان سے اور کراچی کے دربار سے، دربار سے مُراد جہاں پر دین کا سینٹر ہوتا ہے وہاں سے کچھ فرمان لے کر اُن کی طرف ہم جا رہے ہیں تو وہ گھوڑوں پر آ گئے استقبال کرنے کے لئے ہم کو (receive) کرنے کے لئے، بہت ہی دُور سے انہوں نے دیکھا کہ ہم جا رہے ہیں وہ بھی گھوڑوں پر تھے ہم بھی گھوڑوں پر تھے، تو وہ گھوڑوں سے نیچے اُترے اور جیسے قریب آ گئے تو وہ لوگ ایک دم سے چیخ کر زمین پر لیٹ گئے اور انہوں نے فرمان کے لئے سجدہ دیا اور روتے ہوئے زمین پر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پتا چلا کہ وہ اِس لئے روتے تھے کہ اُن کے سامنے فرمان تھا جو ہماری گردن میں بیگ کے اندر لٹکا ہوا تھا ہم لوگ فرمان کو کسی اور طرح سے نہیں اُٹھاتے ہیں یا تو اُٹھاتے ہیں سر پر یا تو رکھتے ہیں گردن میں لٹکا کر جس طرح بعض مسلمانوں کو آپ نے دیکھا ہوگا آپ میں سے جو تجربہ کار ہیں جنہوں نے سفر کیا ہے اُن کو پتا ہوگا کہ ایک مسلمان ایک چھوٹے سے قرآن کے نسخے کو جب لیتا ہے تو وہ گردن میں لٹکا کے لیتا ہے تو ہمارے اُس علاقے کی یہ روایت تھی کہ فرمان کو جیب میں یا کسی اور طرح سے نہیں لیا جاتا تھا، (file cover) وغیرہ میں نہیں بلکہ فرمان کو جب پڑھنے کے لئے محفل میں لے جایا جاتا تھا تو وہ سر کے اُوپر ایک پلیٹ میں اور بہت قیمتی کپڑوں میں لپیٹ کے اور اچھے لباس پہن کے سر پر رکھتے تھے۔

میں چھوٹا تھا مجھے اِس سلسلے میں ہونزہ کی ایک روایت یاد آئی، جب یہاں سے فرامین جاتے تھے کراچی کے دربار سے اور وہ فرامین بھی رسیدی قسم کے فرامین ہوتے تھے جو اسٹیٹ آفس سے بھیجے جاتے تھے تو اُس وقت کوئی پیر کا

نمائندہ یا اور کوئی بزرگ فرمان کو پڑھنے کے لئے تیاری کرتے تھے اور کسی گھر سے جلوس کی صورت میں چند اکابرین نکلتے تھے تو وہ جن کو فرمان پڑھنا ہوتا تھا وہ نئے لباس اور شاندار طریقے سے شاہانہ لباس پہنتے تھے، سر پر پگڑی ہوتی تھی اور اُن کے آگے آگے پیچھے نہیں درمیان میں نہیں آگے آگے کوئی بزرگ فرمان کو سر پر لئے ہوئے آتا تھا، جیسے ہی فرمان لایا گیا تو مجمع ایک دم سے کھڑا ہوگیا اور سب لوگ دست بستہ سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے تعظیم سے سر جھکائے ہوئے آنسو بہاتے ہوئے کھڑے ہو گئے، تو ایک مخصوص انداز سے فرمان پڑھنے والے نے فرمان کا پڑھنا شروع کیا، وہ ایک مخصوص اسپیشل اُس کا انداز ہوتا تھا، (recitation) کا اور پھر اُس وقت آنسوؤں کا کیا کہنا، بڑے بزرگ آدمی، جوان، مائیں، بہنیں سب آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے اور ہر بار سر کو جھکانا رُکوع کرنا اِس طرح فرمان پڑھا جاتا تھا اور یہی روایت چائنا میں، میں نے دیکھی تو وہ لوگ جیسے ہی فرمان دیکھنے لگے وہ گھوڑے سے گر گئے اور کچھ آگے چل کر جب قریب آگئے تو زمین پر سجدے کے طور پر لیٹ گئے اور انہوں نے کہا کہ عرصۂ دراز تک اُن کے ملک میں فرمان نہیں گیا تھا، جب ہم آگے گئے ابھی تو ہم کسی خاص ملک میں نہیں پہنچے تھے بلکہ اُن کی سرحد میں گئے تھے تو ایک جگہ پہ گئے وہاں پر کچھ اسماعیلی تھے جن کی ملازمت فوج میں تھی وہ سولجر تھے، وہ (families) کے ساتھ تھے انہوں نے ہم کو (receive) کیا کسی گھر میں ہم ٹھہرے تو رات کے وقت ہم نے دیکھا، عجیب روایت دیکھی تو رات کو وہ لوگ جاگنے لگے اور عبادت و بندگی اور تسبیح پڑھنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے خوشی منائی اور وہ خوشی بھی عجیب قسم کی تھی اور ہمارے لئے وہ انوکھی چیز تھی، نرالی چیز تھی، کیا آپ نے دیکھا ہوگا یا سنا ہوگا کہ دف ایک (one side) یعنی سنگل ایک ڈرم جیسی چیز ہوتی ہے اُس کو دف کہتے ہیں، ایک دف کو لیا اور دو جوانوں نے دو بانسریوں کو لیا وہ بانسریاں بھی بہت عجیب تھیں، بہت بڑی دلچسپ۔ گدھ ایک جانور پرندہ ہوتا ہے، شکاری پرندہ، اُس کے پَر بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں تو اُس کے پَر کی بہت باریک دو بانسری بنی ہوئی تھی اور گدھ کو آپ کیا کہتے ہیں (vulture) کہتے ہیں، (vulture) جو شکاری پرندہ ہے اُس کے پروں کی دو بانسریاں بنی ہوئی تھی تو دو جوانوں نے بجانا شروع کیا اور بہنوں میں سے جس طرح آپ یہاں مولا کی محبّت میں گیت گاتے ہیں، دو بہنوں نے ایک دف کو لیا وہ دو بہنیں آمنے سامنے بیٹھیں، ایک کو اُلٹا پڑتا تھا اور ایک کو سیدھا تو آمنے سامنے بیٹھ کر ایک ہی دف کو بجانا شروع کیا اور کیا شان تھی کیا میں بتاؤں، اُس کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے، اِس طرح انہوں نے خوشی کی اور انہوں نے ایک دنبے کو ذبح کیا اور بہت خوشی منائی ہم تو تھکے ہوئے تھے تھوڑی دیر اُن کے ساتھ بیٹھے پھر اُس کے بعد ہم نے آرام کیا اور وہ رات بھر بس اِسی طرح خوشی کرتے ہوئے، تسبیح پڑھتے ہوئے کبھی تو گاتے بجاتے تھے، کبھی تسبیح پڑھتے تھے، حمد و ثناء کرتے تھے، اسی طرح انہوں نے صبح کر دی اور اسی شان سے ہم آگے گئے، تو جہاں فرمان اُترتا تھا اُس کے پڑھنے کے لئے ایک اسپیشل بندوبست ہوتا تھا، جماعت خانے نہیں تھے وہاں اُس ملک میں جماعت خانوں کی تعمیر کے

لئے پیر سبز علی صاحب نے اُن کو حکم دیا تھا لیکن جماعت خانے وہاں کی مجبوریوں کی بنا پر مکمّل نہیں ہو سکے تھے تو وہاں جب ہم گئے تو اُن کے وہاں فرمان کا پڑھنا کوئی آسان بات نہیں تھی، فرمان کوئی بادشاہ جیسے لیڈر اور بہت ہی امیر آدمی کے گھر میں پڑھا جا سکتا تھا اور باقی کہیں نہیں، جماعت کے درمیان مشترکہ طور فرمان پڑھنے کے لئے جماعت خانہ نہیں تھا اور کسی معمولی گھر میں فرمان پڑھنے کے لئے پورے ملک کے اسماعیلی جمع ہوتے تھے اُن کے لئے کھانا کھلانا اور اُن کے گھوڑوں کو دانہ، بھُس وغیرہ مہیّا کرنا اور رات کے وقت اُن کو سُلانا اور یہ سب کچھ کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا، لہٰذا ہم ایک دم سے وہاں کیا انقلاب لا سکتے تھے تو یہ اُن کی روایت پر دارومدار رکھتا تھا کہ وہ اپنی روایت کے مطابق فرمان کو پڑھیں۔

بہر حال صرف چند جگہوں میں فرمان پڑھا گیا اور جو بہت بڑے بڑے امیر لوگ تھے یا یوں کہنا چاہئے کہ وہاں موروثی قسم کے مکھی تھے، جو سادات میں سے ہوا کرتے ہیں جو پیروں کی اولاد میں سے ہیں، اب اگرچہ وہ پیر نہیں کہلا سکتے ہیں لیکن وہاں اُن کے مُرید، اُن لیڈروں کی اتنی عزّت کیا کرتے ہیں جیسا کے پیروں کی زمانہ قدیم میں کی جاتی تھی تو وہ لوگ پیر کے جو نمائندے ہیں جو اُن کی اولاد میں سے لیڈر ہیں اُن کے گھروں میں جو سادات ہیں اُن کے گھروں میں فرامین، فرمان پڑھا گیا۔ میں فرمانوں کو پڑھتا تھا یا ترجمہ کرتا تھا اور ہمارا کام وہاں (persian) زبان میں چلتا تھا اور چھ مہینے کے بعد میں نے وہاں ترکی میں اُن کی زبان میں کام شروع کیا تو بہر حال وہاں کے اسماعیلیوں کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں اتنے اچھے اسماعیلی، اتنے پگھلے ہوئے اسماعیلی، اتنے مذہبی اور اِس قدر مومن کہ بیان نہیں ہو سکتا ہے، ایسے اچھے تھے لیکن یکا یک وہاں انقلاب آیا اور میرے سامنے ہی تبدیلی شروع ہوگئی، بہر حال اُس تبدیلی میں بھی البتہ امامؑ کی مصلحت اور حکمت ہے، تو کل کو پتا چلے گا کہ مختلف ممالک میں تھوڑے تھوڑے سے اسماعیلی کیوں ہیں، کل سے میری مُراد قیامت کے دن کہ امامؑ نے مُریدوں کو اِس دُنیا کے مختلف ممالک میں کیوں پھیلا دیا ہے اور اِس میں کیا حکمت تھی، کیا راز ہے وہ امامؑ جانتا ہے۔ بہر حال ہمارا جو مذہب ہے وہ کائناتی اور آفاقی مذہب ہے اِس مذہب کے اندر بہت سے بھید ہیں، بہت سے راز ہیں اور شاید آپ نے سنا ہوگا اور میں نے بہت سی مجالس میں (openly) اُن بھیدوں کا بھی ذکر کیا جو رُوحانی طور پر مجھ پر منکشف ہوئے تھے قید خانے میں اور امامؑ نے کتنی کتنی مہربانیاں کیں اور اسماعیلی مذہب کے اندر کتنے بھید ہیں کتنے راز ہیں اور اِس میں کتنی بڑی طاقت ہے کائناتی طاقت اور اُس کے لئے یہاں وقت نہیں ہے، میں نہیں چاہتا ہوں کہ پھر سارے وقت میں یہ باتیں کروں تو آپ کی فرمائش کے مطابق کہ چائنا کے اسماعیلی کیسے ہیں۔

ہاں! میں ایک بات ضرور کروں گا آپ یاد رکھئے اِس امامؑ کی حکمت کو کہ جن لوگوں کو ظاہری طور پر امامؑ سے (approach) بہت کم ہوا کرتا ہے اُن پر امامؑ کی باطنی رحمتیں ہوتی ہیں یہ میں نے دیکھا، آپ باور کریں گے میں نے دیکھا اور اب بھی اِس کی مثالیں مل سکتی ہیں، آپ یہاں سے ایران جائیں، ایران کے دیہاتوں میں جائیں، افغانستان

جائیں، چترال، ہونزہ وغیرہ جائیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ جولوگ برسوں سے امامؑ کے مقدّس دیدار تک رسا نہیں ہوئے ہیں (approach) جن کو نہیں ہوا ہے اُن کا (mind) کیسا ہے، کس آسانی سے اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش برستی ہے، جیسے ہی آپ امامؑ کی کوئی بات کرنے لگیں گے وہ جھومنے لگیں گے، جھومنے لگیں گے، اُن پر وجد کی کیفیت آئے گی اور آنسو بہانے لگیں گے اور اُن کے اندر اتنا عشق ہے امامؑ سے اور بعض لوگ تو ایسے ہیں جن کو بڑا کام دیا تو نہیں ہے لیکن اُن کے دل کے اندر روشنی آگئی ہے۔ بہت ساروں نے ایک درویش کی حیثیّت سے مجھ سے مشورہ کیا، فوجیوں نے اور دُوسرے لوگوں نے کہ ہم پر یہ یہ کیفیت گزرتی ہے اِس کے لئے کیا کریں؟ تو میں نے اُن کو مبارک باد دی اور میں نے کہا کہ یہ تو بڑا کام ہے یہ تو بیت الخیال ہے تم کو یکا یک خود از خود یہ بیت الخیال اور یہ کام مل گیا ہے تم اِس کو سنبھالو، تو میں نے اُن کو مشورہ دیا، ایسی باتیں ہیں۔ کچھ نے کہا کہ ہمارے کانوں میں اِس قسم کی آوازیں آتی ہیں یہ کہا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ امامؑ کا نور ہے مبارک ہو، کچھ نے کہا کہ ہم جب جماعت خانوں میں ہیں یا دوسری جگہوں میں ہیں ہم پر یہ کپکپی کی کیفیّت یعنی عبادت کے وقت ایک قسم کا بخار چڑھتا ہے یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ رُوحانیت ہے اور کچھ نے کہا کہ ہم جب آنکھیں بند رکھتے ہیں تو ہمارے اندر ایک قسم کی روشنی آتی ہے یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ بیت الخیال ہے اِس کو سنبھالو، چاننا میں باور کریں ہونزہ کے بہت [سے] علاقوں میں ایسے لوگ آپ کو ملیں گے وہ آپ کو نہیں بتائیں گے لیکن ایسے لوگ ہیں میں نے دیکھا ہے۔

میں کہہ رہا تھا ظاہری طور پر جن کو امامؑ سے زیادہ (approach) ہوتا ہے تو اُن میں ایک قسم کی بڑائی، فخر آتا ہے، سب کو تو نہیں آتا ہے لیکن کچھ کو آتا ہے یہ خیال آتا ہے وہ بڑائی میں جاتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بہت بڑے اچھے لوگ ہیں، اچھائی امامؑ کے ہاتھ میں ہے اُن کو فخر نہیں کرنا چاہیئے تو پھر اُن میں غرور پیدا ہو جاتا ہے، وہ عاجزی اور انکساری سے گزر کر مغرور ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو اِس ملک کے اسماعیلیوں کو دیدار میں جو تاخیر ہو رہی ہے اِس میں بڑی حکمت ہے اِس میں آپ خوب پگھل جاؤ، دیدار کا تقاضا ضرور کرو لیکن دیدار نہ ہو تو فکر نہ کرو آپ خوب اِس میں خود کو پگھلاؤ، پگھلاؤ۔ میں ایک دُنیا کی مثال پیش کروں زمانۂ قدیم میں آپ نے سنا ہوگا کہ مجنون ایک شخص تھا ایک عالم شخص تھا، اُس کو لیلیٰ سے عشق تھا، وہ لیلیٰ کوئی اچھی لڑکی نہیں تھی وہ کالی کلوٹی ایک لڑکی تھی لیکن لیلیٰ سے اُس کو عشق تھا۔ لوگوں کو رحم آیا کیونکہ وہ بہت روتا تھا اور بہت فکر کرتا تھا بہت غم کرتا تھا، ایک دن کیا ہوا، انہوں نے لیلیٰ کو اِدھر اُدھر سے وہ ایک دیہاتی ایک عام گھرانے کی ایک لڑکی تھی لیلیٰ کو لے آئے اور اُس کے سامنے رکھا، کہا کہ دیکھو لیلیٰ کا دیدار کرو تو اُس نے دیکھا یا نہیں دیکھا ایک دم سے پشت پھیر لیا اور لیلیٰ کی طرف منہ کئے بغیر بیٹھنے لگا لوگوں نے پوچھا کہ تم جس لیلیٰ کے لئے رویا کرتا تھا وہ لیلیٰ تو یہی ہے اُس نے کہا کہ ٹھیک ہے وہ لیلیٰ تو یہی ہے لیکن میں جدائی کو چاہتا ہوں، میں جدائی کو چاہتا ہوں، میں وصل کو

اور دیدار کو نہیں چاہتا ہوں، وہ بہت بڑا عالم شخص تھا اور اِس میں بہت معنی ہیں۔ وہ معنی یہ ہیں کہ دیکھیں آپ کو جب دیدار ہوگا اور بار بار دیدار ہوگا تو آپ بھول جائیں گے، جو ہجر میں، جو جدائی میں مزہ ہے وہ دیدار میں نہیں ہے، لہٰذا میں نے اُن اسماعیلیوں سے مثال لی جو کہ وہ بھی آپ ہی کی طرح اسماعیلی ہیں اگر اُن کو بار بار دیدار دیا جائے تو وہ بھی ایسے ہی ہو جائیں گے وہ بھی بھول جائیں گے۔ بار بار جن پر قیامتیں اور معجزات گزرتے ہیں اُن کا دل بھی بہت سخت ہوتا ہے، اِس لئے دانشمندی یہ ہے کہ جن کو ایسے دیدار ہوئے ہیں اُن کو چاہئے کہ بار بار روئیں ایسا نہ ہو کہ دل اُن کا سخت ہو جائے اور پھر اُن کے لئے بدبختی ہو جائے۔ اِس لئے جو ہوشیار ہیں، جو دانا ہیں، جن پر معجزات گزرے ہیں وہ اپنی اُس حالت و کیفیت کو برقرار رکھنے کے لئے کسی نہ کسی بہانے سے وہ رویا کرتے ہیں یہ اُن کی دانشمندی ہے، ورنہ اُن کو کیا نجات تو مل گئی ہے، دیدار تو ہو گیا ہے، بہشت کی ضمانت تقریباً ہو چکی ہے تو پھر وہ مغرور ہو جائیں گے اِس لئے اُن کو رونا چاہئے ایسا نہ ہو کہ ایک دن اُن کا دل سخت ہو جائے اور مغرور ہو جائیں۔ یہ فرق ہے اُن جماعتوں اور دُوسری جماعتوں کے درمیان کہ اُن کو دیدار نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اُن کی حالت اور کیفیت اچھی ہے۔

ٹرانسکرائب: حبیب اللہ ٹائپنگ: اکبر علی پروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی (ق س) کا پُرحکمت بیان

عنوان: حقیقی علم خدا کا عرش ہے

کیسٹ نمبر: ۴۶ تاریخ: مئی/ ۱۹۸۱، کراچی

Click here for Audio

عزیزانِ من! اب ہم کچھ علمی طور پر گفتگو کریں گے کیونکہ دین میں علم کی زبردست اہمیت ہے، اور خدا کی نظر میں علم سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں، کوئی چیز برتر نہیں۔ اگر خدا کے قانون میں کوئی چیز علم سے افضل ہوتی، علم سے برتر ہوتی یا علم سے بالاو برتر ہوتی، تو خداوندِ عالم لازماً اُس چیز کو اپنی ذات سے قریب کر لیتا، ظاہر ہے کہ علم کے سوا کسی اور چیز کو یہ شرف حاصل نہیں کہ وہ خدا سے بہت ہی قریب ہو۔ آپ نے کئی مرتبہ سُن لیا ہے، مقالہ پڑھا ہے کہ خداوندِ عالمین کا جو عرش ہے یعنی تخت وہ علم کا ہے، دُنیا میں کوئی عظیم بادشاہ اپنے تخت کو جس حد تک ممکن ہے سجالیتا ہے، وہ اپنے تخت کو شایانِ شان طور پر بناتا ہے اور قیمتی ترین چیزوں سے اُس کو آراستہ کر لیتا ہے، لیکن خداوندِ عالم کی نظر میں علم کے سوا اور کوئی چیز قیمتی نہیں تھی، بس ایک علم ہی ایسا تھا کہ اُسی کا تخت بنایا جائے، چنانچہ نورِ خداوندی علم کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

ہمارے بزرگانِ دین نے جو تاویلات بیان کی ہیں اُن کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات آتی ہے کہ عرش کا مطلب عقلِ کُل ہے جو علم کا سرچشمہ ہے، یعنی عقل ہی خدا کا تخت ہے جو علم کا وسیلہ ہے اور حدیث "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ" کا یہ مفہوم کہ بندۂ مومن کا دل عرشِ خدا ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ بندۂ مومن میں وہ علم جس کو حقیقی علم کہا جاتا ہے، تو بندۂ مومن میں حقیقی علم کے تخت پر خدا کا نور جلوہ افروز ہے۔ ہم اِس علم کو معرفت بھی کہہ سکتے ہیں، خدا نے فرمایا کہ وہ آسمان میں سموتا نہیں، زمین میں سموتا نہیں وہ اگر کسی مقام پر سموسکتا ہے تو وہ مقام بندۂ مومن کا دل ہے "لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَيَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ التَّقِيِّ" یعنی جو علم و معرفت بندۂ مومن میں ہے وہ آسمان میں نہیں، زمین میں نہیں، کیونکہ خداوندِ عالم کو مکانی طور پر، جسمانی طور پر، مادّی طور پر نہیں بلکہ علمی اور عرفانی طور پر قلبِ مومن میں سمو جانا ہے۔ اس لئے جب آپ قرآنِ حکیم میں بغور ملاحظہ کریں گے تو یہ حقیقت آپ کے سامنے آئے گی کہ ہر چیز سے علم برتر ہے، ہر چیز سے علم بالا ہے اور ہر چیز سے علم افضل ہے، لیکن کون سا علم؟ وہی علم جس سے خدا ملتا ہے۔ کیونکہ علم کے لغوی معنی ہیں جاننا لیکن اِس سے دُنیا جاننا مُراد نہیں، اِس سے مُراد ہے دین کو جاننا، خدا کو پہچاننا، تو ایسا علم حقیقی معنوں میں علم ہے اور ایسے ہی علم کے تخت پر خدا موجود ہے۔

عزیزانِ من! دیکھئے کہ کتنی خوش بختی ہے کہ آپ حقیقی علم کی طرف توجّہ دے رہے ہیں، جتنا بھی شوق آپ میں اِس علم

کے متعلّق پیدا ہوا ہے یہ ایک نعمت ہے جو عظیم نعمت ہے، یعنی کسی چیز کے حصول سے قبل اُس چیز کی خواہش وطلب کا پیدا ہو جانا بہت بڑی نیک بختی ہے۔ اگر آپ میں یہ توجّہ ہے یہ خواہش ہے یہ تڑپ ہے کہ حقیقی علم کو حاصل کریں تو یہ خداوند کی ایک بہت بڑی مہربانی ہے جو مخصوص ہے یہ ایسی مہربانی ہے کہ ہر کسی کو حاصل نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دُنیا کے اندر کتنے لوگ ہیں سب سے پہلے اِس معاملے میں آپ یہ سوچیں کہ اِس سیارۂ زمین پر کتنے نفوس بستے ہیں، یعنی کتنے لوگ رہتے ہیں اُن میں سے لادین کتنے ہیں؟ بہت سارے، اور مذہب والے کتنے ہیں؟ نصف سے بھی کم، اور پھر مذہب والوں میں سے مسلمان کتنے ہیں؟ مقابلتاً کم، پھر مسلمان فرقوں میں بٹ جاتے ہیں تو امامؑ پر اقرار کرنے والے کتنے ہیں؟ بہت ہی تھوڑے، اور اُن میں سے حقیقی مومنین کتنے ہیں؟ بہت ہی تھوڑے، اور اُن حقیقی مومنین میں سے ایسے افراد کتنے ہیں جن کو سامانِ علم مہیّا ہے؟ بہت کم، اور اُن میں سے زیادہ کوشش کرنے والے اور کامیابی سے ہمکنار ہو جانے والے کتنے ہیں؟ بہت تھوڑے۔

اِس مثال سے یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ دُنیا کے اندر معرفت اور اُس کے سامان بہت ہی قیمتی اشیاء ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ اگر کسی مومن کے اندر حقیقی علم کی تڑپ ہے، ذوق ہے اور شوق ہے تو یہ اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، کیونکہ امکان ہے کہ ایسے مومنین کامیاب ہو جائیں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو مومن علم کی طلب کرتے کرتے مر گیا تو اللہ اپنی رحمت سے اُس کی قبر میں دو فرشتوں کے ذریعے سے اُس کی تعلیم کو جاری رکھے گا۔ خیر یہ تو ظاہری بات ہے میں ذرا اِس کی تاویل بھی بتاؤں گا وہ یہ کہ ہمارے نزدیک قبر مٹّی کی نہیں ہے، قبر کا مطلب اوّل تو ہماری اپنی شخصیّت ہے، یہ جسم بہت سی رُوحوں کا قبرستان ہے اور اِس کی دُوسری تاویل یہ ہے کہ جب ہم اِس دُنیا سے گزر چکے ہوں گے تو اُس وقت ہماری رُوح ایک زندہ شخصیّت کی قبر میں دفنائی جائے گی یعنی کسی ایسی شخص میں جائے گی جو ہم سے برتر ہے یا ہمارے برابر ہے یا ہم سے کمتر ہے، تو وہ ہمارے اعمال کے مطابق ہماری رُوح کو ایک مقام ملے گا۔ اُس حالت میں اگر ہم نے دُنیا کی زندگی میں حصولِ علم کو یعنی حقیقی علم کی طلب کو اپنا شعار بنالیا تھا، تو نتیجے کے طور پر ہم کو ایسی قبر میں جس کا ہم نے ذکر کیا رُوحانی تعلیم کا بندوبست ہوگا کہ وہاں دو فرشتے ہوں گے وہ ہم کو تعلیم دیتے رہیں گے۔ یہ بات رُوحانی علم کی طلب کے سلسلے میں ہوئی اور اگر ہم کامیاب ہیں تو پھر ہماری قیامت زندگی میں نہیں تو مرنے کے بعد برپا ہو جائے گی اور ہم کو ایک ایسا مقام ملے گا، ایک ایسا مرتبہ ملے گا کہ اُس مرتبے میں ہم علم کا کام کرنے لگیں گے۔

آپ کو شاید تعجّب ہو اِس بات سے جو میں اب کر رہا ہوں کہ مرنے کے بعد بھی علمی خدمت سے کیا واسطہ؟ لیکن یہ بات نہیں ہے۔ مثال کے طور پر آپ جانتے ہیں کہ شریعت کے مقام پر جتنے فرشتے ہیں وہ سب خدا کے حکم سے مختلف کاموں پر مامور ہیں اور اُن میں سے بہت سے فرشتے علم کا کام کرتے ہیں، چنانچہ اگر کسی مومن کو فرشتگی کا کوئی رُتبہ ملا تو لازمی

طور پر وہ بھی علم ہی کا کام کرے گا، اور پھر علم میں وہ بہت شادمان رہے گا علم کی خدمت میں، قرآن کی باریکیوں میں جانے سے اور حکمت کی تہوں میں اُترنے سے پتا چلتا ہے کہ مومنین نے آگے چل کر رُوحانیت میں اور مرنے کے بعد ایک پوری کائنات کو اپنے قبضے میں لینا ہے، اور بہت سی رُوحوں کو نجات دلانے کے لئے اُن کو دین کا راستہ بتانا ہے یعنی رُوحانیت میں اور مرنے کے بعد، کیونکہ دانشمند مومن کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ بہشت میں صرف بس کھانے پینے کی چیزیں ملتی ہیں، یہ تو بہت ہی محدود بات ہے اور تقریباً خشک جیسی بات ہے۔ اِس لئے کہ بہشت کا تصوّر اِس طرح سے نہیں ہے کہ وہاں صرف کھانے پینے کی نعمتیں مہیّا ہیں، بلکہ حقیقی بہشت کچھ اِس طرح سے ہے کہ اُس کے اندر اچھے اچھے کارنامے ہیں اور علم کے کارنامے سے بڑھ کر کوئی نہیں کہ بہت سی رُوحوں کو نجات دلانا ہے۔ جس طرح ہمارے پیروں اور بزرگوں نے اِس دُنیا کے اندر بہت سی رُوحوں کو نجات دلائی اور اُن کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا، انہوں نے تو اِس زندگی میں کیا، چونکہ وہ بہت ہی آگے تھے، لہٰذا ہم اگر یہ کام اِس زندگی میں نہیں کر سکتے ہیں تو اگر ہمارا دل ہے، نیّت ہے، اِرادہ ہے، ایمان ہے تو ہم اِس کو رُوحانیت میں اور مرنے کے بعد کریں گے اور بہت سی رُوحوں کو حقیقی علم کے وسیلے سے نجات دلانا ہوگا۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کو حل کئے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں وہ یہ کہ بسا اوقات یہ پوچھا جاتا ہے کہ جو لوگ راہِ اسلام پر نہ ہوں، جو امامؑ کو نہ پہچانیں اُن کا کیا حشر ہوگا؟ یہ تو ایک عام سوال ہے اِس کا جواب معمول کے مطابق یہی دیا جاتا ہے کہ وہ تو جہنم میں چلے جائیں گے، لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی ہے اِس لئے کہ جہنم جو ہے وہ ہنگامی اور وقتی چیز ہے۔ میں اِس راز کو آشکار کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کوئی شک نہیں کہ جو لوگ امامؑ کو نہیں پہچانتے ہیں وہ سب جہنم میں واصل ہو جائیں گے لیکن کچھ وقت کے بعد جب اُن کی سزا پوری ہوگی تو خداوندِ عالم اُن کو نجات دینا چاہے گا اور اُس کے لئے تو قانون چاہئے اور وہی چیز چاہئے جس نے دُنیا میں مومنین کو نجات دلائی تھی وہ علم ہے اور معرفت ہے، لیکن یہ علم اور معرفت خداوند خود اُن کو عطا نہیں کرے گا کیونکہ اُس کی تو بادشاہی ہے، بادشاہی کا یہ اُصول ہے کہ جو مومنین ہیں وہ وہاں پر یہ کام کریں گے رُوحانیت میں یا لطیف جسم میں یا کسی سیّارے میں یا دُنیا میں آنے کے بعد، بہرطور اور بہرحالت۔ اِس لئے کہ جسم، رُوح اور عقل باہم مل کر ہیں، لہٰذا جب عبادت کی خوشی ہو یا علم کی خوشی کو تو اُس سے ہمارا جسم بھی محظوظ ہو جاتا ہے۔ یہ بات کچھ اِس طرح سے ہے کہ اگر ہمارے فرزند کو کچھ کامیابی ہو، خوشی ہو حالانکہ وہ فرزند ایک طرح سے دیکھا جائے تو جسم کا حصّہ نہیں ہے، ہم سے الگ ہے لیکن ہمارے بچّوں کو، اولاد کو یا گھر کے افراد کو جو کامیابی ہوتی ہے یا جیسی خوشی ہوتی ہے تو اُس کی بدولت ہم کو بھی خوشی ہوتی ہے اِس لئے کہ وہ ایک طرح سے ہماری ہستی کے حصّے ہیں، جب یہ بات ہے تو یہ بھی صحیح ہے کہ ہمارے جسم کو عقلی اور رُوحانی نعمتوں سے بھی خوشی اور لذّت محسوس ہوتی ہے تو اسی طرح بعض دفعہ عارضی طور پر ہماری عقل کو اور رُوح کو جسمانی نعمتوں سے بھی خوشی ہوتی ہے مگر وہ عارضی ہے (temporary) ہے۔

میں یہ بیان اِس لئے کرتا ہوں تا کہ ہم میں سے ہر ایک یہ باور کرے کہ جس طرح دُنیا کی نعمتیں ہیں دُنیا کی لذّتیں ہیں اسی طرح رُوح کی اپنی الگ نعمتیں ہیں جو اِن مادّی نعمتوں سے اُوپر ہیں اور اسی طرح عقل کی الگ غذائیں ہیں، الگ نعمتیں ہیں جو سب سے اُوپر ہیں، تو آپ کے خیال میں بہشت سے متعلّق یا بہشت میں جن نعمتوں کے ہونے کا ذکر ہوا وہ کس نوعیت کی ہونی چاہئیں؟ کیا ادنیٰ قسم کی نعمتیں ہوسکتی ہیں؟ جو مادّی قسم کی ہیں یعنی دُنیا کی نعمتیں، جیسا کہ قرآن میں اِرشاد ہوا ہے کہ بہشت کے اندر انار ہے، انگور ہے کیلے ہیں وغیرہ تو وہ یہ کیلے نہیں ہیں، یہ انگور نہیں ہیں، یہ انار نہیں ہیں وہ علمی نعمتیں ہیں۔ خدا کے قانون کو اِس معاملے میں کیا گلہ کہ اُس نے اِن مادّی چیزوں کا ذکر کیا اِس لئے کہ دُنیا والے رُوحانی نعمتوں کو یا عقلی نعمتوں کو کہاں سمجھتے تھے۔ ایک بڑے آدمی کو جب وہ بچّہ سے بات کرتا ہے تو بچگانہ زبان سے بات کرنی پڑتی ہے وہ کچھ حکیمانہ انداز سے بولتا نہیں اور ہونا یہی چاہئے، ایک ہوشمند انسان بچّوں سے بات کرے تو بچّوں کی زبان سے بات کرے نہیں تو اُس کی بات فضول ہو جائے گی، بچّے فلسفے کی، منطق کی باتوں کو کہاں سمجھتے ہیں۔ لہٰذا خدا نے قرآن میں بہشت سے متعلّق جو کچھ اِرشاد فرمایا وہ صحیح ہے کہ اُس نے دُنیا والوں سے کہا کہ دیکھو بہشت میں ایسی ایسی چیزیں ہیں لیکن دانا جانتے ہیں کہ بہشت میں کیا ہے، بہشت میں علم کی نعمتیں ہیں اور امامِ عالی مقامؑ نے اِرشاد فرمایا ہے کہ اسماعیلی مذہب دُوسرے مذاہب کی طرح بہشت کے لئے مرنے کا انتظار نہیں کرتا، کیونکہ اِس مذہب میں بہشت یہیں سے شروع ہو جاتی ہے، دُنیا ہی سے [''جو انسان حقیقی مومن ہیں وہ اپنا ایمان مضبوط رکھ کر سچے راستے پر چلتے رہتے ہیں۔ اُن کے لئے دنیا میں ہی بہشت ہے۔ تمہارا دل بہشت میں رہے تمہیں اس کے مطابق چلنا چاہیئے''۔ کلامِ امامِ مبین حصہ اوّل، پونا، ۱۸۔ ۲۔ ۱۹۰۸] ۔ وہ یہ کہ ہم حقیقی علم کی نعمتوں کو چکھیں اور یہ بھی اِرشاد ہے کہ جو اِس دُنیا میں اندھا ہو تو قیامت میں بھی اندھا رہے گا (۱۷: ۷۲) اِس کے معنی میں یہ بات بھی آتی ہے کہ جو لوگ بہشت کی اِن نعمتوں کو یہاں نہ چکھیں جو علمی اور عرفانی ہیں، اُن کو قیامت کے دن یہ نعمتیں نصیب نہیں ہوں گی اور بہشت کی ایک عظیم نعمت امامؑ کی معرفت ہے، بلکہ بہشت کی بنیاد یہی ہے اور امامؑ کا دیدار ہے، امامؑ کے اِرشادات ہیں، امامؑ کی دوستی ہے اور امامؑ کے پاک مذہب کے اندر جو علم ہے اُس علم کو سُننا سب سے بڑی نعمت ہے۔

اِس سلسلے میں میں آپ کو ایک مثال بتاؤں کہ دُنیا کے اندر جب کوئی انسان بیمار ہو جاتا ہے تو اُس وقت اُس کو عمدہ سے عمدہ غذائیں بھی مزہ نہیں دے سکتی ہیں، اِس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ بیمار ہے۔ اِس طرح امامؑ کے علم کو آپ کسی ایسے شخص کے سامنے بیان کریں جو کہ رُوحانی طور پر بیمار ہے تو اُس کو مزہ نہیں آئے گا، اِس لئے کہ مزہ پانے کے لئے صحت کی ضرورت ہے، تندرستی کی ضرورت ہے، ہضم کرنے کی ضرورت ہے، وہ صلاحیت ہو تو تب غذا سے مزہ آوے۔ اسی طرح حقیقی علم کا مزہ اُن کو ہے جو رُوحانی طور پر صحت مند ہیں وہ بیمار نہیں ہیں، جب ہی تو اُن کو علم کی نعمتیں بہت ہی لذیذ لگتی ہیں،

مزہ دیتی ہیں یہ ضروری ہے اور رُوحانی قسم کی بیماریاں کیا ہیں ؟ یہ سوال بھی ہوسکتا ہے، شکوک وشبہات دین کے متعلّق، شکوک وشبہات ہی بیماریاں ہیں اور طبّی طور پر، سائنسی طور پر یہ بات بھی ہے کہ بیماریوں کے جراثیم ہوا کرتے ہیں۔ بیماری غلاظت وگندگی سے لگ جاتی ہے صاف نہ رہنے سے بیماری پیدا ہوجاتی ہے، اسی طرح بالکل اسی طرح شکوک وشبہات کی بیماری غیروں کی، دُوسروں کی باتوں سے پیدا ہوجاتی ہے، لہٰذا ہوشمند مومن کو چاہیئے کہ وہ اگر رُوح القدوس سے فیض حاصل کرنا چاہتا ہے جو جبرائیلؑ ہے اور رُوحانی تائید حاصل کرنا چاہتا ہے اور روحی والہام سے قریب تر ہوجانا چاہتا ہے تو اُس کو چاہیئے کہ غیروں کی بات کو نہ چھوئے، غیروں کی بات کو نہ سُنے۔

آپ تعجّب کریں گے اِس بات سے کہ جنابِ مرتضیٰ علی صلواۃ اللہ علیہ کے زمانے میں سلمان فارسیؒ کا جو رویّہ ہے وہ بہت ہی عجیب ہوتا تھا، سلمان فارسیؒ کا رویّہ غیروں کے معاملے میں بہت عجیب ہوتا تھا کہ وہ دُوسروں سے ملتا جلتا نہیں تھا۔ وہ اُن لوگوں سے بچ بچ کر رہتا تھا جو مرتضیٰ علیؑ سے دوستی نہیں کرتے تھے، لیکن مرتضیٰ علیؑ کا رویّہ اِس سے قدرے مختلف ہوتا تھا، چونکہ مرتضیٰ علیؑ امیر المومنین تھے لہٰذا آپ سب سے ملتے جلتے تھے۔ آپ سوال کریں گے کہ اِس میں کیا حکمت ہے کہ امامؑ کے ایک غلام کو اِس طرح سے رہنا اور خود امامؑ کو یہ سلوک روا رکھنا، یہ رواداری۔ سلمان فارسیؒ کی رُوح جبرائیل کا کام کرتی تھی اُس کو اپنے کام کا خیال رکھنا چاہیئے، لیکن امیر المومنین حضرت مرتضیٰ علی خلیفۃُ المسلمین ہونے کی حیثیّت سے سب کے ساتھ رواداری رکھتے تھے۔ یہی بات آج بھی ہے، آپ کے نامدار امامؑ جہاں بھی جائیں تو دُوسروں کے ساتھ رواداری کرتے ہیں ملتے جلتے ہیں، اور بہت سارے اجتماعات میں بھی جاتے ہیں، وہ چاہیں تو مسجد میں بھی جاسکتے ہیں، تو کیا یہ نمونۂ عمل آپ کے لئے قابلِ تقلید ہے یا کیسا؟ اِس میں عقل ودانش کی ضرورت ہے اور دینی شعور کی ضرورت ہے وہ یہ کہ مومن کو چاہیئے کہ بس امامؑ کے فرمان کی طرف دیکھے اور امامؑ نے جو جگہ بتائی ہے اُس جگہ کی طرف دوڑے، کیونکہ ہادیٔ برحق کے سارے افعال ہمارے لئے واجبِ تقلید نہیں ہیں، کیونکہ اُس میں کچھ (exceptional cases) بھی ہیں، یعنی اُن کے لئے کچھ مخصوص چیزیں بھی ہیں اور رسول اللہؐ کے زمانے میں بھی ایسا ہوتا تھا۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر جو ایک صلاحیت ہے جو خدا سے محبّت کرنے کی صلاحیت ہے تو میں سوال کرتا ہوں کہ وہ کتنی وسیع چیز ہے؟ پھر میں خود ہی جواب دیتا ہوں کہ وہ بہت ہی محدود ہے۔ اِس محدود صلاحیت کو اگر ہم تقسیم کریں امامؑ کو بھی چاہیں اور اُس کو بھی چاہیں جو امامؑ کو نہیں چاہتا ہے تو اِس سے ہماری صلاحیت ختم ہوجائے گی اور کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ ہم اپنی اِس صلاحیت کے وسیلے سے صرف امامؑ کو چاہ سکتے ہیں اور کسی کو نہیں تاکہ کامیابی ہو، تو سلمان فارسیؒ ایسے تھے کہ وہ صرف جناب مرتضیٰ علیؑ کو چاہتے تھے اور جس کے نتیجے میں اُن کی رُوح جبرائیلؑ کا کام کرتی تھی۔ کبھی یہ سوال بھی سامنے آیا تھا کہ جبرائیلؑ کون ہے؟ اور اِس کے لئے میں نے لکھا تھا کہ زمانۂ رسولؐ میں جو جبرائیل تھا ضروری

نہیں ہے کہ اب بھی وہی ہو، جب ہادیٔ زمانؑ اپنے جامے کو تبدیل کرتے ہیں اور شخصیتیں بدلتی رہتی ہیں تو فرشتے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اِس سلسلے میں میں ایک فرمان کا حوالہ دیتا ہوں کہ امامِ عالی مقامؑ کا ارشاد ہے کے زمانۂ آدم کے مومنین جسم کے اعتبار سے انسان تھے اور رُوح کے لحاظ سے فرشتے تھے [''جب مولا مرتضیٰ علی شرور میں مکہ میں رہتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے تب سب مرید کسان تھے۔ دادا آدم کے زمانے میں بھی مرید کسان ہی تھے۔ اُن کا جسم کسان کا تھا لیکن باطن میں وہ سب فرشتے تھے، تمہیں بھی اُن ہی کی طرح ہونا چاہیئے'' کلامِ امامِ مبین حصۂ اول، کچھ مندرا، ۲۳۔ ۱۱۔ ۱۹۰۳ء] اور مولانا علیؑ کے زمانے میں بھی یہ بات تھی کہ جو مولانا علیؑ کے سچّے مُرید تھے وہ جسم سے انسان تھے مگر رُوح سے فرشتے تھے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جبرائیل اُن میں سے کوئی تھا اور بہت سی روایتوں میں یہ بات ملتی ہے کہ سلمانؓ ہی اِس درجے میں تھے، تو اِس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر بھی ہو سکے ہم علم کو حاصل کریں اور علم کی طرف توجّہ دیں، اور علم کے سلسلے میں جو اپنا ذوق ہے اُس کو نکھار بخشیں، یعنی زیادہ سے زیادہ علم کا شوق اپنی ذات میں پیدا کریں اور اگر علم کے لئے وقت ہونے کے باوجود بھی توجّہ نہیں ہوتی ہے تو اِس کا علاج کریں۔ اِس کا علاج اِس طرح سے کریں کہ اُس بے ذوقی کو دُور کریں یا اُس کو ایک قسم کی بیماری سمجھیں اور اپنے اندر علم کے ذوق کو بڑھائیں، علم کے شوق کو بڑھائیں، روزانہ تھوڑا سا ٹائم نکال کے علم کی طرف توجّہ دیں اور اپنے آپ میں اس عادت کو پختہ کریں، کیونکہ اِس کے بغیر چارہ نہیں ہے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح عبادت ایک مومن کے لئے ضروری ہے، فرض ہے اِس طرح علم بھی ہے، ہم اِس فرض سے خود کو سبکدوش نہیں کر سکتے ہیں، کون کہتا ہے اور کیسے ممکن ہے کہ عبادت فرض ہو اور علم فرض نہ ہو اور اگر صرف علم ہے تو وہ کچھ چیز نہیں ہے اور اگر صرف عبادت ہے تو بھی مطلب پورا نہیں ہوتا ہے۔ میں ہر بار یہی کہتا رہا ہوں کہ علم بھی ہو اور عبادت بھی ہو، آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے بہت سے بھائی ایسے بھی ہیں جو کہ بہت ہی عبادت کے پہلو سے کوشش کرتے ہیں کہ رُوحانی طور پر آگے بڑھیں اور بڑے کام میں کامیاب ہو جائیں، لیکن بسا اوقات اِس کے باوجود اِن کی کوئی کامیابی نہیں ہوتی ہے اِس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ علم کی طرف توجّہ نہیں دیتے ہیں اور جس سے اُن کے اور امامؑ کے درمیان بہت سے پردے اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں، اِن پردوں کو علم کے وسیلے سے ہٹایا جا سکتا ہے، اب میں اِس گفتگو کو یہاں ختم کرتا ہوں تا کہ اگر کوئی مناسب سوال ہو تو سوال کا جواب دیا جائے۔

سوال: ان کا سوال ہے کہ اگر علم ہر حال میں ضروری ہے تو یہ کیوں ایسا ہے کہ زمانۂ قدیم میں ایسے حضرات بھی ملتے ہیں پتا چلتا ہے کہ انہوں نے کچھ علم حاصل نہیں کیا تھا پھر بھی وہ رُوحانیت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو گئے؟ اِن کا یہ سوال ہے۔

جواب: اِس کے جواب کے طور پر یہ گزارش ہے کہ وہ علم سے خالی نہیں تھے، ہو سکتا ہے کہ اُن کا رابطہ کسی داعی سے، حجّت سے، کسی پیر سے یا کسی علمی خادم سے ہو اور اِس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ عبادت اور بندگی کے نتیجے میں جو

رُوحانی علم ہے وہ آنے لگتا ہے اور اسی مقام پر یہ عرض کریں گے کہ سب سے پہلے ہم انبیاء علیھم السّلام کی مثال لیں گے۔ یہ سوال بہت اچھا ہے، تو انبیاء علیھم السّلام کے متعلّق جہاں تک عام معلومات ہیں اُن میں کمی ہے، کیونکہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بہت سے انبیاء علیھم السّلام خواندگی نہیں رکھتے تھے، یعنی وہ پڑھے ہوئے نہیں تھے لیکن اُن کو یکا یک نبوّت ملی اور جس کے نتیجے میں اللہ نے اُن کو وحی اور الہام سے سرفراز کیا اور پھر بعد میں علم آیا، ایسا سمجھا جاتا ہے، لیکن اِس میں کمی یہ ہے کہ اسماعیلی تصوّر کے مطابق جتنے بھی انبیاء دُنیا میں آئے ہیں یا جتنے گزرے ہیں اُن کا ایک سلسلہ ہے، اکثر نبی ایسے تھے کہ اُن کے باپ نبی تھے، نہیں تو اُن کے چچا نبی تھے، نہیں تو اُن کے قریب میں کوئی نبی تھے اور یہ ہونے والے نبی اُس سابق نبی کی رُوحانی تعلیم میں تھے، قرآن کی حکمت پڑھنے سے بس یہی اُصول سامنے آتا ہے۔ مثلاً آدمؑ نے اپنی اولاد کو تعلیم دی اور اِس تعلیم کے نتیجے میں امامت اور نبوّت کا سلسلہ چلتا رہا اور یہ بالکل مکمّل ایک سلسلہ تھا یا (link) بلا فصل، اور کسی انقطاع کے بغیر ٹوٹنے کے بغیر، باپ سے بیٹے کو اسمِ اعظم ملتا تھا اور تعلیم کا ایک (special portion) ملتا تھا، اِس طرح یہ ہوتا رہا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یکا یک علم کے کسی (background) کے بغیر یکا یک انجان اور لاشعوری طور پر نبوّت ملی ہو، یہ بات نہیں ہے، یہ بات قطعاً اسماعیلی تصوّر میں نہیں ہے۔

مثال کے طور پر آنحضرتؐ کی زندگی کو لیجیے کہ اِس کے متعلّق جو عوام کا تصوّر ہے وہ اسماعیلی تصوّر سے مختلف ہے، عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ ملکِ عرب کُفر و جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، جس کو زمانۂ جاہلیت کہا جاتا ہے، لیکن خداوندِ عالم نے علم و معرفت کا ایک چراغ اپنے ہاتھوں سے وہاں روشن کر دیا، ٹھیک ہے ہم اِس چراغ کو بصد عقیدت مندی مانتے ہیں وہ چراغ ہی ہمارا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اِس میں تھوڑی سی ترمیم کی ضرورت ہے وہ یہ کہ آنحضرتؐ کو علمُ الیقین کی تعلیم ملی تھی وہ جناب ابو طالبؑ تھے جو امامِ مقیم تھے، انہوں نے اُن کو تعلیم دی، ضروری نہیں ہے کہ تواریخ میں یہ ساری باتیں آجائیں، لیکن اُصول میں اور قرآن کی حکمت کی زبان میں یہ سب باتیں ہیں، سب ہیں۔ اُس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ اُس کا جو نور ہے وہ قائم و دائم ہے وہ کبھی بجھتا نہیں ہے (۶۱:۸)۔ تو آنحضرتؐ سے آگے کچھ وقت کے لئے چاہے دو دن کے لئے وہ کیسے بجھا؟ اگر بجھتا نہیں ہے اور خدا کے نور کا چراغ ہمیشہ روشن ہے تو اِس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ چراغ علم و ہدایت ہی کی روشنی بکھیرتا ہے اور کچھ نہیں تو اُس روشنی کے لینے والے لوگ بھی ہیں، جب ہی تو خدا کہتا ہے کہ اُس کا نور بجھتا نہیں ہے، ایک بات۔ اب جاہلیت کا سوال یہ صحیح ہے، (on the whole) جاہلیت تھی، لیکن حضرت ابراہیمؑ سے اِس طرف آپ تواریخ، جو اسماعیلی تواریخ ہے اُس کو دیکھیں تو پشت بہ پشت امامت کے دو سلسلے چلتے تھے، ابراہیمؑ کے دو فرزند تھے۔ یہ بات بہت اہم ہے آپ اِس کو لیں، ایک اسماعیلؑ تھے اور ایک اسحاقؑ تھے، پھر آپ تعجّب کریں گے کہ حضرت ابراہیمؑ کے دونوں ہی صاحب زادے امام تھے، حضرت اسماعیلؑ بھی اور حضرت اسحاقؑ بھی،

امامت کے یہ دو سلسلے یا کہ دو شاخیں چلتی آئیں، چلتی آئیں یکے بعد دیگرے تا آنکہ رسولِ اکرمؐ کا زمانہ آیا تو اُس وقت جو امامت آنحضرتؐ کے آباء واجداد میں تھی وہ تو (directly) آ گئی آنحضرتؐ اور آپ کے اہلِ بیت کی طرف اور دُوسری جو امامت عیسیٰؑ کے مذہب میں تھی وہ بھی آ کر آنحضرتؐ کے ساتھ مدغم ہوگئی۔ سفرِ شام میں جب ابوطالبؑ کے ساتھ آنحضرتؐ جا رہے تھے تو بحیرا راہب نے یہ امامت آنحضرتؐ کو سونپی، بحیرا راہب جو عیسائی مذہب کا آخری امام تھا۔

آپ کو یہ بات بہت نئی لگے گی پھر اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس کے بعد بھی عیسائیوں میں کوئی امامت رہی ایسا نہیں۔ دیکھیں! آپ اِس جگہ پر اچھی طرح سے سمجھ لیں، جب ایک نیا رسول آتا ہے تو وہ اپنی نبوّت کا اعلان کرتا ہے تب تک اُس کے آگے جو پیغمبر گزرا تھا اُس کا مذہب حق پر ہوتا ہے، جب تلک کہ دُوسرا پیغمبر نہیں آتا ہے جب دُوسرا پیغمبر آیا تو وہاں پر اعلان ہوتا ہے، اب یہ پیغمبر آیا، مثلاً نبیؐ اکرمؐ کا ظہور ہوگیا تو اُس وقت اگلے مذاہب والے جو لوگ ہیں اُن کے دو گروہ ہو جاتے ہیں یعنی تھوڑے سے لوگ جو باہوش ہیں اِس طرف آتے ہیں کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے اپنے وقت میں عیسیٰؑ صحیح تھے اب یہ محمدؐ صحیح ہیں اور بہت سے لوگ وہاں سے گمراہ ہو کر چلے جاتے ہیں، تو میرا مقصد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے زمانے میں برحق نبی تھے اور اُس کے مذہب میں مومنین تھے اور امامت بھی تھی تا آنکہ رسولؐ کا زمانہ آیا تو یہ امامت رسولؐ کی طرف لوٹ کر مدغم ہوگئی۔ اِس سلسلے میں اسماعیلی مذہب کے اندر ایک اصطلاح ہے وہ یہ کہ امامت دو قسم کی ہوتی ہے یا کہ امام دو قسم کا ہوتا: ایک مستقر یعنی مستقل، ایک مستودع یعنی امانت کے لئے، ایک پشت یا چند پشتوں کے لئے، جس طرح کوئی ندی ہے یا دریا ہے تو کبھی کبھار اُس کی دو شاخیں ہوتی ہیں اور پھر آگے چل کر یہ دو شاخیں آپس میں مل جاتی ہیں، اسی طرح حضرت اسماعیلؑ بھی امام تھے ابراہیمؑ کے صاحب زادے اور اسحاقؑ بھی، تو یہ امامت اِن دونوں خاندانوں میں چلتی رہی، تا آنکہ رسولؐ کا زمانہ آیا، تو اب واپس لوٹیے آپ کے سوال کے مکمّل جواب کے لئے تو یہ سب پیغمبر ایسے نہیں تھے کہ اُن کو صرف وحی سے علم ملا، ایسا نہیں ہے۔ اِس وحی کے علم سے پہلے علمُ الیقین کا ہونا ضروری ہے، اُن کے لئے ایک علمی ماحول تھا، مثلاً لوطؑ پیغمبر کو لیجئے یہ حضرت ابراہیمؑ کے شاگردِ عزیز تھے وہ اُن کی رُوحانی تعلیم میں پلے ہوئے تھے جب ہی تو بعد میں پیغمبر ہو گئے تو ایسی بہت سی مثالیں آپ کو ملیں گی کہ ظاہری طور پر وہ کسی پیغمبر کی شاگردی میں/دعوت میں تھے، اور اِس مطلب کو جاننے کے لئے جو اسماعیلی علوم ہیں اُن کی (study) ضروری ہے جو بڑی بڑی کتابیں ہیں لیکن افسوس کہ وہ سب عربی میں ہیں۔ اب مزید آیئے اِس کی وضاحت کریں کہ کوئی بھی بزرگ، کوئی بھی پیر علم کے بغیر نہیں ہوا ہے، ہاں! یہ بات صحیح ہے کہ کسی کو کم علم چاہئے اور جس کا باطن بہت صاف ہو، ایمان بہت مضبوط ہو، امامؑ پر بھروسہ ہو، بہت محبّت ہو تو وہ تھوڑا سا علم کام کرے گا، اور جس کے دل میں شکوک وشبہات بھرے ہوئے ہوں اور جس نے بہت سے دُوسرے لوگوں کے ساتھ زندگی گزاری ہو اور دُوسروں کی باتیں اُس کے باطن میں بھری گئی ہوں

تو اُس کے لئے زیادہ علم چاہئے۔کسی چیز کو دھونے کے لئے تھوڑا پانی بھی کافی ہوسکتا ہے اور بعض دفعہ اُس میں زیادہ پانی بھی صَرف ہوتا ہے، لیکن پانی تو چاہئے، تو علمُ الیقین ایک پوری [سیڑھی] ہے جس کے بغیر عینُ الیقین کی پوری [سیڑھی] پہ قدم رکھنا دشوار ہے تو اِس کے بعد پھر حقُ الیقین ہے، اِس لئے لازمی طور پر ظاہری علم کی ضرورت ہے اور بہت سے لوگوں کو پھر میں دُہراتا ہوں کہ آنحضرتؐ کی مثال میں دھوکہ ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اَن پڑھ تھے، اَن پڑھ اِس معنی میں صحیح بھی ہے کہ وہ لکھتے نہیں تھے، لیکن وہ امامؑ کی ظاہری پرورش میں تھے، بہرحال یہ سوال کا جواب یہاں پر ختم کریں گے کہ قرآن کے اندر پیغمبروں کا ایک سلسلہ ملتا ہے اور ہر کامیاب بزرگ کی کامیابی کا راز اِس میں مضمر ہے کہ اُس کا کوئی استاد تھا اور جس نے اُس کو علمُ الیقین کی دولت سے مالامال کر دیا یہ بات ہے۔

ایسا ہے کہ وہ کئی طرح سے ہے اور کم سے کم دو طرح سے ہے یہ کہ فرض کریں کوئی مومن اِس دُنیا سے گزر گیا لیکن ابھی دُنیا جو ہے وہ مٹی نہیں ہے، یہاں اِس دُنیا کے اندر بہت سے لوگ رہتے ہیں تو وہ مومن جو ہے وحی کے فرشتوں کے ساتھ مل کر کام کرنے لگے گا اور اِن دُنیا والوں کو فیضِ علم پہنچانے کا کام انجام دے گا، چونکہ آپ جانتے ہیں کہ خدا بذاتِ خود کوئی کام نہیں کرتا ہے، خدا بادشاہ ہے اور بادشاہ کا تصوّر یہ ہوتا ہے کہ اُس کے کام کرنے والے ہوتے ہیں حشم ہوتے ہیں، خدام ہوتے ہیں وغیرہ اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ ہر فرد کے لئے ایک الگ جبرائیل ہوتا ہے، یہ بات اسماعیلی حقیقت میں صحیح نہیں ہے کہ ایک ہی جبرائیل ہے جو کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے ساتھ وہی رہتے آیا اور اب بھی وہی ہے یہ بات اگر ایک طرح سے صحیح ہے تو دُوسری طرح سے صحیح نہیں ہے، صحیح اِس معنی میں ہے کہ ہاں! فرشتوں کے آپس میں جو اتحاد اور (unity) ہوتی ہے اُس میں سوچا جائے تو وہی جبرائیل ہے، لیکن جب ہم افراد کو لیتے ہیں یا شخصیتوں کو لیتے ہیں یا اناؤں کو شمار کرتے ہیں تو وہ جبرائیل نہیں ہے۔ اِس لئے ہوسکتا ہے کہ کسی ایک مومن کو جبرائیل کا کام کرنا ہو، اسرافیل کا کام کرنا ہو، عزرائیل کا کام کرنا ہو وغیرہ، یہ بھی علم کا کام ہوا مثلاً وحی پہنچانا، الہام دینا، توفیق دینا، تائید کا کام کرنا، یہ سب فرشتوں کا ہی کام ہوا۔ اِس کے علاوہ عالمِ ذرّ ایک عالم ہے، عالمِ ذرّ ذرّات کی ایک دُنیا ہے، اُس کے اندر سب لوگ ہیں، سب لوگوں کی نمائندگی ہے کافروں کی بھی نمائندگی ہے اور وہ کتنے ہیں؟ دنیائیں فی کس، فی مومن، ایک عالمِ ذرّ ہے، ہم میں سے ہر ایک کے اندر عالمِ ذرّ ہے، اُس عالمِ ذرّ کے اندر کائنات والوں کی رُوحیں موجود ہیں، لیکن ذرّات میں، اُس میں سے ہر ذرّے کی ایک خودی ہے ایک انا ہے وہ گفتگو کرتی ہے تو اُس عالمِ ذرّ کے اندر آپ نے اُن کو تعلیم دینی ہے، آپ کو اپنے لئے ایک بہشت بنانی ہے تو کتنی اچھی بات ہے کہ ایک بہشت آباد کرنی ہے، اور ایک دُنیا بنانی ہے اور اُن کو راہِ راست پر لانا ہے، اُن کو معرفت سے مالامال کرنا ہے تاکہ وہ سب ذرّات آپ ہی کے ہو جائیں، تو اِس سے آپ کو یہ (spiritual kingdom) قائم ہو جائے، پھر وہ علم کی بات آ گئی تو ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' (۱۷۲:۷)۔ یہ عالمِ ذرّ کی بات

ہے، اب اِس آیت کو قرآن میں لیں گے تو پتا چلے گا کہ خداوندِ عالم نے نسل آدم کو آدمؑ کی اولاد میں سے، لوگوں کو آدمؑ کی اولاد میں سے لے لیا، یہ بات ازل کی طرف نہیں جاتی ہے یہ بات ''اَلَسْت'' کا جو قصّہ ہے آپ اچھی طرح سے سُن لیں اور اس میں مزید سوال ہو تو بے شک کریں، ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ یہ جو قصّہ ہے یہ آدمؑ سے اُس طرف نہیں جاتا ہے [یعنی] ازل کی طرف، بلکہ آدمؑ سے اِس طرف آتا ہے وہ کیوں کر؟ وہ کیونکہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اولادِ آدمؑ کی پشتوں میں سے میں نے رُوحوں کو لے لیا، تو اِدھر اولادِ آدم کی ضرورت ہے۔

آپ باور کریں گے کہ جب کسی مومن کی انفرادی قیامت برپا ہو جاتی ہے تو اُس موقع پر دُنیا والوں کی پشتوں سے ایک ایک ذرّہ لے لیا جاتا ہے اور سب ذرّات اُس مومن میں حاضر کئے جاتے ہیں، کس میں؟ جس کی انفرادی قیامت برپا ہوئی ہے، اب وہاں پر یہ سوال ہوتا ہے، ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' خدا دُنیا والوں سے نہیں کہتا ہے کہ ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ ایسا نہیں کہتا ہے یہ عالمِ ذرّ میں ہوتا ہے اور عالمِ ذرّ یعنی ہم میں سے ہر ایک کے اندر پوشیدہ ہے، بحدِّ امکان اور یہ فعل میں اُس وقت آتا ہے جب کہ ہم میں سے کسی کی انفرادی قیامت برپا ہو جاتی ہے، تو اُس وقت دُنیا بھر کے لوگوں کی نمائندگی ہوتی ہے، نمائندگی میں اُن کا ایک ذرّہ آ کر (represent) کرتا ہے، تو سب لوگ ذرّوں کی شکل میں جب ہمارے اندر حاضر ہوتے ہیں تو وہاں معرفت کی باتیں ہوتی ہیں، خدا کی باتیں ہوتی ہیں تو اُس وقت آپ کی رُوح اُن پر سرفراز ہوتی ہے۔ چونکہ قیامت آپ کی ذات میں برپا ہو گئی تو آپ کی رُوح کو یہ (kingdom) دینی ہے اور یہ ایک دُنیا بن گئی کہ سب دُنیا والے اپنی (history) کے ساتھ، اپنے کارناموں کے ساتھ، اپنی زندگی کے ساتھ، اپنی ہر چیز کے ساتھ، اپنی تصاویر کے ساتھ، اپنے ذرّات کی شکل میں جمع ہو گئے۔ جب جمع ہو گئے تو وہاں اُن کو یعنی کہ رُوحانیت کی تعلیم دینی ہو گی، وہاں رُوحانیت کی باتیں ہوں گی وہ ایک مکتب ہو گا تو آپ تعجّب کریں گے کہ آپ کی رُوح دن اور رات اُن کے ساتھ علم میں مصروف ہے اور باتیں ہوتی ہیں اور پھر بزبانِ حال یا بزبانِ قال خداوند اُن سے پوچھے گا ''میں تمہارا پروردگار ہوں یا نہیں ہوں؟'' چونکہ اُن ذرّات پر خداوندِ عالم نے اپنی ربوبیت یعنی اپنی خداوندی اُن پر ظاہر کی اور اُن پر معجزات گزرے اور بہت سی چیزوں کو اُن ذرّات نے دیکھ لیا تو یہ بھی رُوحانی تعلیم کا ایک ثبوت ہے۔ اِس کے علاوہ اور اِس سے بڑھ کر یہ بہت اچھی بات ہے ابھی اِس کو تشریح کے ساتھ لکھنا چاہئے یا بتانا چاہئے کہ انکشاف ہوا ہے وہ تین جسموں کا انکشاف ہوا ہے، ایک یہ جسم دو اور جسم ہمارے، اُن کے بہت سے نام ہیں ان کو آسٹرل باڈی بھی کہتے ہیں، جثۂ ابداعیہ بھی کہتے ہیں، لطیف جسم بھی کہتے ہیں، فلکی جسم بھی کہتے ہیں،، بہت سے نام ہیں۔

ٹرانسکرائب: حبیب اللہ ٹائپنگ: اکبر علی پروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی ق س کا پُرحکمت بیان

عنوان: تصوّف، انسانی اختیار، نورِ ہدایت (۳۵:۲۴)

کیسٹ نمبر: ۴۷ تاریخ: ۳۱/مئی/۱۹۸۱ کراچی

Click here for Audio

[درویشی] آج سے نہیں ہے بلکہ یہ انسانیت کے آغاز ہی سے چلی آئی ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے مذاہب کی تواریخ میں جا کر دیکھیں تو یقیناً آپ کو اِس کا علم ہو جائے گا کہ درویشی بہت پہلے سے ہے۔ آسمانی کتابوں کو اُٹھا کے دیکھیں تو پتا [چلے گا] کہ درویشی ہمیشہ سے ہے، درویشی زمانے میں جو سچّا مذہب ہے اُسی میں سے اُبھرتی ہے۔ چلئے زمانۂ رسولؐ کو دیکھیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کئی موقعوں پر مولانا علی علیہ السّلام کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ آپ آنحضرتؐ کے بعد طریقت، حقیقت اور معرفت کا کام کرینگے۔

اسلام کے اندر تصوّف ایک مسلّمہ حقیقت ہے، کوئی بھی ہوشمند مسلمان تصوّف سے انکار نہیں کرسکتا اور تصوّف درویشی ہے، کیوں؟ شریعت اِس کے لئے کافی نہیں ہے یعنی حصولِ مقصد کے لئے شریعت کافی نہیں ہے۔ شریعت ایک ایسا قانون ہے، شریعت ایک ایسا لائحۂ عمل ہے جو کہ سب کے درمیان مشترک ہے، اُس میں کمزور کو بھی رکھا گیا ہے، بیمار کو بھی رکھا گیا ہے، بوڑھے کو بھی رکھا گیا ہے اور زیادہ کاروبار کرنے والے کو بھی رکھا گیا ہے۔ اُسی کے مطابق ایک عبادت مقرّر کی گئی ہے تاکہ سب کے لئے آسان ہو، لیکن درویشی اِس سے بڑھ کر ہے۔ اگر شریعت رُوحانیّت کے لئے کافی ہوتی تو سب شریعتی لوگ رُوحانی بن جاتے، ایسا نہیں ہے۔ شریعت وہ منزل ہے جس میں کہ ابھی ابھی اسلام کا آغاز ہوتا ہے اور باہر کے مذاہب سے لوگوں کو دعوت دے کر شریعت کی تعلیمات پیش کی جاتی ہیں، تو پھر شریعت اِس مقصد کے لئے کیسے کافی ہو سکتی ہے؟ اِس لئے ضرورت تھی اِس بات کی کہ اسلام کے اندر تصوّف اُبھرے اور درویشی کا کام آگے بڑھے، تو یہ زمانۂ رسولؐ سے شروع ہوا تھا۔

اصحابِ صُفّہ اسلام کے اندر ایک مشہور قصّہ ہے کہ رسولؐ کے زمانے میں اصحابِ صُفّہ کے نام سے کُچھ لوگ رہتے تھے، وہ درویشوں کی ایک ٹولی تھی، وہ ذکر و عبادت کیا کرتے تھے۔ درویشی اور تصوّف یا کہ طریقت و حقیقت کا سرچشمہ مولانا علیؑ کی ذاتِ اقدس تھی۔ آج کوئی بھی تصوّف کی مُستَنَد کتاب اُٹھا کے دیکھیں، تو اُس میں تصوّف کا سلسلہ علیؑ کی ذاتِ عالی صفات سے ملایا گیا ہے، تو علیؑ ہی درویشی اور تصوّف کے اور حقیقت کے سرچشمہ ہیں۔ اِس کے بعد آیئے حضرت مولانا

امام سلطان محمّد شاہ صلوات اللہ علیہ کے فرامین کو اُٹھا کے دیکھیں، مولا فرماتے ہیں کہ اسماعیلی مذہب درویشی کا مذہب ہے پھر فرماتے ہیں کہ تصوّف تو طریقت ہے اور اسماعیلی مذہب حقیقت ہے تصوّف ایک منزل پیچھے ہے اور اسماعیلیت ایک منزل آگے ہے (دارالسّلام۔ ۲۹۔۹۔۱۸۹۹ء)

جب ہمارا مقام یہ ہے تو ہم کیسے جدو جہد نہ کریں رُوحانی ترقّی کے لئے؟ ہر کوئی اپنے مقام کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اگر ہمارا زمانہ شریعت کا زمانہ ہوتا تو ہم صرف شریعتی کام کرتے اور اُس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں کرتے۔ جب ہمارا زمانہ حقیقت کا ہے، رُوحانیت کا ہے تو ہمیں چاہئے کہ حقیقی اسماعیلیوں کی طرح حُصولِ رُوحانیّت کے لئے جدو جہد کریں۔ یہ قصّہ آپ سُن چکے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے صحابۂ کبار کے ساتھ کسی جہاد سے واپس آرہے تھے تو راستے میں برسبیلِ تذکرہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے کامیابی کے ساتھ واپس بڑے جہاد کی طرف جارہے ہیں [رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ] تو کسی صحابی نے پوچھا کہ یا حضرتؐ وہ بڑا جہاد کونسا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ بڑا جہاد جہاد بالنّفس ہے یعنی نفس امّارہ کے خلاف جہاد [اَفْضَلُ الْجِهَادِ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ]۔

جب یہ حقیقت ہے تو اپنے آپ سے پوچھ لینا چاہئے کہ ہم نے اِس ارشاد پر کب عمل کیا اور کیسا کیا؟ اور اِس سے کتنا ہم کو فائدہ ملا؟ اِس کے علاوہ امامؑ بہت ساروں کو اُن کی خواہش پر، اُن کی آرزو سے رُوحانی لشکر میں داخل کر لیتے ہیں، یعنی بول دیتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ''بول'' کیا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ ''بڑے کام'' کے کیا معنیٰ ہوتے ہیں اور یہ جو بڑا کام ہے وہ کتنا بڑا ہے؟ آخر اِس کی بڑائی، ضخامت، عظمت کا کوئی اندازہ ہونا چاہئے، اِس کا کوئی معیار ہونا چاہئے، تو میرے خیال کے مُطابق یہ اتنا بڑا ہے جتنا کہ پیغمبروں کے لئے بڑا ہونا چاہئے، یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ یہ کام بڑا اِس معنیٰ میں ہے کہ یہ پیغمبروں کا کام ہے اور اماموں کا کام ہے۔ ابھی آپ سمجھ گئے کہ اِس کو بڑا کام کیوں کہا گیا؟ سخت ہے، مشکل ہے، جہاد (type) کا ہے، اِس میں نفس کے خلاف جہاد کرنا پڑتا ہے، اُس کے سامنے بہت سے خطرات ہیں، بہت سی مشکلات ہیں اور بہت سی گھاٹیوں سے (Cross) کرنا ہوتا ہے۔ اِس لئے اِس کا نام بڑا کام ہے، فارسی میں ''کارِ بزرگ'' کہتے ہیں، یہ بہت بڑا کام ہے، تو آج جنہوں نے لیا ہے بڑے آرام سے ہیں، جدو جہد کرنے کے بجائے اور پھر جو تھوڑی بہت جدو جہد بھی کریں تو اُن کے بارے میں کُچھ نہ کُچھ کہا جاتا ہے، خیر یہ تو انسانی فطرت ہے ہوتا رہتا ہے۔

جو دانشمند ہے اُس کو سوچنا چاہئے کہ جو کام وہ کر رہا ہے وہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ اتنا شُعور تو ہر مومن میں ضرور ہوتا ہے۔ اسماعیلی جن کی تعریف ہوتی ہے اور جن کی تعریف امامؑ خود کرتے ہیں تو ایک اسماعیلی کیسا ہوتا ہے؟ کہ وہ ایسے کام کو کرے جو کہ نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اُسے چاہئے [کہ] ایسا کام کرے جو صحیح ہے اور جس سے فائدہ ہو اور دین کو قوّت ملے اور

اُس کے نتیجہ میں جماعت کو فائدہ ہو، اور جماعت کو فائدہ یہ ہے کہ ایک اسماعیلی اگر سُدھر گیا اور اُس کی رُوحانی ترقّی ہوئی اور اُس نے کسی مقام کو حاصل کیا تو ضرور نتیجہ کے طور پر اِس سے جماعت کو فائدہ ہوگا، کیسے فائدہ نہیں ہوگا؟ آج ایک (volunteer) سے فائدہ ہے اور ایک (social worker) سے جماعت کو فائدہ ہے، ایک ڈاکٹر سے بھی فائدہ ہے، ایک لیڈر سے تو زیادہ فائدہ ہے، ایک عملدار سے ضرور فائدہ ہے، ایک واعظ سے بہت فائدہ ہے۔ اِس طرح اگر کوئی شخص ایسا پیدا ہو جائے کہ رُوحانیّت میں اُس نے کافی مہارت حاصل کی ہے یا کوئی ترقّی کی ہے تو کیا اُس سے جماعت کو فائدہ نہیں ہوگا؟ ضرور فائدہ ہوگا، تو یہ ہے کہ جو کام جماعت کے مفاد کا ہو اور جو اچھے کاموں میں لگے ہوئے ہیں اُن کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے اور یہ ہے درویشی سے متعلّق چند باتیں۔

یاد رہے کہ آگے چل کر زمانہ بہت عجیب وغریب آنے والا ہے، اُس میں رُوحانیت کے انقلابات آئینگے۔ اُس کے لئے اسماعیلیوں کو چاہیے کہ وہ رُوحانیّت سے آگاہ ہو جائیں، عبادت میں، بندگی میں اور رُوحانی ترقّی میں کوئی مقام اپنے لئے پیدا کریں اور مولا نے اُن کو جو رستہ بتایا ہے اُس پہ چلیں اور جماعتی جو احکام ہیں، جو آئین ہے، جو ادارے ہیں اُن سے تعاون کریں، اُن کی تابعداری کریں، لیکن عبادت میں منع نہیں ہونی چاہیے، زائد عبادت ہو۔ دیکھیں اسلام میں رہتے ہیں ہم، اسلام میں سے ہم ایک جماعت ہیں یا ایک فرقہ ہیں، تو اسلام نے نفل عبادت کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ نفل اور کُچھ نہیں ہے زائد یعنی (extra) بندگی کو کہتے ہیں اور (extra) بندگی کی یہ تعریف ہے کہ خدا فرماتا ہے حدیثِ قدسی میں، میرا بندہٴ مومن زائد یعنی فاضل اور (extra) عبادت میں کرتے کرتے آرام نہیں لیتا ہے، یہاں تک کہ وہ مجھ سے محبّت کرتا ہے اور میں اُس سے محبّت کرتا ہوں اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو نتیجہ اُس کا یہ ہوتا ہے کہ میں اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں سو وہ مجھ سے دیکھتا ہے، یعنی میرے نور کی روشنی میں دیکھتا ہے اور میں اُس کے کان بن جاتا ہوں، یعنی میرا نُور اُس کے کانوں میں کام کرنے لگتا ہے اور نتیجہ کے طور پر وہ اپنے کانوں سے نہیں سنتا ہے بلکہ میرے نُور سے سنتا ہے۔ میں اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں یعنی میرا نور اُس کے ہاتھوں میں کام کرنے لگتا ہے سو وہ میرے نور کے ذریعے سے پکڑتا ہے، اور میں اُس کا پاؤں بنتا ہوں، یعنی میرا نور اُس کے پاؤں میں کام کرتا ہے سو وہ میرے نور سے چلتا ہے۔

اب آپ سوچئے کہ اللہ کی شفقت ومہربانی کی کیا حد ہے کہ وہ بندہٴ مومن کے اعضاء میں تبدیل ہو جاتا ہے یعنی اُس کا نور بندہٴ مومن کی ہستی میں داخل ہو جاتا ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ بندہٴ مومن خدا کے نور میں فنا ہو جاتا ہے تو اُس کی کوئی خودی نہیں رہتی ہے، اُس کی خودی [جو ہے] وہ خدا کے نور میں فنا ہو جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”قلب العبد المومن بین اصبعین من اصابع الرحمان“ بندہٴ مومن کا دل رحمان کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے ”وھو یقلبُ کیف یشاءُ“ اور خدا جیسا گھمانا چاہے، جیسا پھرانا چاہے دل کو اِس طرح گھماتا ہے پھراتا ہے، یعنی

خدا ایک وقت میں بندۂ مومن کے دل کو (use) کرتا ہے [إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ، كَقَلْبٍ وَاحِدٍ، يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ۔ (صحیح مسلم،کتاب القدر،باب: تصرف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شاء، حدیث نمبر: ۶۷۵۰]

یہاں پر ایک اور مثال میں آپ کو پیش کروں کہ خداوندِ عالم نے ابتدا میں اپنی امانت آسمانوں کے سامنے پیش کی اور کہا کہ آسمان کیا تم میری امانت کو اُٹھا سکتے ہو۔ آسمان ڈرا اور انکار کیا اور زمین کے سامنے پیش کیا، پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو اِن میں سے کسی چیز کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ خدا کی امانت کے بوجھ کو اُٹھائے، آخر میں انسان نے اِس امانت کے بوجھ کو اُٹھالیا (۳۳:۷۲)۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ امانت کا بوجھ کیا تھا؟ حافظؒ اِس سلسلے میں کہتا ہے کہ:

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید　　قرعۂ کار به نام من د یوانه زدند

ترجمہ: آسمان سے یہ نہیں ہو سکا کہ خدا کی امانت کا جو بوجھ ہے وہ اُٹھاوے، اُس سے یہ نہیں ہو سکا، یہ (lottery) اِس دیوانہ کے نام پر آگئی، یعنی انسانیت کی طرف سے (interpret) کرتے ہوئے کہتا ہے، تو سوال ہے کہ یہ امانت کا بوجھ کیا تھا؟ جس کو انسان نے غلطی سے یا نادانی سے یا دانشمندی سے، ہوشمندی سے یا فائدے کی خاطر اُٹھالیا تو وہ کیا بوجھ تھا وہ امانت کیا تھی؟ اصل میں علم کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ اختیار تھا جو آج یہ اختیار ایک (burden) ہے، ایک بوجھ ہے۔ یہ بوجھ کسی کے اُوپر نہیں ہے، آپ علم سے ملائکہ کے بارے میں پوچھیں، تو آپ ملائکہ کو اِس سے بَری پائینگے، ملائکہ کے اُوپر یہ بوجھ نہیں ہے، اُن کو اختیار نہیں ہے وہ (automatic) ہیں نیکی کی طرف۔ حیوانات میں جا کر دیکھیں آیا اُن میں یہ امانت کا بوجھ ہے؟ اُن میں بھی آپ اِس کو نہیں پائینگے، نہیں دیکھیں گے وہ (automatic) ہے شرّ اور فساد اور بُرائی کی طرف، جو جانور ہے، انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کے اُوپر اختیار کا بوجھ رکھا ہوا ہے۔ اب دیکھیں یہ امانت ہے! لفظ کو یعنی معنی سے حکمت سے سُن لیں، یہ امانت ہے، تو کس (sence) میں امانت ہے؟ آپ قرآن کی حکمت میں دیکھیں اختیار کے بارے میں تو آپ کو وہیں سے جواب ملے گا کہ یہ ایک وقت تک ہے، یہ (burden) ایک وقت تک ہے۔ ابھی ابھی اِس کے (connection) میں، میں نے ایک حدیث آپ کو بتلائی تھی، ایک وقت ایسا آئے گا کہ رحمٰن آپ کے دل کو دو انگلیوں میں لے لیگا اور وہی گھمائے گا، وہ آپ کے (control) سے باہر جائے گا، ایک اور اُس کے آگے یہ جو میں نے حدیث کہی تھی کہ خدا ایک وقت میں آپ کی آنکھ بن جائے گا، کان، ہاتھ، پاؤں۔ اب آپ بتائیں کہ [کیا] اُس وقت آپ کا اختیار رہے گا؟ اختیار امانت تھا تو امانت جو ہے وہ سونپنے کے لئے ہوتی ہے اور اِس کے لئے ایک وقت ہے، ایک حد ہے۔ وہ یہ کہ جب تک رحمان آپ کے قلب کو دو انگلیوں میں لیتا ہے تو اُس وقت آپکا اختیار نہیں ہے، یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ یعنی اِس مقام سے قریب ہو جائیں اور کُلی طور پر ایسا بھی نہیں کہ یعنی پوری طرح سے رحمان نے

آپ کے دل کو اپنے (conrol) میں لیا ہے، لیکن بہر حال آپ اِس کے قریب ہو گئے اور دُوسری مثال اسی ثبوت کے لئے میں آپ سے کہونگا [کہ] آج کی اِس دُنیا میں آپ توکّل کے معنی کسی سے پوچھیں تو وہ آپ کو نہیں بتا سکیں گے کہ توکّل کیا ہے؟ وہ لفظی طور پر شاید بتائینگے لیکن حقیقت نہیں بتا سکیں گے، حکمت نہیں بتا سکیں گے، توکّل اُس کو کہتے ہیں کہ ایک وقت میں خداوند بندۂ مومن کا وکیل ہوتا ہے یعنی توکّل صفت ہے وکیل کی یا توکّل وکیل بنانے کو کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں توکّل کرو یعنی اِس کا مطلب ہے کہ خدا کو یا کہ امام کو اپنا وکیل بناؤ تو یہ بنانا نہیں ہے، اِس کے لئے وقت ہے جب وقت آئے گا تو یہ کام خود بخود ہو جائیگا۔

آپ قرآن میں دیکھیں ایک مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنے صحابیوں کو اور اپنے پیروؤں کو فرماتا ہے کہ دیکھو تم پہلے ایمان کو درجۂ کمال تک پہنچاؤ اور پھر اُس کے بعد توکّل کرو (۱۰: ۸۴)۔ یعنی ایمان کے جو مراحل ہیں وہ پہلے آتے ہیں اور جو توکّل کا مقام ہے وہ کافی آخر میں ہے اور اُس میں یہ جو اختیار ہے یہ اُٹھا لیا جاتا ہے یا جیسے جیسے آپ منزلِ مقصود سے قریب ہو جائینگے تو اُس وقت یہ اختیار کم سے کم تر ہوتا ہے اور دُوسرے (sence) میں اسی چیز کو لیں، امامؑ نے فرمایا ہے کہ جو مومنین دین کے فلسفہ کو بھی پڑھیں، عبادت و بندگی بھی کریں تو وہ فرشتے بن جاتے ہیں، ٹھیک ہے۔ ابھی ابھی بات چلی تھی کہ [کیا] فرشتوں کا اختیار ہوتا ہے؟ نہیں ہوتا ہے! اُن پر اختیار نہیں ہے تو پھر آپ جب فرشتہ بننے کے لئے قریب ہو جائینگے یا فرشتہ بن جائینگے تو اُس وقت لازمی طور پر آپ کا اختیار نہیں رہے گا، آپ کا اختیار نہیں رہے گا! مثال کے طور پر کہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا اپنا کوئی اختیار نہیں تھا وہ اختیار کے مقام پر نہیں تھے، وہ خدائی اختیار کی زد میں آ گئے تھے، یا یوں کہنا چاہئے کہ اُس کا اختیار خدا کے اختیار سے جا ملا تھا، تو اختیار کے سلسلے میں یعنی آپ کو کافی مواد ملا، اختیار ہے، ایک حد تک ہے، ایسا نہیں کہ پوری کائنات پر ہمارا اختیار چلتا ہے، یہ نہیں! ایک دائرہ ہے، ایک (circle) ہے، محدود اور ہماری حیثیّت کے مطابق اُس دائرے کے اندر ہمارا اختیار چلتا ہے اور جیسی جیسی ہماری قابلیتیں بڑھتی چلی جاتی ہیں تو یہ دائرۂ اختیار بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ ہمارا جو دائرۂ اختیار ہے یہ پھیلتے پھیلتے وہاں جاتا ہے جہاں کہ خدا کا دائرۂ اختیار ہے تو اُس وقت یہ جو دائرہ ہے وہ فنا ہو جاتا ہے۔ آپ نے کسی تالاب میں کوئی پتّھر پھینکا ہے، اُس میں سے ایک لہر اُٹھتی ہے وہ لہر پھیلتے پھیلتے کنارے تک جاتی ہے اور کنارے سے لگ کر وہ وہاں فنا ہو جاتی ہے اور پھر دُوسری لہر اُٹھتی ہے، تیسری لہر اُٹھتی ہے، یہ سرکل ہے آخر میں جا کر [یہ لہر] کنارے پر ختم ہو جاتی ہے۔ تو اسی طرح یعنی ہمارے اختیارات کی بھی یہی مثال ہے، ہمارے اختیارات خدا کے اختیار کے اندر محدود ہیں (limited) ہیں۔

آج کا موضوع ہدایت ہے اِس لئے کہ ہدایت دین اسلام میں ایک بنیادی موضوع ہے اور یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ دُوسرے تمام موضوعات اِس میں شامل اور داخل ہو جاتے ہیں اور اسماعیلی مذہب میں اِس موضوع کی بہت

بڑی اہمیت ہے۔ ہم نے گزشتہ مجلس میں تھوڑی سی مگر جامع انداز میں ہدایت پر گفتگو کی تھی مجھے لگتا ہے کہ آپ کو وہ گفتگو بہت اچھی لگی تھی، آج ذرا وضاحت سے اِس پر بات چیت کرینگے اور آپ اپنے اپنے سوالات کو بھی تیار رکھنا اور اگر اِس گفتگو کے دوران آپ کے بہت سے سوالات حل ہو جاتے ہیں تو ٹھیک نہیں تو بعد میں سوالات کرنا، سوالات اِس موضوع سے بھی کرنا اور آپ جو لے کے آئے ہیں اُس انداز سے بھی سوالات کو پیش کرنا۔ ہدایت کے سلسلے میں ایک بُنیادی بات تو یہ ہے کہ خداوندِ جلیل و جبّار اپنی پُرحکمت کتاب میں یعنی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے، ''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ'' (۳۵:۲۴) اللہ تعالیٰ کائنات کی ہدایت کا نور ہے۔ اب دینی زبان میں آسمان اور زمین کہنے کے بعد اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے، ہم نے اِس کا مختصر ترجمہ کائنات سے کیا اور کہا کہ اللہ کائنات کی ہدایت کا نور ہے اور آپ جانتے ہیں کہ کائنات کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ جب خدا نے کائنات کہا یا ارض وسماء کہا تو اُس میں خدا کی مُراد ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے پھر اِس سے کوئی چیز باقی نہیں رہی تو خداوندِ عالم کا یہ ارشاد کہ وہ اِس کائنات کا نور ہے تو اِس نور سے ہدایت مُراد ہے، (guidance) جسے کہتے ہیں۔ اب اِس کائنات کے اندر چیزوں کو دیکھیں کہ سب سے پہلے بے جان چیزیں آتی ہیں جن کو جمادات کہا جاتا ہے، اُس کے بعد نباتات کا درجہ ہے، پھر حیوانات آتے ہیں اور اُس کے بعد انسان اور انسانوں سے اُوپر فرشتے۔ چنانچہ اللہ نے جس ہدایت کا یہاں ذکر فرمایا اُس ہدایت سے نہ تو بے جان چیزیں خالی ہیں اور نہ اُگنے والی چیزیں، نہ جانور، نہ انسان اور نہ ملائکہ۔ تمام چیزوں پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی بارش برستی ہے یعنی کوئی چیز اللہ کی ہدایت سے خالی نہیں ہے لیکن جس طرح یہ مخلوقات درجات پر ہیں کہ ایک مخلوق سے دُوسری مخلوق بڑھ کر ہے اور پھر تیسری مخلوق اِس سے اُوپر ہے اور چوتھی مخلوق اِس سے بھی آگے ہے، اسی طرح ہدایت کے بھی مراتب ہیں، ہدایت کے بھی درجات ہیں۔ چنانچہ بے جان چیزوں میں اور نباتات اور حیوانات میں اُن چیزوں کے مطابق ہدایت ہے، اُن کی حیثیّت سے بڑھ کر نہیں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کسی درجہ پر ضرورت سے زیادہ ہو تو وہ ایک بوجھ ہوگا پھر اللہ کی طرف سے رحمت نہیں ہوگی، ظلم و زیادتی ہوگی کہ خداوند نے ایک ناچار سی مخلوق پر ایک بہت بڑا بوجھ رکھا۔

چنانچہ کچھ درجات میں ہدایت جو ہے وہ فطری ہدایت ہے یا طبیعی ہدایت ہے، جس کو آپ (nature) کہتے ہیں فطرت کہتے ہیں، طبیعت کہتے ہیں تو انہی صورتوں میں ہدایت ہے، مثلاً بے جان چیزوں کو لیجئے کہ اُن میں طبیعی ہدایت ہے، پانی کو لیجئے کہ وہ ہمیشہ بلندی سے پستی کی طرف بہتا جاتا ہے، اور جب سمندر کے مرکز پر پانی جمع ہو جاتا ہے تو اُس پر سُورج کی تپش پڑتی ہے، سُورج کی کرنیں پڑتی ہیں، اُس صورت میں اُس مقام پر پانی جو ہے کثیف سے لطیف ہو کے پھر بلندی کی طرف جاتا ہے، یہ ہدایت ہے پانی کی۔ پھر بادلوں کے دوش پر سوار ہو کے دُنیا کے مختلف حصّوں میں پانی، بادلوں کی شکل میں پھیل جاتا ہے پھر اُس سے بارش برستی ہے اور پھر بارش کا رُخ پھر پستی کی طرف ہوتا ہے، یہ پانی کی ہدایت ہے

اور اسی طرح دُوسری بہت سی چیزیں ہیں جن کے اندر اُن کی ضرورت کے مطابق ہدایت ہے۔ اُگنے والی چیزوں میں ہدایت یہ ہے کہ وہ اُگیں اور نشوونما پائیں، جانوروں کی ہدایت یہ ہے کہ اُن کی پرورش ہو، اُن میں بھوک پیاس کا احساس ہے تو اِس احساس کے اندر ہدایت ہے۔ اُن کو بچّوں سے محبّت ہے تو اِس محبّت کے اندر ہدایت ہے، اُن کو دشمنوں سے ڈر ہے تو اِس ڈر کے اندر اُن کی حفاظت کے لئے اللہ نے ہدایت رکھی ہے۔ پھر آیئے انسانوں کی طرف، انسان سب سے پہلے دو حصّوں میں ہے، انسانوں کا ایک گروہ تو بغیر مذہب کے رہنا پسند کرتا ہے اور دُوسرا جو گروہ ہے اُس کا ایک مذہب ہے اور مذاہب بہت سے ہیں۔ لہٰذا لوگ جہاں جہاں کھڑے ہیں اور جیسی اُن کی حیثیّت ہے اور جیسی اُن کی ضرورت ہے اُس کے مطابق اللہ نے اُن کو ایک ہدایت دی ہے کہ اگر وہ لوگ اُس ہدایت پر عمل کریں تو پھر دُوسری ہدایت اُس کے بعد ایکدم سے اُن کو ملے گی۔ مثال کے طور پر ایک کافر ہے اُس کا کوئی دین نہیں ہے، لیکن انسان تو ہے، اُس کے پاس کوئی ضابطۂ اخلاق تو ہے اگر وہ اُس ضابطۂ اخلاق پر عمل کرے اور پابندی سے دُوسرے لوگوں کے حقوق کی قدر کرے تو یہ لازمی بات ہے کہ اُس کے دل میں ایک دن یہ ہدایت آئے گی کہ وہ سوچنے لگے گا کہ دنیا میں کوئی دین بھی تو ہے۔

جب وہ اُس چیز پر عمل نہیں کرے جو اُس کے سامنے ہے تو جو بالاتر ہدایت ہے وہ اُس کو نہیں ملے گی، اسی طرح پھر مذاہب میں آیئے تو مذاہب میں بھی اُن کی حیثیّت کے مطابق ہدایت ہے، پھر اسلام کی ہدایت دُوسرے مذاہب کے مقابلے میں اعلیٰ ہے اور اسماعیلی مذہب کی ہدایت نورانی ہدایت ہے وہ زندہ ہدایت ہے وہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ لیکن پوچھنا یہ ہے کہ اِن ہدایات کا کوئی مرکز بھی ہے یا کہ یہ جو ہدایتیں ہیں اپنے طور سے اِدھر سے اُدھر سے آتی رہتی ہیں؟ اصل میں ہدایت کا ایک ہی مرکز ہے اور اُسی مرکز سے دُنیا کے اندر ہدایت پھیلتی جاتی ہے۔ جس طرح خدا کے قانون کے مطابق اِس کائنات کے لئے، یعنی نظامِ شمسی سے جتنی چیزیں وابستہ ہیں اُن تمام چیزوں کے لئے ایک ہی مقام سے روشنی مہیّا ہو جاتی ہے اور وہ مقام سُورج ہے۔ چاند کو بھی وہیں سے روشنی مہیّا ہو جاتی ہے، ستاروں کو بھی اور اہلِ زمین کو بھی اور تمام چیزوں پر ایک ہی مرکز سے روشنی پھیلتی ہے، بالکل اسی طرح سے ہدایت کا ایک ہی مرکز ہے اور وہ امامؑ ہے۔ آپ پوچھیں گے کہ ابھی ابھی بات خدا سے شروع ہوئی تھی اور خدا ہی نے فرمایا تھا کہ وہ ہدایت کا سرچشمہ ہے، وہ ہدایت کا نور ہے، ہاں! میں یہ بات بُھولا نہیں ہوں، میرے ذہن میں یہ بات ہے، لیکن اِس کی توجیہہ اِس طرح سے ہے کہ بہت سے نام ہیں جو خدا اور رسولؐ کے درمیان مشترک ہیں اور امامؑ بھی اُس نام میں شرکت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر اسی ہدایت ہی کی مثال لیجئے اور ہادی کے اسم کو لیجئے، قرآن میں دیکھیں گے تو کبھی ہدایت کا ذکر اللہ سے متعلّق ہوگا، کبھی رسولؐ سے ہوگا اور کبھی امامؑ سے ہوگا۔ آپ پوچھیں کہ یہ کیوں ایسا ہے کہ ہدایت کبھی اللہ سے منسوب ہو جاتی ہے، اللہ سے (adopt) ہوتی ہے، کبھی رسولؐ سے اور کبھی امامؑ سے، ہاں! تو یہ صحیح ہے یہ تو صرف درجے ہیں، اللہ اور رسولؐ اور امامؑ لیکن حقیقت ایک ہے، لہٰذا امامؑ کی ہدایت

رسولؐ کی ہدایت ہے اور رسولؐ کی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے اور یہ فیصلہ بھی قرآن ہی نے کیا جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ'' (۱۳:۷)۔ اے رسول! آپ پر ہدایت کی ذمہ داری تو نہیں ہے آپ صرف ڈرانے والے ہیں۔ آپ رسول ہیں، آپ پیغمبر ہیں اور ڈرانے والے ہیں، ہدایت کے لئے ایک ہادی تو ہوا کرتا ہے ہر زمانہ میں تو یہ امامؑ کی طرف اشارہ ہے، لیکن امامؑ کی ہدایت رسولؐ سے منسوب ہوسکتی ہے اور رسولؐ کی ہدایت خدا سے منسوب ہوسکتی ہے، اِس لئے خدا کا یہ فرمانا کہ وہ کائنات کی ہدایت کا نور ہے تو یہ بات رسولؐ کو پہنچتی ہے اور رسولؐ سے امامؑ کو پہنچتی ہے اور ہدایت کا نور امامؑ ہی ہے اور امامؑ سے اِس پوری کائنات میں ہدایت کی روشنی پھیلتی ہے یہ بات بتانے کی تھی۔

اِس مقام پر تھوڑی سی بحث نور کے بارے میں کریں وہ اِس طرح سے کہ ہم فرض کرینگے کہ نور کتنے ہیں یا آپ سوال کرینگے؟ نور ایک ہے۔ آپ پوچھیں کیوں ایک ہے اور دو کے ہونے سے کیا نقص پیدا ہوتا ہے؟ دیکھیں! دو کے ہونے سے یہ نقص پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی ناقص قرار پائے گا اور یہ بھی، کیوں؟ اِس میں یہ منطق ہے کہ ایک نور کے ناکافی ہونے سے دوسرے نور کے ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ایک نور ہو جو پوری کائنات کے لئے کافی ہو تو پھر دُوسرے نور کے ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھیں! اِس کمرے کے اندر ایک روشنی ہے یا چند بتّیاں ہیں، لیکن یہ روشنی دُوسرے کمرے میں نہیں جاسکتی ہے اِس لئے مجبوری ہے کہ دُوسرے کمرے میں بھی بتّی لگائی جائے گی، بلب ہونگے، لیکن اللہ کا نور ایسا نہیں ہے کہ وہ کسی گوشے میں نہ پہنچے۔ اللہ کا نور ایسا ہے کہ وہ ہمہ رس ہے اور ہمہ گیر ہے، لہٰذا اُس کو ایک ہونا ہے تو وہ نور ایک ہے، نور ایک ہے لیکن اُس کی نسبتیں، اُس کے رشتے بہت ہیں، رشتے کس (sence) میں؟ کبھی اِس نور کو اللہ کے مرتبے سے منسوب کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اللہ کا نور ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ رسولؐ کا نور، کبھی کہا جاتا ہے کہ امامؑ کا نور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن کا نور ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ نورِ معرفت اور کبھی یہی نور مومن سے منسوب بھی ہوتا ہے، مومن سے منسوب ہوتا ہے! قرآن میں، میں آپ کو بتاؤنگا کہ ایک چیز کئی چیزوں سے منسوب ہوسکتی ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص ہے اُس کی کتنی نسبتیں ہیں، اُس کے کتنے رشتے ہیں، میں آپ کو بتاؤں وہ کسی کا باپ ہے، کسی کا بیٹا ہے، کسی کا ماموں ہے، کسی کا چچا ہے، کسی کا دوست ہے، کسی کا اُستاد ہے، ایک ہی انسان کی کتنی نسبتیں ہیں، کتنے (relations) ہیں، بہت ہیں۔ اسی طرح ایک ہی نور کے بہت سے رشتے ہوسکتے ہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا مولا، خدا کہہ سکتا ہے کہ ہمارے بندے، دیکھا یہ رشتہ جو ہوتا ہے ایک طرف سے نہیں ہوتا ہے، دوطرفہ ہوتا ہے بلکہ کئی اطراف سے یہ رشتہ چلتا ہے۔ اسی طرح نور کے رشتے ہیں، نور کی نسبتیں ہیں تو آپ یہ نہیں بھولنا جب قرآن پڑھتے ہیں یا قرآن سنتے ہیں، آپ دھوکہ نہیں کھانا جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کا نور پھر اِس میں مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے وہی نور پھر رسولؐ سے منسوب ہے اور پھر امامؑ سے منسوب ہے پھر مومن سے بھی منسوب ہے، یہ جاننے کی بات ہے، تو ہدایت کے کیا معنی ہیں؟ (guidance)،

فارسی میں رہنمائی، اُردو میں رستہ دکھانا یعنی ہر چیز کو منزلِ مقصود کی طرف لے جانا، یہ ہدایت ہے۔ مٹّی کے لئے ہدایت یہ ہے کہ اُس کو گھاس بنائیں، گھاس کے لئے ہدایت یہ ہے کہ اُس کو ترقّی دے کر ارتقاء دے کر اُس کو حیوان کی شکل میں لائے، حیوان کی یعنی ہدایت یہ ہے کہ وہ انسان سے ملے، انسان کی ہدایت یہ ہے کہ وہ فرشتہ بنے اور فرشتہ کی ہدایت یہ ہے کہ وہ خدا سے جا ملے، یہ ہدایت ہے یعنی موٹے الفاظ میں، اور اِس ہدایت میں پرورش کے معنی بھی آتے ہیں، ہم نے کبھی سوچا تھا کہ نور کا جو لفظ ہے یا نور کے جو معنی ہیں وہ اِس قدر وسیع ہیں کہ اُس میں اللہ کے جتنے نام ہیں اُن تمام ناموں کے معنی سمو جاتے ہیں۔

میں ایک مثال بتاؤں، خالق، پیدا کرنے والا (creator)، ایک نام ہے اللہ کا لیکن ہم نے دیکھا کہ نور بھی خالق ہے یعنی نور (create) کرتا ہے۔ سُورج سے مثال لیں کہ دُنیا کے اندر جو نور ہے وہ (create) کرتا ہے، چیز کو بناتا ہے، زمین سے کوئی چیز اُگاتا ہے اُس کو پرورش دیتا ہے۔ اب ''ربّ'' یعنی پروردگار پالنے والا، ہم نے دیکھا نور میں پالنے کی تعریف ہے، پالنے کی صفت ہے، پالنے کے معنی ہیں اور اُس کی مثال ہم نے سُورج سے لی کہ وہی یعنی زمین سے رزق پیدا کرتا ہے مادّی طور پر اور وہی نباتات کی بھی پرورش کرتا ہے، جانور کی بھی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ جسمانی طور پر انسانوں کی بھی یہ نور پرورش کرتا ہے۔ پھر اللہ کا ایک نام ہے زندہ کرنے والا، ہم نے دیکھا کہ نور میں یہ تعریف ہے یہ صفت ہے کہ وہ زندہ کرتا ہے اور اِس کی مثال ہم نے سُورج سے دی، نور دُنیا میں مری ہوئی زمین کو گھاس کی صورت میں زندہ کرتا ہے اور اللہ کا ایک نام ہے یعنی کہ مارنے والا، ہم نے دیکھا کہ نور ہی تباہی مچاتا ہے، کسی شہر یا بستی کو بارش برسا کر اور طوفان کے ذریعے سے سُورج نے تباہ کیا، کہیں گھاس، فصل، درخت، اُس کو سورج نے سُکھایا، تو جو جان دیتا ہے وہی جان لیتا ہے اور اُس میں طاقت ہے، بہرحال یہ تو موضوع بہت لمبا ہو جائے گا۔ آپ بعد میں دیکھ لینا کہ آیا یہ صحیح ہے کہ نور کے معنی میں خدا کے سَو ناموں کے جتنے معنی ہیں وہ اُس کے اندر سمو جاتے ہیں اور اِس کے علاوہ ہم نے تجربہ کیا علم کے طور پر اور دُوسرے ذرائع سے بھی [کہ] قرآن کے اندر جتنی آیات ہیں اُن میں سے جو روشنی سے متعلّق آیات ہیں وہ بہت ہی اعلیٰ ہیں۔ آخر وہ تو نور کے بارے میں ہیں اِس لئے سمجھنے کے لحاظ سے، حکمت کے لحاظ سے، معنی کے لحاظ سے، مغز کے لحاظ سے، تاویل کے لحاظ سے جو نور سے متعلّق آیات ہیں وہ بہت ہی حکمت سے بھرپور ہیں اور بہت اُن میں مغز ہے ایک بات، اور دُوسری بات اُن میں سے ایک سردار آیت ہے وہ یہی ہے جو میں نے ابھی بتایا ''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (۲۴:۳۵)، آپ پوچھیں یہ آیت کیوں سردار ہے؟ یہ اِس لئے سردار ہے اور قابل فہم ہے کہ ایک ہی نور کی مثال خدا کے لئے ہے وہی مثال پیغمبر کے لئے ہے اور وہی مثال امام کے لئے ہے، تو ہمارے لئے آسانی ہوگئی کہ کس طرح اللہ اور رسول اور امام کا درجہ ایک ہے۔ ہم کو یہ تعلیم اور یہ درس نور کی آیت نے دیا، اِس سے سمجھ گئے۔ مثال کے طور پر کہ اللہ کہتا

ہے کہ: ''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ''(۳۵:۲۴)۔خدا کائنات کی روشنی ہے اُس کی روشنی کی مثال ایک روشن چراغ کی طرح ، جو طاقچے میں رکھا ہوا ہے،تو خدا نے اپنی ذات کی تشبیہہ روشن چراغ سے دی اور یہ سب سے بڑی بات ہوگئی۔یہی تشبیہہ اُس نے آگے چل کر رسولؐ کے لئے دی اور رسول کو خداوندِ عالم نے ''سراجِ منیر'' کہا کہ آپ روشن چراغ ہیں(۳۳:۴۶)۔سب سے بڑی تعریف جو خدا نے اپنی ذات کے لئے کی تھی وہی تعریف اُس نے رسول کو دی تو چراغ کے اِس تصوّر نے ہم کو یہ آسان کر دیا کہ اللہ اور رسول کا مرتبہ ایک ہے نور میں پھر ایک اور آیت میں خداوند عالم نے فرمایا کہ اے مومنو تم خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرو تا کہ مستقبل کے لئے تمہیں ایک نور مقرّر کرے(۲:۲۵۷)،یہ امامت کے بارے میں فرمایا گیا ہے تو اِس مقام پر امامؑ کو نور کے طور پر پیش کیا اور اِس کے علاوہ بھی۔

ہدایت جس کا مطلب نور ہے اور نور جس کے معنی ہدایت ہے۔بہت بڑا موضوع ہے اور میں نے آپ کو ایک بار اِس کا خاکہ بتایا تا کہ آپ اپنے مختلف مسائل کو ہدایت کے بارے میں پیش کرسکیں،تو میں نے درمیان میں یہ بھی کہا تھا کہ کچھ نام ایسے بھی ہیں جو کہ مرتبۂ خدا، مرتبۂ رسول اور مرتبۂ امام کے لئے مشترک ہیں، جیسے ''ہادی'' کا لفظ خدا کے لئے بھی آتا ہے، پیغمبر کے لئے بھی آتا ہے اور امامؑ کے لئے بھی، اور نور کا جو لفظ ہے وہ بھی اِس طرح تینوں مراتب میں مشترک ہے۔لیکن واقعیت یعنی (guidance)،صحیح (guidance) اور مناسب (guidance) کے لئے امامؑ لوگوں سے زیادہ نزدیک ہے، اگر ہم اللہ کے مرتبے کے متعلّق سوچیں اور اگر اللہ کو رسول اور امام سے الگ بھی مانیں تو اُس صورت میں انسانوں کی رسائی نہیں ہوسکتی ہے اور رسولؐ سے ہدایت لینے کے لئے تو رسولؐ ایک مخصوص وقت میں تھے، اُس میں بھی ہدایت مشکل ہوجاتی ہے۔لہٰذا جس آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ رسول آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا کرتا ہے تو اِس ارشاد کی وجہ یہ ہوئی کہ ہادی اُسے ہونا چاہیے جو ہمیشہ دُنیا میں لوگوں کے درمیان موجود ہو،لہٰذا ہدایت کی ذمّہ داری امام پر آتی ہے اور ہدایت کے مرکز امام ہیں اور اسماعیلیوں کا یہ تصوّر بالکل صحیح ہے کہ امام ہدایت کے سورج ہیں اور نظامِ قدرت کے مطابق کائنات میں، دُنیا میں جو لوگ رہتے ہیں اُن کو امام سے رُوحانی طور پر ہدایت جاتی رہتی ہے۔خواہ کوئی امام کو مانے یا نہ مانے اِس میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن اُن کے مقام پر جو ہدایت چاہیے وہ تو جاتی رہتی ہے اور امام کے پہچاننے سے یہ فائدہ ہے کہ اُس سے اعلیٰ ہدایت ملتی ہے۔مثال کے طور پر سورج اپنی روشنی ہر جگہ پر بکھیرتا ہے لیکن کوئی سائنسدان ہو تو اُس سے زیادہ فائدہ اُٹھاتا ہے۔ایک طرح سے روشنی تو سب کو مہیّا کرتا ہے سورج لیکن جو علم والے ہیں، جو سائنس والے ہیں وہ اِس سے زیادہ فائدہ حاصل کرتے ہیں کہ اُس سے یعنی زیادہ (energy) کو جمع کرتے ہیں، اُس سے زیادہ فائدے لیتے ہیں، مشینیں چلاتے ہیں اور آج کل کے زمانے میں جس طرح سورج سے، سورج کی کرنوں سے جو

(solar system) ہے اُس میں سے بہت سی چیزیں بناتے ہیں۔ اسی طرح اگر امام کو کوئی لوگ نہیں پہچانتے ہیں تو پھر بھی اُن کو ایک طرح سے ہدایت ملتی رہتی ہے مگر وہ ہدایت نہیں ملتی ہے جو اسپیشل ہے، جس سے ترقّی ہوتی ہے، یہ خدا کا قانون ہے۔ اِس صورت میں مثلاً جمادات میں کوئی شناخت نہیں ہے، کیا اُس کو ہدایت نہیں ملنی چاہیے؟ ضرور ہدایت ملنی چاہیے، اُس کے (level) کے مطابق، جانوروں کو بھی ہدایت ملنی چاہیے، کافروں کو بھی ہدایت ملنی چاہیے، اُن کے مقام کے مطابق، لیکن جب وہ اطاعت کریں گے فرمانبرداری کرینگے تو اُن کی ہدایت کے سلسلے میں ترقّی ہوگی اور وہ ایک درجے کے بعد دُوسرے درجے میں آئینگے، اِس طرح کرتے کرتے آگے بڑھیں گے، تو ہدایت کے مراتب ہیں، ہدایت کے (stages) ہیں، ہدایت کے (levels) ہیں، تو کسی بھی (level) پر ہدایت ملتی رہتی ہے، مگر اعلیٰ ہدایت جو ہے وہ پیغمبروں کی ہے اور اولیاء کی ہے اور حقیقی مومنین کی ہے، اِس طرح درجہ بدرجہ ہدایت ملتی رہتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم مومن ہیں ماشاء اللہ، تو اِس میں بھی ہم اپنے مقام کو، ہدایت کے مقام کو آگے بڑھا سکتے ہیں، ہدایت میں ترقّی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ ہم بہت آگے بڑھیں۔ جس طرح اُس مجلس میں ہم نے کہا تھا کہ انسان کو اختیار ہے لیکن جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا ہے تو ایک دن خداوند اِس کے اختیار کو کم کرتا ہے اور ہمارا جو اختیار ہے وہ خدا کے اختیار سے مل کر یہ ختم ہو جاتا ہے تو اُس وقت مومن کا جو اختیار ہے وہ خداوند اپنے ہاتھ میں لیتا ہے، تو اُس وقت ہدایت جو ہے وہ خدا دیتا ہے، (direct) دیتا ہے اور جب ہم اِس مقام سے بہت نیچے ہوتے ہیں تو اُس وقت ہم کو ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے، بہت سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے، بہت سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے، بہت جاننے کی ضرورت ہوتی ہے، بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں مومن کا دل (automatic) ہو جاتا ہے تو اُس میں کوئی خوف نہیں ہے، ایسا مقام پیغمبروں کو حاصل ہے اور اولیاء کو حاصل ہے اور مومن بھی آگے بڑھ سکتا ہے، تو یہ ہدایت سے متعلّق چند عام باتیں ہیں۔ اب آپ پر ہے کہ ہدایت سے متعلّق، (guidance) سے متعلّق، ہادی کے بارے میں کوئی سوال ہو تو مزہ آئیگا، انشاءاللہ۔

انہوں نے کہا کہ کافروں نے آنحضرتؐ سے سوال کیا، اگر آپ سچّے پیغمبر ہیں تو کوئی معجزہ بیان کریں، معجزہ پیش کریں، کیونکہ آیت کا مطلب اکثر و بیشتر معجزہ ہوتا ہے۔ اِس پر خداوند عالم نے حکم دیا کہ اے رسولؐ معجزہ دکھانا آپ کی ذمّہ داری نہیں ہے، صرف آپ ڈرانے والے ہیں اور ہدایت کے لئے ہر قوم میں ایک ہادی ہوا کرتا ہے۔ اِس میں تھوڑی سی وضاحت چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ: ''اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ ؕ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ'' (۱۳:۷) کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کا درجہ یہ ہے کہ ظاہر وحی میں جو کچھ پیغام آئے اُس پیغام کو لوگوں تک پہنچائے اور خدا کی منشاء کے مطابق لوگوں کو آخرت کے عذاب سے آگاہ کریں اور ثواب سے اُن کو آگاہ کریں اور تفصیلی ہدایت کے لئے ہر قوم میں ایک ہادی ہوا کرتا ہے سے مُراد زمانے کے امام ہیں، یعنی ہر زمانے میں جب امام ہوتے ہیں تو امامؑ کا یہ (approach) ہے کہ اُس کے ظاہری اور

باطنی حدود ہوتے ہیں جنہوں نے اِس دُنیا کو (cover) کیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ امام کی طرف سے اقوامِ عالم کے اندر کچھ نمائندے ہیں خواہ وہ ظاہر میں ہیں یا باطن میں ہیں، دین کی اصطلاح میں کچھ کو دن کے حجّت کہا جاتا ہے اور کچھ کو رات کے حجّت۔ دن سے ظاہر مُراد ہے اور رات سے باطن مُراد ہے، یعنی کہنا یہ ہے کہ اِس دُنیا کے اندر جو بھی اچھے لوگ ہیں اُس (level) کے مطابق اور جو لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں، نیکی کا راستہ بتلاتے ہیں، اُس میں خدا کی مصلحت ہے، اُس کے پس منظر میں کچھ حکمت ہے، تو اِس سے معلوم ہوا کہ اِس پوری کائنات کے اندر یعنی ہدایت کا جال بچھا ہوا ہے لیکن وہ ہدایت نہیں جو آپ کو ملتی ہے، اُن کی حیثیّت کے مطابق ہے۔ مثلاً اخلاقی طور پر کس طرح زندگی گزارنی چاہیے اور بُرے کام کون سے ہیں، اچھے کام کون سے ہیں۔ اگر اُن میں سے کوئی آگے بڑھے تو پھر اُس کو ایک دن توفیق ملے گی اور وہ سچّے دین کی تلاش میں نکل جائے گا، نہیں تو موت کے بعد اُس کو کوئی رستے پر ڈالا جائیگا۔

بہر حال خدا کی بادشاہی اسی ایک دفعہ کے لئے نہیں ہے، خدا کی مصلحت میں، خدا کے (program) میں کچھ لوگوں کے لئے بہتری رکھی ہوئی ہے، تو آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ لوگ جو ہیں وہ راہِ راست پر آجائینگے، خواہ کچھ سزا پانے کے بعد یا اِس سے پہلے، تو اِس لئے یعنی ہر قوم کے لئے جو ہادی ہوتا ہے وہ اِس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے اِس دُنیا کو ہدایت کے بغیر نہیں رکھا ہے اور لوگوں کے درمیان خدا کی طرف سے ہادی ہے اور وہ امامؑ ہے اور وہ قابلِ تعریف اِس لئے ہے کہ دیکھیں ہادی یا ہدایت جو ہے اِس کا (connection) ہے صراطِ مستقیم کے ساتھ، کیونکہ ہدایت راہِ راست پر ہوتی ہے اور صراطِ مستقیم کا جو موضوع ہے اسلام کے اندر، اسماعیلی مذہب کے اندر، کس قدر اہمیّت کا حامل ہے، اِس لئے میں نے ہدایت کی تعریف کی تھی کہ یہ صراطِ مستقیم کے ساتھ مربوط ہے، (connected) ہے پھر دُوسری طرف سے یہ نور کے ساتھ ہے اور پھر یہ ہادی کے ساتھ ہے اور جو قرآن کے اندر سبیل یعنی راستے کا جو ذکر ہے تو اِس کے ساتھ اِس کا (connection) ہے، اور پھر (negatively) جو گمراہی کا ذکر آتا ہے وہ بھی اِسی موضوع سے (connected) ہے، کیونکہ گمراہی کا مطلب ہدایت کا نہ ہونا ہے اور راہِ راست سے نکل جانا ہے۔ اِس لئے ہدایت کے موضوع میں گمراہی کا بھی ذکر آتا ہے اور تاریکی کا بھی ذکر آتا ہے، اور تاریکی وہ ہے جو راہِ راست سے باہر ہے، جو نور کے نہ ہونے کا نام تاریکی ہے۔ اسی طرح قرآن کے بہت سے موضوعات اسی (guidance) اور ہدایت اور ہادی کے (circle) میں آجاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ ہدایت کا جو موضوع ہے اُس کی تعریف اِس لئے بھی ہے کہ اِس میں ارتقاء یعنی عروج و ترقّی کا تصوّر ہے جو اسماعیلی نظریہ کے مطابق ہے۔ کیا کہا میں نے؟ ہدایت کے اندر آگے بڑھنے کے معنی ہیں، منزلِ مقصود کی طرف جانے کے اشارے ہیں، اِس لئے بھی یہ قابلِ تعریف ہے، اور بہت سے لوگ اِس تصوّر کو نہیں مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بس شریعت ہی کافی ہے اور وہاں پر ڈٹ کے رہو اور حالانکہ قرآن کے اندر جو ہدایت کی (philosophy) ہے اُس کے

مطابق وہ نظریہ غلط ہے کہ ایک مقام پر چمٹ کر رہیں، وہ صحیح نہیں ہے۔ جب قرآن کے اندر، اسلام کے اندر ہدایت کا تصوّر ہے، صراطِ مستقیم کا تصوّر ہے روشنی کا تصوّر ہے، آگے بڑھنے کا تصوّر ہے تو یہ بات کس طرح صحیح ہوسکتی ہے جو کہا جائے کہ بس یہاں ڈٹے رہو۔

دیکھیں! قرآن کے کسی شروع کے مقام پر ہے کہ خداوندِ عالم نے ایک (example) پیش کی ہے ایک مثال دی ہے۔ وہ مثال ایسی ہے کہ کچھ مسافر لوگ ہیں رات کے وقت کہیں جاتے تھے کہ اُن کے پاس کوئی روشنی نہیں ہے، نہ ہی چاند کی روشنی ہے، نہ ہی ستاروں کہ روشنی ہے اور نہ ہی اُن کے ہاتھ میں کوئی (tourch) وغیرہ ہے، کچھ بھی نہیں ہے۔ تو کیا کرتے ہیں؟ اِدھر اُدھر سے کچھ لکڑیاں جمع کرتے ہیں اور ایک آگ جلاتے ہیں اب آگ جلائی، پڑی پڑی آگ جو ہے مسافر کو روشنی نہیں پھیلا سکتی ہے۔ کچھ جگہ روشن ہو جاتی ہے لیکن کچھ دیر کے بعد وہ آگ بھی بجھ جاتی ہے (۲:۱۷)۔ اِس میں خدا اُن لوگوں کی مثال دیتا ہے جن کے پاس امام نہیں ہے، وہ کتابوں سے اِدھر اُدھر سے کچھ روشنی پیدا کرتے ہیں، اُس عارضی اور بے بنیاد روشنی کی مثال اُس آگ کی طرح ہے جو چلنے والے مسافروں نے رات کے وقت کسی جنگل، بیابان میں جلائی ہے۔ خدا گویا کہ ایسے لوگوں پر طنز کرتا ہے، خدا یہ چاہتا ہے کہ اُن کے پاس ایک کم سے کم (tourch) ہونا چاہیے، لالٹین ہونا چاہیے اور ایسی روشنی ہونی چاہیے کہ وہ اُس کے ساتھ آگے بڑھیں، تو دیکھا آپ نے کہ کچھ لوگوں کو ایسا بھی دھوکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اِس کو روشنی سمجھتے ہیں، لیکن وہ زندہ روشنی نہیں ہے، وہ روان دوان روشنی نہیں ہے، اِس میں بھی اللہ کا مقصود یہ ہے کہ لوگ آگے بڑھیں۔ اگر اللہ کے نزدیک ایک مقام پر پڑے رہنا پسند ہوتا تو اُن لوگوں پر طنز نہیں کرتا جو پڑے پڑے ایک آگ جلاتے ہیں اور بیٹھتے ہیں، تو اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ مسافروں کے ہاتھ میں کوئی شمع ہو، کوئی مشعل ہو، مشعلِ راہ ہو، کوئی (tourch) ہو اور اُس کے ساتھ آگے بڑھے، تو یہ (tourch) اور چلنے والا جو نور ہے وہ امامؑ ہے۔ اِس کے علاوہ قرآن میں آپ کو ایسی کئی آیتیں ملیں گی جہاں نور کا ذکر ہے اور نور کا مقصد چلنا، روان دوان ہو جانا بتایا گیا ہے، تو اُس آیت میں جہاں خدا فرماتا ہے کہ اے مومنو! تم خدا سے ڈرو اور رسول پر ایمان لاؤ تا کہ تم کو ایک نور مقرّر کر دے (۲:۲۵۷)، یعنی تم کو امام کی شناخت دے تا کہ تم چل سکو، کہاں؟ مستقبل میں، (future) میں، تو جب قرآن نازل ہوتا تھا اُس وقت لوگوں سے کہا گیا تھا کہ لوگو! تم خدا سے ڈرنا، ایمانداری اختیار کرنا، سیاست سے کام نہیں لینا، اپنی غرض کو سامنے نہیں رکھنا تا کہ خدا تمہارے لئے ایک ایسا نور مقرّر کرے، اِس پرہیزگاری، اِس تقویٰ کے بدلے میں، اِس ایمانداری کے نتیجے میں کہ جس کی روشنی میں تم مستقبل میں آگے بڑھ سکو، تو آج الحمدللہ! اسماعیلی اِس بات پر پورے اُترے ہیں اور اُن کے پاس یہ چلنے والا زندہ نور ہے۔

ہدایت ایک ایسا وسیع مفہوم ہے کہ اُس کے اندر رُوحانیت کی تمام باتیں آجاتی ہیں۔ مثلاً اسماعیلیوں کے لئے یہ

اجازت ہے کہ ہدایت کے لفظ کو (use) کریں امامؑ کے لئے اور وحی کا جو لفظ ہے اُس پہ پابندی ہے، دیکھیں حالانکہ کہ عجیب بات ہے، اِس ہدایت کے اندر وحی کا مطلب آجاتا ہے، ہدایت کے اندر علم کے معنی آجاتے ہیں، ہدایت کے اندر حکمت کے معنی آجاتے ہیں اور کونسا لفظ ہے جو ہدایت کے اندر نہیں آتا ہے، روشنی کے معنی اِس کے اندر آتے ہیں، آگے بڑھنے کے معنی اِس میں آتے ہیں، ترقّی کے معنی اِس میں آتے ہیں، کامیابی کے معنی اِس میں آتے ہیں اور خدا سے جا ملنے کے معنی [بھی] اِس میں آتے ہیں، تو ہدایت کے اندر سارے معنی ہیں۔ جہاں جن انبیائے کرام کے اہلِ بیت کو وحی آتی تھی یا وہ حضرات فرشتوں سے باتیں کرتے تھے تو وہ مطلب بھی ہدایت کے عنوان کے تحت آجاتا ہے، کیونکہ ہدایت کا جو لفظ ہے اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے، یا کہ کہنا چاہیے کہ بہت وسیع معنی رکھتا ہے، ہدایت! جس طرح اِس آیت کے اندر ساری کائنات کی ضرورتیں سموگئیں، جس آیت میں خدا نے فرمایا کہ: ”اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ (۲۴:۳۵)۔ نور ہی پوری کائنات کی ضرورتیں مہیّا کر دیتا ہے تو نور کے معنی ہدایت ہیں، پھر ہدایت کے معنی میں ساری باتیں آجاتی ہیں، امامت کے معنی بھی ہدایت کے ہیں، نبوّت کے معنی بھی ہدایت کے ہیں اور خلافت کے معنی بھی ہدایت کے ہیں۔ امامت کے معنی ہدایت کے اِس لئے ہیں کہ امام پیشوا کو کہا جاتا ہے اور پیشوا کا مطلب رہنما ہے، یعنی امام ہدایت کرتا ہے، رہنمائی کرتا ہے اور خلافت کے اندر ہدایت کے معنی اِس لئے ہیں کہ خلیفہ نمائندۂ خدا ہے، خدا کے نائب ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا کے جانشین کی حیثیّت سے دُنیا والوں کی ہدایت کرنا چاہتا ہے، لہٰذا نبوّت میں بھی ہدایت کے معنی ہیں۔

سوال: انہوں نے پوچھا کہ: ”الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ“ (۲:۱۔۳) انہوں نے اِس آیت سے سوال کیا اور اِس میں انہوں نے متقین کے بارے میں پوچھا اور غیب پر ایمان لانے کے بارے میں سوال کیا۔

جواب: اِس کے جواب کے طور پر یوں عرض ہے کہ: ”الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتَابُ“ یہ الٓمّٓ جس چیز کا نام ہے وہ ایک کتاب ہے۔ ”لَا رَيْبَ فِيْهِ“ اُس میں کوئی شک نہیں، قرآن کے لئے نہیں فرمایا بلکہ ایک اعلیٰ کتاب کے لئے فرمایا کہ اُس میں کوئی شک نہیں ہے، جو شک نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ اُس میں یقین ہے۔ قرآن کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہے، تو پھر اختلاف سے شک پیدا ہوگیا اور مثال کے طور پر قرآن کے کسی مقام پر دو مسلمان آپس میں بحث کرتے ہیں ایک کچھ کہتا ہے اور دُوسرا کچھ اُس کا مطلب بیان کرتا ہے، اب اِس کا فیصلہ نہیں ہوتا ہے۔ اگر اِس قرآن کی جگہ پر معلمِ قرآن ہوتا، یعنی رسولؐ ہوتے یا امامؑ ہوتے تو اُن کے اختلاف میں فیصلہ کرتے، کہتے کہ تم سچ اور تم غلط، یعنی تمہارا کہنا صحیح ہے اور تمہارا کہنا غلط، قرآن ایسا نہیں کہتا ہے۔ پھر کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ قرآن میں کوئی شک نہیں ہے اور یہ آیت اِس کے بارے میں ہے، دُوسری بات ” هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ “ قرآن کے اندر پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے یعنی جو

پرہیزگاری کے (level) سے نیچے ہے اُن کے لئے ہدایت نہیں ہے، اِس کے اندر صرف پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے تو پھر اِس کی منطق یہ بنتی ہے کہ قرآن [کے] دُنیا میں آنے سے پیشتر کچھ ایسے لوگوں کا ہونا ضروری تھا کہ وہ پرہیزگار کہلائیں تا کہ یہ قرآن اُن کے لئے دے دیا جائے، کیونکہ اگر اِس آیت کے مطلب کو ہم اِس طرح سے لیں کہ قرآن صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے تو اِس کی شرط یہ قرار پائی کہ قرآن کے نازل ہونے سے پیشتر بہت سے لوگ پرہیزگار تیار بیٹھیں ہیں تا کہ وہی لوگ قرآن کو اپنائیں کیونکہ اِس کے اندر صرف پرہیزگاروں کے لئے [ہدایت] ہے۔ تو پھر وہ پرہیزگار کس چیز سے بنے؟ اللہ کی کتاب تو ابھی آرہی ہے اِس سے پہلے پرہیزگاروں کے ایک گروہ کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ یہ اُس صورت میں جب کہ ہم اِس آیت میں جس کتاب کا ذکر ہے اُس سے قرآن مُراد لیں اور اگر یہ بات ہے کہ اِس میں الٓمٓ سے مُراد امامؑ ہے اور ہاں صحیح ہے کہ امام وہ کتاب ہے جس کی ہدایت پرہیزگاروں کے لئے مخصوص ہے، یہ کون ہیں پرہیزگار لوگ؟ رسول اللہؐ کے زمانے میں جنہوں نے سیاست سے پرہیز کیا، جنہوں نے خود غرضی سے پرہیز کیا اور ہر مقام پر انہوں نے امامؑ کی طرف دیکھا تو یہ پرہیزگار ہیں اور یہ جو بولنے والا قرآن ہے یعنی امام، قرآنِ ناطق ہے اُن ہی کے لئے مخصوص ہے، اور غیب پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ ''یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ'' اِس کے دو معنی ہیں ایک تو یہ ہے کہ بہت ساری چیزیں جو دیکھی نہیں ہیں تو اُن پر ایمان لاتے ہیں، یہ صحیح ہے! ایمان باور کرنے کے معنی میں ہے، تو ہمیں بہت ساری ایسی چیزوں کو باور کرنا چاہیے جو ہم نے دیکھی نہیں ہیں اور دوسرے اِس کے معنی یہ ہیں کہ ''یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ'' اِس (sence) میں بھی ہے کہ یہ لوگ عبادت اور بندگی میں اگر آگے بڑھتے ہیں اور جو چیزیں آج نظر نہیں آتی ہیں کل وہ اُن چیزوں کو دیکھتے ہیں تو ''یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ'' معنی غیب کی چیزوں کو وہ دیکھتے ہیں، راہِ رُوحانیت میں، علم کی روشنی میں، رُوحانیت کی روشنی میں حقائق کو وہ دیکھتے ہیں اور اگر اُن چیزوں کو نہ دیکھیں تو پھر معرفت کیسی؟ تو یہ ہے اِس کے معنی۔

سوال: انہوں نے ایک عمدہ سوال کیا میری کسی گفتگو کے حوالے سے اور پوچھا کہ آپ نے کبھی کہا تھا کہ انسان کثیف سے لطیف ہو جاتا ہے، پوچھا کہ آیا یہ ممکن ہے کہ لطیف سے پھر کثیف ہو جائے؟

جواب: اِس کے جواب میں یوں عرض ہے کہ ہاں! بے شک انسان ایک زمانے میں کثیف سے لطیف ہو جاتا ہے، [یہاں] کچھ ہمارے نئے دوست ہیں میں اِس کی تشریح کرونگا کہ کثیف کیا ہے اور لطیف کیا ہے۔ دیکھیں کہ کثیف انسان ہے لطیف فرشتہ ہے، یا یوں کہیں کہ کثیف یہ سمندر کا پانی ہے اور لطیف وہ (steams) ہیں جو سمندر سے اُڑ کے آسمان پہ جاتی ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ کثیف جسم ہے اور لطیف رُوح ہے یا اِس طرح سے سمجھ لیا جائے کہ کثیف کیڑا ہے اور لطیف پتنگا ہے، آپ نے کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ کیڑے سے پروانہ بن جاتا ہے تو پروانہ جو ہے وہ لطیف ہے اور جو کیڑا ہے وہ کثیف

ہے۔ اِن کے سوال کے دُوسرے حصّہ کو اسی سے لیں کہ آپ دیکھیں کہ پھر اُس پروانے سے پھر کیڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ خدا نے تین مقامات پر غور کرنے کے لئے فرمایا ہے، آیات تین مقام پر ہیں، ایک قرآن ہے، ایک کائنات ہے، ایک یہ انسان کی شخصیّت ہے، تو خدا کے معجزات یا خدا کی نشانیاں جو ہیں وہ تین مقامات پر ہیں ایک تو قرآن میں ہیں، ایک اِس (universe) کے اندر ہیں اور ایک انسان کی ذات کے اندر ہیں، اِن تین مقامات پر غور کرنے کے لئے، اِن آیات میں غور کرنے کے لئے کہا ہے خدا نے، تو چلئے اِس خدا کے حکم کے مطابق ہم کیڑے پر غور کرتے ہیں وہ اللہ کی ایک آیت ہے، جب خدا نے یہ حکم فرمایا تھا تو اُس وقت اُس کی وسیع نظر میں یہ کیڑا بھی تھا، اور خدا اہمیت کے ساتھ چاہتا تھا کہ ہم اِس کیڑے کی مثال میں غور کریں۔ چلیں! اِس حکم کے بموجب ہم کیڑے کی مثال میں غور کرتے ہیں تو غور کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہم پہلے کیڑے کو دیکھتے ہیں جو کثیف ہے پھر پروانہ بن جاتا ہے تو لطیف ہے پھر لطیف سے کثیف میں یہ مخلوق آجاتی ہے یعنی پروانے سے پروانہ نہیں بنتا ہے، کیڑا بنتا ہے۔

چلیے اگر یوں ہے تو ہم کہیں کہ ہم فرشتے کی اولاد ہیں اور ہمارا بیٹا یا ہماری اولاد فرشتہ ہے تو یہ (circle) ہے، آپ پوچھیں یعنی پھل جو ہے وہ کس چیز کی اولاد ہے؟ درخت کی، اور درخت کس چیز کی اولاد ہے؟ پھل کی اب کہیں کہ بادل کس چیز سے پیدا ہوتے ہیں؟ سمندر سے اور بتائیں کہ سمندر کس چیز کا (collection) ہے یا مجموعہ ہے؟ بس بارش اور برف اور ندّی، دریا اِن چیزوں کا۔ اسی طرح یہ (circle) ہے اور اسی میں لاانتہائی ہے، اسی میں ترقّی ہے، خدا نے فرمایا کہ: ''كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ'' (۲۱:۳۳)۔ ہر چیز ایک دائرے پر گردش کرتی رہتی ہے اور اسی میں لاانتہائی ہے، یہاں تک کہ مجھے کہنے دیجئے کیونکہ اچھی مجلس ہے آپ فردوس کو چھوڑ کر آئے ہیں، پھر فردوس میں جائینگے، یعنی بہشت سے آئے ہیں اور بہشت میں جائینگے۔ آپ اگر بہشت سے نہیں آئے ہیں تو آپ بتائیں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ آپ بتائیں کہاں سے آئے ہیں؟ خدا کی ذات سے آئے ہیں؟ کس طرح آنا ممکن ہوا اور کیا بہانہ ہوا؟ خدا کی ذات سے آنے کا تو کوئی رستہ نہیں ہے جو خدا کی ذات میں ہے تو وہ بس خدا کی ذات میں ہے۔ وہاں نہ کوئی گناہ کا تصوّر ہے، نہ جرم ہے، نہ کوئی کمی ہے، نہ وہاں سے کسی چیز کے الگ ہونے کا کوئی تصوّر ہے، کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر ماننا پڑے گا کہ آپ بہشت سے آئے ہیں، پوچھیں کہ کیوں آئے بہشت سے؟ علم ختم ہو جاتا ہے، سال کی کمائی ختم ہو جاتی ہے، پھر کمانا پڑتا ہے، پھر دُنیا کے اندر آ کر کمانا پڑتا ہے، لیکن ڈرنا نہیں! چار برس میں یا سَو برس میں آنے کا نہیں ہے، عرصے کے بعد، بہت یعنی عرصے کے بعد آنے کا ہے، پھر اِس لئے بھی نہیں ڈرنا کہ دُنیا کی زندگی جو ہے وہ ایک گھنٹے کے برابر بھی نہیں ہے، قیامت کی زندگی بہت لمبی ہے اور اِس لئے بھی نہیں ڈرنا کہ آپ ایک پہلو سے آتے ہیں پھر دُوسرے پہلو سے نہیں آتے ہیں، دونوں باتیں صحیح ہیں۔

آپ تعجّب کرینگے کہ میں دونوں باتوں کو بتاتا ہوں، اور کہتا ہوں جو میری بات بھی عجیب ہے کہ ایک لحاظ سے ہم

آتے ہیں اور ایک لحاظ سے نہیں آتے ہیں، عجیب نہیں ہے یہ حقیقت ہے کہ ہم اپنی چھاؤں سے، سائے سے آتے ہیں اور جو ہماری اصلیت ہے اُس اصلیت سے نہیں آتے ہیں۔ مجھے بتانے دیجئے کہ دُنیا کے اندر میں آپ کو مادّیت سے کئی مثالیں پیش کرونگا کہ بہت سی چیزیں ہیں جو ایک لحاظ سے چلتی ہیں اور دُوسرے لحاظ سے ٹھہری ہوئی ہیں، مثلاً درخت کا سایہ۔ سایہ کا ایک سِرا درخت کے ساتھ لگا ہوا ہے اور دوسرا سِرا کبھی مشرق کی طرف پڑتا ہے، اور کبھی مغرب کی طرف، کبھی شمال کی طرف، کبھی چھوٹا ہوتا ہے اور کبھی لمبا ہوتا ہے، یہ سائے کی مثال ہے کہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ پر ہے اور دُوسری طرف سے دیکھا جائے تو وہ چلتا ہے، گردش کرتا ہے اور دُوسری چیز سورج کو دیکھئے، روشنی کو دیکھئے کہ روشنی کا ایک سِرا سورج کے سرچشمے کے اندر ہے اور دُوسرا سِرا جو ہے وہ دُنیا میں آتا ہے، اِس طرح اور کئی چیزیں ملیں گی، گو کہ وہ مادّیت کی چیزیں ہیں ایک لحاظ سے وہ آتی ہیں اور دُوسرے لحاظ سے وہ نہیں آتی ہیں۔ اسی طرح ہماری رُوح کا ایک سِرا نور کے سرچشمے کے ساتھ وابستہ ہے اور وہاں سے اُس کو نہیں آنے کا اور یہ جو سِرا ہے بار بار دُنیا میں آتا ہے ایک شخصیّت کے ساتھ اِس کا سِرا جب لگ جاتا ہے تو یہاں سے شعور پیدا ہوتا ہے اور ہماری خودی بنتی ہے اور ہم اِس کو انسان کہتے ہیں، خودی کہتے ہیں، انا کہتے ہیں۔ دیکھیں کہ سورج زمین پر نہیں آسکتا ہے لیکن ایک طرح سے آسکتا ہے، سورج کو زمین پر اُتارنا ہے تو آپ ایک (mirror) کو آئینہ کو سامنے رکھیں اور اُس آئینے کی طرف دیکھیں تو سورج اُس میں ہے اور آپ اُس کو واپس آسمان پر بھیجنا چاہتے ہیں تو اِس آئینے کو اُلٹا لیجئے، اب سورج غائب ہے اپنی جگہ پر۔ اِس طرح ہم ایک طرح سے دُنیا میں آئے ہوئے ہیں اور دُوسری طرح سے نہیں آئے ہوئے ہیں اور اسی طرح آنے میں اور جانے میں لاانتہائی بنتی ہے پھر ہماری زندگی کا نہ تو کوئی آغاز ہے اور نہ کوئی انجام۔

جس طرح خدا کا تصوّر ہے کہ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے، اِس طرح ہماری رُوح کی زندگی ہے جو بہت ہی بے پایان ہے، تو یہ ہے لطیف سے کثیف بن جانا اور کثیف سے لطیف بن جانا۔ آدمؑ جب اِس سیّارے میں پہلا انسان آیا تو بہت ممکن ہے کہ وہ لطیف ہو، کیونکہ اُس نے دُوسرے سیّارے سے آنا تھا، جس کو کہتے ہیں بہشت سے آنا لیکن رفتہ رفتہ اُس میں تبدیلی آ گئی۔ آپ کسی پرندے کو جنگل سے لے کر اُس کو پالیں، گھر میں رکھیں، بطخ کو یا کسی اور پرندے کو، وہ ایک پرندہ جو آسمان کی بلندیوں میں پرواز کرتا تھا آپ جب اُس کو گھر کی غذائیں دینے لگیں گے تو [وہ] بھدا ہو جائے گا، موٹا ہو جائے گا اور بالکل مشکل سے چلے گا، لیکن اُس کی پرواز کہاں! اِس طرح ہم جب کسی دُوسرے سیّارے میں تھے تو (austral body) میں تھے، لطیف جسم میں تھے پرواز کرتے تھے، تو جب دُنیا میں آ گئے تو ہماری جگہ بدل گئی، غذا بدل گئی، زمانہ بدل گیا۔ کیڑے ہوتے ہیں تو اِن کے پروانے بن جانے کا ایک وقت آتا ہے وہ دو طرح سے ایک تو یہ ہے کہ وہ مکمّل کیڑے ہو جاتے ہیں خواہ یہ ریشم کے کیڑے ہیں یا کچھ اور کیڑے ہیں، جب وقت آتا ہے تو عجیب بات ہے کہ یہ

کیڑے جو ہیں گوشوں میں اور کناروں میں مست ہو کر بیٹھتے ہیں۔ پھر کچھ انتظار کے بعد عجیب بات ہے کہ اُن جانوروں کی نشاطِ ثانیہ یعنی (second creation) اُن کی ہو جاتی ہے اور اُسی میں کچھ تبدیلی ہو جاتی ہے اُسی میں سے وہ ایک پروانہ بن جاتا ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ جب آپ اسپیشل بندگی پر بیٹھتے ہیں تو اُس ریشم کے کیڑے کی طرح آپ پروانہ بن جانے کے لئے کوشش کرتے ہیں، جب ریشم کا کیڑا پروانہ بن جاتا ہے تو اُس میں وہ حرکت نہیں کرتا ہے، مست بیٹھتا ہے، جس طرح آپ خصوصی بندگی میں بیٹھتے ہیں، یہ آپ کے کثیف سے لطیف بن جانے کی کوشش ہے اور انسان سے فرشتہ بن جانے کی سعی ہے۔ آپ کوشش کرتے ہیں کہ پروانہ بن جائیں اور لطیف بن جائیں اور مولا کی رحمت آپ کی دستگیری کرے اور آپ صحیح معنوں میں علم سے اور عمل سے کام کریں تو بسا اوقات آپ کامیاب ہو جاتے ہیں اور آپ کثیف سے لطیف بن جاتے ہیں۔ مولائے روم فرماتے ہیں کہ:

گرہمی پُرسی ز حالِ زندگی　　نُه صدو ہفتادقالب دیده ام

اے پسر در آسمانِ ہفتمین　　با مَلائِک بارھَا پرّیده ام

ترجمہ: اے لڑکے میں ساتویں آسمان میں فرشتوں کے ساتھ کئی دفعہ پرواز کرتا رہا ہوں، تو یہ ہے کہ انسان پہلے فرشتہ تھا اور یہ فرشتے کی اولاد ہے اور فرشتہ اِس کی اولاد ہے تو یہ (circle) چلتا ہے اور اِس کے جاننے سے البتہ حوصلہ ملتا ہے، نشانِ منزل کا پتا چلے تو اچھی بات ہے۔ البتہ یہ بات ایسی ہے جیسے مولانے فرمایا کہ مومن کی نگاہ اُوپر ہوتی ہے[''مومن کی نگاہ ہمیشہ بلندی کی طرف ہوتی ہے، مومن ایسا خیال رکھتا ہے کہ میں فرشتہ بن جاؤں'' (راجکوٹ ۲۱۔۱۰۔۱۹۰۳] یعنی اپنے مقام کی طرف، اپنی منزل کی طرف، اپنے اصل مقام کی طرف۔

ٹرانسکرئب اور ٹائپ: اکبر شمس الدین　　پروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائیؒ کا پُرحکمت بیان

عنوان: عرشِ الٰہی، مکان ولامکان کی کیفیات، دورِرُوحانی، انسانی اختیار

Click here for Audio

کیسٹ نمبر: ۴۸ تاریخ: ۱۴؍جون ۱۹۸۱ کراچی

[رُوحانی علم] کے خزانے موجود ہیں اور یہی تو سب سے بڑا معجزہ ہے کہ خداوندِ عالم نے بڑے معجزات دین کے لئے مختص کر لئے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ دُنیا کے اندر عجیب و غریب قسم کی ایجادات ہوتی ہیں اور روز بروز انسان کا علم و ہنر آگے سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ بہت ممکن ہے کہ اِس کائنات کو بھی مسخر کر لیں گے اور یہ سب کچھ ہو جائے گا مگر ایک چیز ہے وہ نہیں ہو سکے گی، وہ خدا کی معرفت ہے، وہ خدا کی شناخت کے بھید ہیں، وہ علمِ لدُنّی کی باتیں ہیں، وہ نورانی علم ہے، روحانی علم ہے، وہ دل کی آنکھ کا کھل جانا ہے، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ سوائے نور کے خزانے کے کہیں سے نہیں ملتی ہیں۔ اگلے زمانے میں ہمارے بزرگانِ دین کی خصوصیّت یہ تھی کہ اُن کے پاس جو علم تھا وہ دُنیا والوں کے پاس نہیں تھا اور اسی سے اُن کی کامیابی ہوتی تھی وہ تبلیغ کرتے تھے، وہ دعوت کرتے تھے، تو اُس سلسلے میں جب ایسی باتیں، علم کی، حکمت کی، معرفت کی پیش کرتے تھے تو لوگ بیشک قبول کرتے تھے اور گرویدہ ہو جاتے تھے اور اپنے مذہب کو ترک کر کے دعوتِ حق کو قبول کر لیتے تھے، اور مجھے کہنے دیجئے کہ معجزات بہت قسم کے ہیں مگر جو علم کا معجزہ ہے وہ خاص بھی ہے اور دیرپا بھی ہے اور سب سے زیادہ مفید بھی ہے، تو یہ علم کے معجزے امامؑ کے پاس ہیں امامؑ کے خزانے میں ہیں۔ کہنا یوں ہے کہ رُوحانی علم جیسا کہ ہماری بیٹی شاہدہ نے کہا بہت ہی اہم ہے رُوحانی علم، کیونکہ جتنے بھی اہم مضامین ہیں وہ اسی رُوحانی علم سے وابستہ ہیں، مثلاً اہم مضامین کیا؟ معرفت، توحید، خداشناسی، امام شناسی، خودشناسی، دین شناسی، قرآن شناسی اور اِس قسم کا آخرت وقیامت کا علم، اوّلین و آخرین کا علم، یہ سب اہم چیزیں اسی مرکز پر جمع ہو جاتی ہیں، اِس لئے کہ رُوحانیت کا جو علم ہے وہ لوحِ محفوظ کا علم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ لوحِ محفوظ پر سب چیزیں جمع ہیں۔

خدا نے اپنی حکمت سے اِس کائنات میں یا اُس کی اپنی بادشاہی کے اندر ایک ایسا مقام بھی بنایا ہے کہ اُس مقام پر جو چیز ہے وہ بہت ہی اہمیّت والی چیز ہے اور وہاں جو علم ہے ایسا علم ہے کہ تمام علوم پر حاوی ہے محیط ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں اور کہتے ہیں مانتے بھی ہیں کہ: "وَكُلَّ شَيۡءٍ اَحۡصَيۡنَاهُ فِيۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ" (۱۲:۳۶)، اِس کا کیا مطلب؟ ہر اہم چیز اور ہر رُوحانی چیز، ہر عقلی چیز امامِ مبین کی ذات میں ہے۔ آپ کو امامِ مبین کی شناخت حاصل ہو جاتی ہے، آپ کو امامؑ کا

علم ملتا ہے، آپ کو امامؑ کے نور کا مشاہدہ ہو جاتا ہے تو اُس وقت امامؑ کا نور اپنے ساتھ تمام کائنات کے علم کو سمیٹ کر آتا ہے یعنی جب آپ کو امامؑ کا دیدار حاصل ہوتا ہے، یہ لفظِ دیدار اگر چہ مختصر ہے لیکن اِس کا مطلب بہت وسیع ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں دیدار کا ذکر آیا ہے وہ کوئی مختصر بات نہیں ہے، اِس دیدار کے اندر تمام رُوحانیت کی چیزیں شامل اور داخل ہیں تو آپ کو اسی معنی میں جب دیدار حاصل ہوتا ہے، جب آپ نور کا مشاہدہ کرتے ہیں، جب امامؑ سے آپ کی رُوحانی ملاقات ہو جاتی ہے تو اُس وقت امامؑ کا نورِ اقدس ازل اور ابد کی تمام حقیقتوں کو لے کر آپ سے ملتا ہے۔

یہ سوچنے کی بات ہے کہ دُنیا منتشر ہے اور آخرت مجموع ہے، جسمانیت میں انتشار ہے پھیلاؤ ہے اور جو رُوحانیت ہے وہ ایک ہی نقطے پر ہر چیز ہے، ایک ہی نقطے پر ہر چیز ہے۔ اِس کی مثال یوں ہے [کہ] آپ کچھ تحریر فرمانا چاہتے ہیں تو دَوات کے اندر قلم کو ڈبوتے ہیں یا آپ کا (pen) ہی خود دَوات ہے اور خود قلم ہے، تو جب لکھنا شروع کرتے ہیں تو سب سے پہلے ایک (dot) پڑتا ہے، نقطہ، پوائنٹ، بس وہی ایک نقطہ ہے، اُسی نقطے کی بنیاد پر آپ کی ساری تحریر بنتی ہے اُسی نقطے کو گھسیٹتے ہیں، کھینچتے ہیں، گولائی میں، لمبائی میں اور اُس کو چکراتے ہیں، گھماتے ہیں تو طرح طرح کی تحریریں بنتی ہیں، پہلے تو حُروف بنتے ہیں اور پھر الفاظ اور جملے اور پھر تحریریں بنتی ہیں، بالکل اسی طرح سے رُوح کا جو نقطہ ہے وہی بنیادی حقیقت ہے اور اُسی میں سب حقیقتیں مجموع ہیں، تو بہشت کا مقام ایسا ہے کہ اُس کے باغات، اُس کے درخت بس آپ کے پاس آئیں گے، شاخوں سمیت، پھلوں سمیت، جو دُنیا ہوتی تو آپ یہاں سے وہاں جاتے اور وہاں سے اِس طرف آتے، تو ایک جگہ سے دُوسری جگہ جاتے یہ دُنیا عالمِ جسمانیت ہے اور جب آپ رُوحانیت میں ہوں گے تو بس ہر چیز آپ کی طرف آئے گی۔ اِس لئے میں نے ایک مثال میں کہا تھا کہ دُنیا کی روشنی پھیلتی ہے اور جو رُوحانیت کی روشنی ہے وہ حقیقتوں کو لے کر آپ کی طرف آتی ہے یہ فرق ہے، تو کہنا علم کی بات کے بارے میں تھا کہ رُوحانی علم میں تمام حقیقتیں جمع ہیں اور جو ہمّت والا مومن ہو، ہمّت کرے تو بہت ہی کم عرصے میں علم کے مقصد کو حاصل کر سکتا ہے، اور اِس کے اندر رُوحانی علم کے جو نکات ہیں جن کو آپ انگلش میں پوائنٹس کہتے ہیں تو ہر پوائنٹ دس دس سوالات کو جواب نہیں دیتا بلکہ سو سو، ہزار ہزار سوالات کے لئے جوابات مہیّا کرتا ہے یہ رُوحانی علم کی خاصیّت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اِس دُنیا کے اندر کتنے ایسے لوگ ہیں یا کہنے دیجئے کہ جماعت میں کتنے ایسے شائقین ہیں جو اِس رُوحانی علم کو چاہتے ہوں بہت کم ہیں، بہت کم ہیں تو بڑے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو اِس رُوحانی علم کی تلاش میں ہیں، اِس کو چاہتے ہیں، اِس کو اپناتے ہیں اِس سے اِن کو بہت بڑی فضیلت ملے گی دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور آخرت میں یاد رکھئے کہ اسی کے ساتھ فراغت نہیں ہے آخرت میں آپ نے بہت ساری رُوحوں کو نجات دلانی ہے اُن کو دین کی باتیں بتانی ہیں اور اِس ساری کائنات کے اندر جو دعوت کے لحاظ سے (untouched) ہے، یعنی بہت سے لوگ ہیں، بہت سے ممالک ہیں، بہت سے نفوس ہیں جن کو

حقیقت سے آشنا کرنا ہے تو لہٰذا بہشت کا جو ذکر ملتا ہے اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں بس پھل کھاتے رہیں گے اور غذائیں تناوُل کریں گے ایسی بہشت نہیں ہے۔ وہ بہشت رُوحانی قسم کی نعمتوں پر مبنی ہے، وہ علم کی بہشت ہے، اور رُوح کی بہشت ہے، لہٰذا بہت ساری رُوحوں کو نجات دلانے کے لئے وہاں پر آپ نے علم کا کام کرنا ہے، تبلیغ کا کام کرنا ہے، مشن کا کام کرنا ہے۔ جب آپ بہشت میں ہوں گے تو وہ اِس معنی میں ہوں گے کہ آپ کے سامنے بیشمار نفوس ہوں گے اُن کو آپ نے اسماعیلیت سکھانی ہوگی امامؑ کی باتیں کرنی ہوں گی تو اُس کے لئے آپ یہیں سے خود کو تیار کریں بہشت کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لئے، بہشت کی لذّتوں کو پانے کے لئے تو یہ ہے اِس رُوحانی علم کی اہمیّت اور یہ سچ بات ہے کہ جو لوگ خدا کے بھیدوں کو سمجھتے ہیں اُن کو نہ صرف ذاتی طور پر نجات ملتی ہے، بلکہ اُن سے منسلک بہت سی رُوحوں کو بھی نجات ملتی ہے۔ قرآن میں سورۂ مومنین میں ہے کہ جنّت ایک ایسی جگہ ہے کہ جہاں پر مومنین کی ہر قسم کی خواہش کی تکمیل ہوگی (۲۳:۱۰۔۱۱) اور اُن کی اس خواہش کی بھی تکمیل ہوگی کہ وہ بہت سی رُوحوں کو نجات دلانا چاہتے ہیں تو خداوندِ عالم کی سفارش سے بہت سی رُوحوں کو نجات دلائیں گے۔

اِس کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ رُوحانی علم کی طرف توجّہ دیں اور یہ بھی شاید ایک امتحان جیسی بات ہے کہ کسی خوش نصیب کو دینی علم کا ذوق ملتا ہے، حالانکہ کس قدر ضروری ہے دینی علم۔ ہم جس دین پر فخر کرتے ہیں اور جس امام کی شناخت پر ناز کرتے ہیں تو وہ بھی ایک علم ہے، یعنی امامؑ کو پہچاننا امامؑ کے لئے اقرار کرنا لیکن اِس کی تشریح کی ضرورت ہے، اِس کو تفصیل سے جاننے کی ضرورت ہے تب ہی تو مزہ آئے گا۔ اگر ہم علم کی روشنی میں امامؑ کی خوبیوں کو جانتے ہیں تو یہ بہت اچھی بات ہے صرف اقرار کرنا ہی کافی نہیں ہے، درست ہے اگر ہم چھوٹے ہیں، بچّے ہیں، نابالغ ہیں تو اُس وقت ہم کو (blind faith) کام دیتا ہے لیکن جب ہم سنِ شعور میں آتے ہیں اور ہم علم کو حاصل کر سکتے ہیں تو ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ہم علم کی روشنی میں اپنے دین کو، اپنے امام کو، اپنے ایمان کو سمجھیں اِس کے لئے علم کی سخت ضرورت ہے۔ علم کی ضرورت اِس لئے بھی ہے کہ امامؑ جو کچھ فرماتا ہے اُس کے اندر بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں، مثال کے طور پر حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے دین کے سلسلے میں، رُوح کے بارے میں جتنے فرامین فرمائے ہیں اُن میں جواہرات ہیں، موتی ہیں اور اُن کے اندر لعل و گوہر ہیں لیکن کتنے ہیں جو امامؑ کی حکمتوں کو سمجھتے ہیں۔

چھوٹی سی کتاب چھپ گئی ہے ''اسلام میرے مورثوں کا مذہب'' اِس کے اندر حالانکہ ترجمہ ہو چکا ہے لیکن کونسا بہادر ایسا ہے جو اِس کی حکمتوں کو سمجھتا ہے۔ امامؑ نے اِس (chapter) میں شروع سے لے کر آخر تک جو کچھ فرمایا ہے اُس میں خزانے ہیں اور انقلابی باتیں ہیں، مثلاً امامؑ نے اُس میں فرمایا ہے مونو ریالزم [اسلام میرے مورثوں کا مذہب ص: ۱۶] کتنے دانشور ایسے ہیں جو کہ اِس اصطلاح کو سمجھتے ہیں بنیاد سے مونو ریالزم، حالانکہ یہ لفظ، یہ بات اِس قدر اہم ہے کہ یہ تمام دُنیا

کے نظریات کی بنیادوں کو ہلا دیتی ہے اور اِس کے اندر (challenge) ہے کہ خدا کی خدائی یا کہ وحدانیت کا تصوّر کیا ہے اُس کا فیصلہ ہے اور اِس سے پہلے ایسا نظریاتی انقلاب کبھی نہیں آیا تھا وقت بھی تھا کہ امام سلطان محمد شاہؑ ایک ایسے دَور میں دُنیا میں آئے کہ اِس میں علمی طور پر رُوحانی طور پر انقلاب لانے کی سخت ضرورت تھی، تو یہ کام امامؑ نے انجام دیا۔ اِس لئے ہمارے اندر علمی مجالس ہونی چاہئیں باشعور طبقے کے اندر، اُس مجلس کے اندر ہم (discuss) کریں، سوالات (raise) کریں اور ایسے ایسے نکات کو سامنے رکھیں، سوچنے کے لئے فکر انگیز باتیں کریں تو اگر حل ہوتا ہے تو صحیح، نہیں حل ہوتا ہے تو اُس کے لئے غم خواری صحیح، فکر صحیح، جستجو صحیح، تلاش صحیح، پوچھنا صحیح، سوال صحیح تو ایسے بیٹھیں تو کس طرح ہم اپنے لئے اور جماعت کے لئے کام کر سکتے ہیں، تو چونکہ ہمارا جو مذہب ہے وہ اعلیٰ ہے یہ کوئی تقلیدی مذہب ہے نہیں، یہ بہت علمی، رُوحانی اور منطقی مذہب ہے اور یہ انقلابی مذہب ہے اِس کے لئے اِس (level) پر اور اِس کے مطابق کام کرنے کی سخت ضرورت ہے، تو اگر اِس کی ضرورت نہیں ہوتی اور سطحی طور پر ہم کو چلنا ہوتا جس طرح دُوسرے مذاہب میں بس تقلیدی طور پر کام کیا جاتا ہے جو کچھ آگے سے بتایا جاتا ہے اُسی کو بالکل مقلّدانہ طور پر، اندھی تقلید سے سنتے ہیں اور اگر کوئی سوال کرے تو کہتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ گے تو اُن کے پاس یہ ہتھیار ہے، سر پر دے مارنے کے لئے کہ کوئی سر نہ اٹھائے اور سوال کا نام نہ لے، زبان پر سوال نہ لائے تو اِس پر قدغن لگی ہوئی ہے، اِس طرح سے تھوڑا کام چلتا ہے دین کا روح کا، تو دین کے اندر امام نے سوچنے کے لئے آزادی دی ہے۔

آپ کو شاید یاد ہو گا کہ حاضر امامؑ نے کبھی کسی یونیورسٹی کالج میں مغرب کے اندر کچھ اسٹوڈنٹس سے فرمایا تھا کہ تم آپس میں دو گروپ بن کہ (discuss) کرو، وہ موضوع دُنیاوی قسم کا دیا ہوا تھا، تو اِس سے ثبوت ملتا ہے کہ ہمیں سوچنا چاہئے اور امامؑ نے بہت سے مواقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ تم اگر خاموشی سے زندگی گزارو گے تو تمہاری اولاد اپنے ساتھ بہت سارے سوالات لے کے آئے گی کالج سے، یونیورسٹی سے، معاشرے سے، دفتر سے اور دُوسرے لوگوں سے سوالات لے کے اولاد آئے گی، اُس وقت تمہارے اندر اُن کو جواب دینے کی صلاحیت موجود ہونی چاہئے۔ یہ سب کچھ اُس وقت ممکن ہے کہ ہم علم کے لئے جدوجہد کریں اور خود کو کچھ ایسی تربیت دیں جو کہ اسماعیلی مذہب کے تقاضے کے مطابق ہو، تو میں عرض کر رہا تھا کہ امام سلطان محمد شاہؑ نے بہت سے انقلابی نظریات کو سامنے رکھا ہے لیکن آپ اگر روایتی طور پر جاتے ہیں اور اُن میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں تو کوئی خاطر خواہ ترقّی کس طرح ہو سکتی ہے۔ اُس میں سے میں نے ایک مثال تو مونو ریالزم کی پیش کی کہ مونو ریالزم حالانکہ ایک ایسی کتاب کے اندر ہے کہ وہ اسٹال پر بھی ملتی ہے، آپ کے ٹیبل پر بھی پڑی ہے اور ہر وقت آپ اُس کو دیکھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں لیکن نامعلوم کتنوں نے اِس مونو ریالزم پر غور و فکر کیا ہے۔ اِس کے علاوہ تصورِ تخلیق کے بارے میں امامؑ نے انقلابی نظریہ پیش کیا ہے اور جو تصوّر روایتی طور پر ہمارے سامنے ہے اِس کو

یہود کے حوالے کر دیا ہے، فرمایا کہ ایک دفعہ کی تخلیق یہ تو یہودیوں کا تصوّر ہے اسلام کا تصوّر تو یہ ہے کہ خداوندِ عالم ہر وقت تخلیق کرتا ہے [اسلام میرے مورثوں کا مذہب، ص: ۱۶] یہ ایک سلسلہ ہے۔ تخلیق اِس طرح سے نہیں ہے کہ خدا نے اپنے وقت میں ایک ایسا کام کیا جو کہ پہلے نہیں کیا ایک ایسا کام کیا جو کہ پہلے کبھی خدا نے نہیں کیا تھا اِس طرح سے نہیں ہے۔ جیسے وہ خدا ہے یا جس طرح وہ ہمیشہ سے خدا ہے اِس طرح اُس کی تخلیق ہے، وہ جب سے خدا ہے تب سے اُس کی بادشاہی چلتی ہے اور جو اُس کی صفات ہیں مثلاً ربّ ہے، خالق ہے، رازق ہے اور رحمان ہے، رحیم ہے یہ جو اُس کی صفات ہیں اِن صفات کی جو (demand) ہے یا جو اِن کی خاصیت ہے یا جو اِن کے معنی ہیں اِن کے مطابق کائنات چلتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ خدا تھا لیکن خالقیت کی صفت اُس میں نہیں تھی یعنی وہ (create) نہیں کرتا تھا۔ اگر ہم یہ تصوّر کریں تو اُس صورت میں یوں ہوگا کہ ہم خدا کو قدیم نہیں سمجھتے ہیں حادث سمجھتے ہیں، یہ قدیم اور حادث بھی فلسفے کی دو اصطلاحیں ہیں، قدیم اُس کو کہتے ہیں جس کے کبھی نہ ہونے کا تصوّر ہی نہ ہو وہ ہمیشہ سے ہو اُس کو قدیم کہتے ہیں اور حادث اُس کو کہتے ہیں جو کبھی نہیں تھا اور اب ہو گیا، تو ویسے تو خدا اِن دونوں سے بالاتر ہے لیکن جو دُوسرے درجے کی اُس کی جو تعریف ہے وہ یہ ہے کہ خدا قدیم ہے یعنی خالق کی جو صفت ہے، خالقیت کی جو صفت ہے وہ اِس طرح سے نہیں کہ خدا تھا لیکن وہ خلق کا کام نہیں کرتا تھا (create) نہیں کرتا تھا بعد میں کسی دَور میں اُس نے شروع کیا اِس طرح سے اگر تصوّر کریں تو خدا قدیم قرار نہیں پائے گا خدا حادث ہوگا ایک نئی چیز، جو پہلے نہیں تھا، تو حادث سے حادثہ ہے، (accident) اتفاق سے بعد میں کوئی چیز ہو گئی تو اسی طرح جتنے اوصاف ہیں خدا کے جتنی صفات ہیں اور اُن میں سے ہر ایک اسم کی یا ہر صفت کے جو معنی ہیں اُن معنوں میں آپ دیکھیں تو اُس میں مخلوق کا تصوّر ملتا ہے۔ مثلاً ربّ کے معنی پروردگار، ربّ کے معنی پروردگار یعنی پالنے والا، مخلوق ہو یعنی پرورش پانے والے ہوں تو ربّ کا ہونا یا ربّ کی صفت صحیح ہے جو مربوب نہ ہو تو ربّ کیسے۔ اسی طرح خدا کے ناموں میں سے ایک نام عدل کرنے والا ہے یعنی ایک نام عدل کے معنی میں ہے، عدل یا عادل تو دیکھیں کہ خدا واقعاً عدل کرتا ہو تو یہ نام اُس کے لئے صحیح ہے اور عدل لوگوں کے درمیان ہوتا ہے لوگ نہ ہوں تو عدل کہاں، اور پھر عدل درحقیقت اُس وقت ہے، عدل کا تصوّر کہ لوگ آپس میں ظلم کریں اور خدا عدل کرے تو دیکھیں اِس عدل کا اطلاق بعد کی چیز ہے اور عدل سے پہلے ظلم چاہئے اور ظلم نہ ہو تو پھر عدل کہاں سے۔ اِس طرح دیکھیں خدا کے ناموں میں سے ایک نام نور ہے تاریکی ہو تو نور اپنا کام کرے گا، تاریکی نہ ہو، ظلمت نہ ہو، اندھیرا نہ ہو تو روشنی کی کیا ضرورت۔ اِس طرح خدا کے جتنے نام ہیں اُن ناموں کے سامنے کچھ (opposites) بھی ہیں اور جن کی وجہ سے خدا کے ناموں کی شناخت ہوتی ہے اِسی لئے رسولؐ نے فرمایا کہ: ''تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا''۔ ہر چیز کی شناخت اُس کی ضد سے، اُس کے (opposite) سے ہوتی ہے تو اِن تمام باتوں کی گہرائی میں جانے سے پتا چلتا ہے یہ کائنات ہے خدا کی بادشاہی ہے۔

ابھی ابھی ہم نے اِس کتاب کے اندر ایک مقام پر لکھا تھا ایک آیت کی تشریح کی تھی اور آیت کچھ اِس طرح سے ہے کہ: ''وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ''(۱۱:۷)، خدا کا تخت پانی پر تھا۔ اب دیکھیں اِس کو روایت کے طور پر بالکل یوں سمجھا گیا ہے جیسے کہ دُنیا میں کچھ نہ ہو، دُنیا میں کچھ نہیں تھا بس پانی کا ایک بے پایان سمندر تھا اور اُس بے پایان سمندر پر عرشِ الٰہی تھا یعنی خدا کا تخت تھا، اور خدا کے تخت پر خدا تھا، یہ روایت ہے، روایت کی تاویل ہوتی ہے اِس کا اشارہ بائبل میں بھی ہے، لیکن دیکھئے یہاں سے چند سوالات اُبھرتے ہیں اسی تصوّر میں تو کچھ نہیں تھا اور پانی تھا تو پانی میں یہ خصوصیت کیوں؟ کہ کچھ بھی نہ ہو تو پانی ہو اِس میں کیا بات ہے؟ پانی چار عناصر میں سے ایک عنصر ہے مادّی چیزوں میں سے ایک چیز ہے تو اُس پانی کو کیوں ہونا چاہئے؟ یا کہ یوں سوال کریں کہ اِس کائنات کی تخلیق کا گویا سرچشمہ پانی تھا کیوں؟ اور دُوسرا سوال اِس میں یہ ہے اور کچھ نہیں تھا لیکن تخت تھا خدا کا، تو تخت کس چیز کا تھا پتّھر کا یا گوہر کا یا لکڑی کا، سونے کا یا چاندی کا آخر کسی چیز کا تھا تو وہ چیز کہاں سے آئی؟ جب جہان نہیں تھا، کائنات نہیں تھی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں تھی تو کیا وہ تخت کہیں پانی کا تو نہیں تھا پانی کا تو نہیں تھا؟ پانی سے کوئی الگ شئ تھی جس سے یہ تخت بنا دیکھیں! کیسے کیسے سوالات اُبھرتے ہیں تو جہاں سوالات اُبھرتے ہیں تو وہاں تاویل کا تقاضا ہوتا ہے یہ تاویل کی (demand) ہے۔ اصل بات یہ ہے یہی تو ایک خصوصیت ہے اُس آیت کی جس میں تاویل ہوتی ہے، تو دانشمند جانتا ہے جہاں تاویل ہوتی ہے اُس کے اندر (question) کی گنجائش ہوتی ہے، جب سوال کی گنجائش ہوتی ہے تو دانشمند اُس میں تاویل کرتا ہے۔ اِس کی تاویل یوں ہے کہ پانی سے مراد علم، تخت، صورتِ انسانی، یہ شخص، لیکن لطافت میں، یہ نورانیت میں، علم پر انسانِ کامل کا تصوّر قائم ہے، انسانِ کامل کے تصوّر پر توحید قائم ہے، خدا سے مُراد توحید، خدا سے مُراد (unity)۔ آپ جس کسی کو بھی خدا مانتے ہوں لیکن سب سے اُوپر کے درجے میں وہ ایک (unity) کی حیثیّت سے ہوگا، توحید کی حیثیّت سے ہوگا تو اِس میں آپ کا ہمارا مقصد پورا ہے اِس تصوّر میں کہ علم کے سمندر پر عرشِ خدا تھا یعنی انسانی تصوّر انسان کی یہ شبیہہ، انسان کی یہ رُوحانی تصویر، انسانِ کامل کی اُس شبیہہ پر، اُس تصویر پر خدا کی (unity) قائم تھی۔

اب بھی یہی حال ہے اِس لئے کہ علم جو ہے اُس کے لئے ایک (source) چاہئے یہ بہت مفید بات ہے، آپ توجّہ دیں تو میں آپ کو بتاوں گا کہ علم کہاں کہاں ہے علم کا قیام کس چیز پر ہے؟ دیکھیں کہ عربی میں اِس جہاں کو عالم کہتے ہے، عالم اسمِ مفعول ہے اور اسی لفظ کی دُوسری شاخ عالِم ہے اور علم ہے، علم صفت ہے اور علم (root) بھی ہے، علم مصدر بھی ہے اِس (root) سے ایک برانچ عالَم ہے، ایک عالِم ہے تو پھر عالَم کا علم سے کیا رشتہ؟ عالَم کا علم سے عالِم سے یہ رشتہ ہے کہ علم کا قیام اِس کائنات کے اُوپر ہے۔ مثلاً آپ کسی چیز کی تحلیل کرتے ہیں اُس میں سے علم آپ کو ملے گا چاہے وہ پتّھر ہے یا درخت ہے، عمارت ہے، کائنات ہے، سورج ہے اِس پوری کائنات کو آپ جزو جزو کر کے اِس کا تجزیہ کریں گے اِس کا

(analysis) کریں گے تو اِس میں سے آپ کو علم ملے گا، تو گوہر پتّھر کے بغیر کہیں سے نہیں ملتا ہے اور کوئی شئ کسی شئ میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ اِس کائنات کو کلعدم قرار دیں گے تو اسی کے ساتھ علم بھی ختم ہو جائے گا علم کا وجود ہی قائم نہیں رہے گا آپ علم کو یا تو ایک پھل قرار دیں تو اُس صورت میں آپ کو اِس کائنات کو درخت ماننا پڑے گا یا اگر علم کو آپ گوہر سمجھتے ہیں تو اِس کائنات کو پہاڑ سمجھنا، اگر علم کو موتی سمجھتے ہیں تو اِس کائنات کو سمندر قرار دینا۔ کہنے کا مقصد بھی ہے کہ اِس وقت بھی اگر کسی دُوربین سے آپ دیکھیں، باطنیت کی دُوربین سے آپ دیکھیں گے تو اِس کائنات کو آپ ایک سمندر پائیں گے علم کا سمندر، جس طرح کوئی مشین ایسی بھی ہوتی ہے کہ ڈاکٹر دیکھتا ہے ہڈیوں کو دیکھتا ہے اور رگوں کو دیکھتا ہے، (blood) کو دیکھتا ہے، کسی چیز کو دیکھتا ہے حالانکہ یعنی ہم سب چیزوں کا مجموعہ ہیں ٹوٹل ہیں، لیکن جو اُستاد ہوگا اُسی کو دیکھے گا باقی چیزوں کو نہیں دیکھے گا اسی طرح اگر آپ ایسی آنکھ سے دیکھیں جس سے کہ آپ صرف علم کو دیکھیں تو اُس وقت آپ کے سامنے جو کائنات ہے وہ ایک سمندر لگے گا اور اُس سمندر کے اُوپر جو چیز ہے وہ انسانِ کامل کی شخصیّت یعنی امامؑ کی نورانی تصویر ہے، وہ عرشِ الٰہی ہے تو اسی کے ثبوت میں، میں ایک بہت دلچسپ بات آپ سے کہوں گا چونکہ مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

دیکھیں قرآن کے اندر ایک قصّہ ہے اگر اُس قصّے کو دیکھیں تو بس ایک معمولی قصّہ یعنی (story) جیسی لگتی ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے اُس کا ایک مقصد ہے، اُس کا ایک نصبُ العین ہے، اُس کا ایک پروگرام ہے وہ ''ملکۂ سبا'' کا قصّہ ہے۔ شاید آپ نے قرآنی قصّے پڑھے ہوں گے کہ سلیمان علیہ السّلام تھے جو بادشاہ بھی تھے پیغمبر بھی تھے اُس کے زمانے میں قُرب و جوار میں کوئی چھوٹی سی سلطنت تھی یا بڑی سی اور ایک شہر تھا، ایک ملک تھا اُس کا نام سبا تھا وہاں پر ایک ملکہ حکومت کرتی تھی تو اُس کو پتا چلتا ہے اُس کے رُوحانیوں کے وسیلے سے کہ وہاں پر ایک سلطنت ہے تو وہ سلیمان علیہ السلام بادشاہ بھی تھے اور پیغمبر بھی تھے، اُن کو مسلمان بنانا چاہتے تھے، کسی طرح سے اُن کو جب پتا چلا تو تو اُن کو شوق پیدا ہو گیا کہ اُن کو اسلام کی دعوت کریں، پھر اسی کوشش میں انہوں نے اپنے ایک کارکُن سے فرمایا کہ تم اُن کے تخت کو لے آؤ بمع محل کے بمع سب چیز کے، خیر بہر حال ایک جنّ نے خود کو پیشکش کیا کہ میں بہت جلد اُس کے تخت کو لے آؤں گا، پھر اُس کے مقابلے میں ایک وزیر تھے سلیمانؑ کے اور اُس کے پاس اسمِ اعظم تھا وہ آصف بن برخیاؑ تھے تو انہوں نے کہا کہ میں تو آنکھ کی ایک جھپک میں آپ کو وہ چیز پیش کروں، تو اِس میں مقصود یہ تھا کہ اُن کے تخت کی اور اُن کی تمام چیزوں کی (picture) لانا تھا، اِس کا نام عرش تھا اُسی مقام پر عرشِ الٰہی کا بھی ذکر ہے تاکہ سوچنے والے سوچیں کہ عرش کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ عرش اہلِ ظاہر کے نزدیک ایک وسیع و عریض کائنات ہے ایک آسمان کے شکل کی چیز ہے ایک (space) ہے جس کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہے جس نے اِس کائنات کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے یعنی وہ مادّی شکل میں عرش کا تصوّر کرتے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔

عرش دیکھیں کہ دُنیا کا کوئی بادشاہ اپنے تخت کو بہت ہی عالی شان اور قیمتی چیزوں سے سجانا چاہتا ہے لیکن خدا کے نزدیک جو سب سے قیمتی شئ ہے وہ عقل ہے، جان ہے اور خدا کے نزدیک انسانِ کامل سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل ہے تو انسانِ کامل کی شخصیّت پر خدا کی خدائی قائم ہے۔ اِس معنی میں انسانِ کامل کی شخصیّت خدا کا تخت ہے اور رُوحانیت میں یہ شخصیّت تو نہیں لیکن اِس کی تصویر ہے۔ اب چلئے اسی کی مزید تشریح کیجئے جب آپ رُوحانیت میں جائیں گے تو طرح طرح کی چیزوں کا مشاہدہ ہوگا اور رُوحانی قسم کے معجزات سے دو چار ہو جائیں گے اور اُن تمام چیزوں میں علم ہوگا معرفت ہوگی، کرتے کرتے ایک وقت ایسا بھی آئے گا اور یہ تقریباً آخری وقت ہوگا کہ جس میں آپ کے سامنے ایک سمندر نظر آئے گا اور اُس سمندر کے اُوپر مولا کی تصویر [ہوگی]، اُس وقت آپ سوچیں یا نہ سوچیں لیکن تاویل کے طور پر آپ نے اُس ازل کو دیکھا جس کے متعلّق روایت ہے کہ ایک زمانے میں اِس کائنات کے اندر پانی کا سمندر بھرا ہوا تھا اور اُس پر خدا کا عرش تھا۔ اب دیکھیں آپ نے جو کچھ دیکھا وہ بھی بالکل تنزیلی صورت میں دیکھا اب اِس کی تاویل چاہئے، تاویل اِس کی یہ ہوگی کہ آپ نے اِس خواب میں یا اِس رُوحانی مشاہدے کے اندر علم کے سمندر کو پایا، علم کے سمندر کا مشاہدہ کیا اور اِس کے اُوپر خدا کے تخت کو دیکھا تو یہ خدا کے تخت کی دلیل ہے۔ اِس کے علاوہ جب کبھی بھی آپ رُوحانیت کے اعلیٰ مقامات پر امامؑ کی نورانی تصویر دیکھیں گے تو اُس وقت یہ عرشِ الٰہی ہوگا لیکن امامؑ کا دیدار تو بہت سے مراحل پر ہوتا ہے اُن میں سے جو اعلیٰ مراحل ہیں وہ بہت ہی استوار ہیں اور بہت ہی علمی قسم کی چیزیں ہیں، کچھ یہاں پر امامؑ علم کے بھیدوں سے مومنین کو نوازتا ہے تو یہ اسماعیلی مذہب کی تھوڑی سی تعریف ہے، رُوحانیت کی تھوڑی سے نشاندہی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ ہے رُوحانی علم کی تعریف لیکن اِس میں بھی ہمّت چاہئے اور اگر حکمت و تاویل سمجھ میں نہ آئے تو مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ اسماعیلی ایسی چیزیں نہیں دیکھتے ہیں، بہت دیکھتے ہیں لیکن اُس میں سے مغز کو اخذ کرنا تاویل کی دولت کو جمع کرنا یہ الگ بات ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ کی بالکل سیدھی سادھی رُوحانی ترقّی ہو، رُوحانیت کے منازل سے آگے بڑھتے چلے جائیں آپ کو یقین آئے گا کہ مولا برحق ہے، آپ مانیں گے دین سچ ہے، لیکن اُس کے پھل کو جمع کرنا اور اُس کی دولت کو اکٹھی کرنا اِس کے لئے ایک علم کی ضرورت تھی۔ اوّل تو یہ بات ہے کہ علم کے بغیر ایسے مراحل سے گزرنا دشوار ہے کیونکہ وہ ایک فضول بات بن جاتی ہے اِس کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، اِس کے لئے علم کی تیاری رُوحانی ترقّی کے لئے لازمی ہے، ہمارے پیروں نے، بزرگوں نے جو بے انتہا ترقّی کی تھی وہ علم کے نتیجے میں تھی۔ کہنا یہ ہے کہ علمُ الیقین جو اسماعیلی مذہب میں آپ کو مل سکتا ہے اِس علمُ الیقین سے جب تلک آپ خود کو آراستہ نہیں کرتے ہیں اِس سفر کے لئے آپ خود تیار نہیں ہوتے ہیں تو پھر رُوحانیت کی منزلوں کا طے کرنا مشکل ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایسے واقعات ہوتے ہیں اور لوگ ایسے خواب بھی دیکھتے ہوں گے لیکن اُن سے علم کے مقصد کو

حاصل نہیں کرتے ہیں اور اُس خواب کو کسی دنیوی پیشگوئی سے متعلّق کرتے ہوں گے اُس میں دنیوی پیشگوئی کم ہوتی ہے خواب میں بھی اپنی ذات سے واسطہ ہوتا ہے اور اُس میں علم سے تعلّق ہوتا ہے اور ہماری زندگی کا معیار کتنا اُونچا ہے اُس کی بات ہوتی ہے اور ہم کس قدر کمزور ہیں یا کیسی ہماری ترقّی ہے اُس طرف اشارہ ہوتا ہے خواب میں بھی، تو اِس کے جاننے کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے۔ بہرحال علمُ الیقین جب تک نہ ہو عینُ الیقین کا مقام کیسے آسکتا ہے، علمُ الیقین آپ جانتے ہیں وہ صاف اور ستھرا علم جس سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے اور شکوک وشبہات اسماعیلی مذہب میں بہت ہی بُرے ہیں، شکوک وشبہات امامؑ کے بارے میں، شکوک وشبہات دین کے بارے میں، اپنے مذہب کے بارے میں تو اِن کا علاج علمُ الیقین سے ہوسکتا ہے شکوک وشبہات ایک مثال میں بیماری بھی ہیں، شکوک وشبہات رُکاوٹ بھی ہیں، شکوک وشبہات تاریکی بھی ہے، جہالت بھی ہے تو اِس لئے شکوک وشبہات کے ازالے کے لئے، اِن کو دُور کر دینے کے لئے علمُ الیقین کی سخت ضرورت ہے اور اگر آپ کو علمُ الیقین مہیّا ہو جاتا ہے تو بہت بڑی سعادت مندی ہے، بہت ہی ضرورت ہے علمُ الیقین کی اور یہ خود بخود عینُ الیقین کی طرف آگے بڑھنے کے لئے وسیلہ بن جائے گا، علمُ الیقین کی مقدار پوری ہو جائے گی تو لازمی طور پر ایک دم سے روشنی شروع ہو جائے گی اور جو عینُ الیقین ہو جائے گا اور تو اُس کے بعد حق الیقین ہو جائے گا اور اسی کے ساتھ میں کسی سوال کے لئے اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔

سوال: اِن کا سوال ہے کہ یہ پوچھنا چاہتے ہے کہ پانی کا وجود کب سے ہے؟

جواب: اِس کے لئے گزارش یوں ہے کہ پانی دُوسرے عناصر سے پہلے نہیں ہے اور یہ جس طرح سائنس کا اُصول ہے کہ جو مادّے ہیں آپس میں سفر کرتے ہیں اور جو چیز آپس میں سفر کرتی ہیں چند چیزیں جب آپس میں سفر کرتی ہیں تو لاانتہائی کا (circle) بن جاتا ہے، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مادّہ اگر گیس کی کیفیّت میں ہے تو اُس میں دو امکانیتیں ہیں یا یہ ٹھوس بن جائے گا یا یہ مائع بن جائے گا، اگر مائع ہے (liquid) ہے تو اُس کی بھی دو امکانیتیں ہیں اگر ٹھوس ہیں تو اُس کی بھی دو امکانیتیں ہیں، اسی طرح یہ آپس میں گولائی میں مادّہ کی تین کیفیتیں سفر کرتی ہیں لہٰذا ہم بڑے وثوق سے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ پانی کسی بھی حالت میں دُوسرے مادّہ سے آگے نہیں ہے بلکہ اُسی کے ساتھ ہے اب اِس سے آگے جو بنیادی سوال ہے اُس میں جائیں یہ کہ رُوح پہلے ہے یا مادّہ پہلے ہے؟ کیونکہ ہم نے بنیاد سے اِس سوال کو ختم کرنا ہے۔ رُوح پہلے ہے یا مادّہ پہلے ہے، ہم نے اِس سوال کو اور آگے بڑھایا، اِس کا جواب یوں ہے کہ اِن دو چیزوں میں سے ایک اُس وقت آگے ہوتی جبکہ ہم اِس تصوّر کو مانتے کہ خدا نے آگے اِس کائنات کو (create) نہیں کیا تھا، ایک وقتِ معیّن سے اِس نے تخلیق شروع کی، تو تب ہم اِن چیزوں کا تجزیہ یوں کرتے کہ یہ چیز پہلے ہے یا وہ چیز پہلے ہے۔ جب یہاں دائمیت ہے یعنی (no begining) اور (no ending) ہے یعنی کہ ابتدا نہیں ہے انتہا نہیں ہے تو پھر یہ جو سوال ہے

اسی گولائی کے اندر ہی چکر میں ختم ہو جاتا ہے۔ اِس لئے اِن کا جو سوال تھا حسن وخوبی سے جواب دیا گیا کہ پانی کسی طرح سے بھی دُوسرے مادّہ سے آگے نہیں ہے ایک، اور مادّہ تین کیفیتوں میں آپس میں سفر کرتا ہے دو، اور رُوح اور مادّہ وہ بیک وقت ہے یعنی رُوح اور مادّہ کا جو تعلّق ہے ہمیشہ سے ہے (connection)، (relation) رُوح اور مادّہ کا دائمی طور پر ہے کیونکہ ہمارے سامنے تخلیق کے دو تصوّر ہیں یا یہ مانیں گے کہ خدا نے ایک وقتِ معیّن سے اِس کائنات کا آغاز کیا ایک یہ تصوّر یا یہ ہے کہ جس طرح خدا کی ہستی بغیر ابتدا کے اور بغیر انتہا کے ہے اسی طرح اُس کی بادشاہی بھی ایسی ہی ہے۔ اگر ہم اِس دُوسرے تصوّر کو مانتے ہیں کہ کائنات کی نہ تو کوئی ابتدا ہے نہ کوئی انتہا تو اِس صورت میں رُوح اور مادّہ کا جو (connection) ہے وہ بھی ازلی اور ابدی ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ رُوح پہلے ہو اور مادّہ بعد میں اِس شخصیت کی بات ہے۔ اِس کے علاوہ جو مادّہ کے ساتھ رُوح کا (connection) ہے ذرّے میں بھی اور (on the whole) اِس کائنات کے ساتھ رُوحِ کُلّی کا (relation) ہے۔ اور جو ذرّہ ابھی ابھی جو ذرّے کی بات ہوئی تھی تو ذرّے کے ساتھ ذرّے کے طور پر رُوح کا (relation) ہے، شخصیّت میں اِس کے طور پر رُوح کا (relation) ہے اور کُل کائنات کے ساتھ نفس کُلی جو (universal soul) ہے اُس کا (relation) ہے لہٰذا رُوح کے ساتھ مادّے کا اور مادّے کے ساتھ رُوح کا جو رشتہ ہے یا تعلّق ہے وہ دائمی طور پر ہے۔

ابھی مجھے ازل اور ابد کی ذرا تشریح کرنے دیجئے۔ ازل کا کیا مطلب ہے؟ لاانتہا وقت یعنی ماضی، ماضی، ماضی، ماضی اِس طرح سے نہیں اور ابد مستقبل، مستقبل اور لاانتہا مستقبل اِس طرح سے نہیں، اِس کے لئے انگریزی کا ایک اچھا لفظ ہے (Timelessness)۔ ایک مقام ایسا ہے وہاں پر ٹائم نہیں ہے، ٹائم اِس لئے نہیں ہے کہ ماضی، مستقبل اور حال (mix up) ہو جاتے ہیں اِس کیفیت کو (Timelessness) کہتے ہیں تو وہاں پر وقت (close) ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر وقت کس چیز سے بنتا ہے؟ یہ کائنات، آسمان گردش کرتے ہیں اِس سے وقت بنتا ہے اِس کو آپ فرضی طور پر اِس کو مٹائیں تو وقت کا تصوّر ختم ہو جائے گا اور ایک ایسا وقت ہو گا جو کہ وہ رَوان دَوان نہیں ہے اِس کو ''دہر'' کہتے ہیں، ''دہر'' اٹل وقت، ساکن وقت، ٹھہرا ہوا وقت، تو دُنیا کے اِس وقت میں روانگی ہے کہ مستقبل کا جو سمندر ہے یعنی حال اور حال سے ماضی بن جاتا ہے، لیکن رُوحانیت میں ایسا نہیں ہے وہاں پر ٹھہرا ہوا وقت ہے، تو وہ ازل ہے اور وہ ابد بھی ہے، ابد اور ازل کیوں ایک جگہ پر ہے؟ اِس لئے کہ آپ کسی گولائی پر سفر کرتے ہیں کسی (starting point) سے روانہ ہو جاتے ہیں تو اُس (starting point) کو آپ فرض کرتے ہیں کہ یہ (starting point) ہے، اور جب آپ روانہ ہو جاتے ہیں تو پھر اُس (starting point) پر آجاتے ہیں تو آپ کا آغاز اور انجام ایک ہی جگہ پر ہوتا ہے اسی طرح جب آپ رُوحانی طور پر سفر کریں گے تو سفر کرتے کرتے ازل کو پائیں گے، آپ کو ابد کی طرف جانا تھا ازل میں کیوں گئے؟ آپ ازل میں

جائیں گے تو ابد ملے گا اور ابد کی طرف جائیں گے تو ازل ملے گا، چونکہ آپ جس طرف سے بھی ایک گول (circle) میں آپ دوڑیں تو وہی ایک پوائنٹ ملے گا چاہے آپ ایسے گھومیں یا ایسے گھومیں تو جو پوائنٹ آپ فرض کرتے ہیں وہی پوائنٹ آپ کے سامنے آئے گا۔ لہٰذا جو وقت کا تصوّر ہے یہ دُنیائے ظاہر میں ہے، جو رُوحانیت ہے، جو حکمت ہے اُس میں وقت کا تصوّر ختم ہو جاتا ہے اِس طرح وہ لازمان کیفیت ہو جاتا ہے۔ جس طرح آپ کہتے ہیں لامکان، لامکان کا کیا مطلب؟ ایک ایسی کیفیت جہاں پر اِس مادّی جہان کا تصوّر نہیں ہے یعنی مکان نہیں ہے، مادّی طور پر مکان نہیں ہے مکان کا تصوّر ہے شکل ہے صورت ہے سب کچھ ہے، مثلاً آپ خواب میں کہاں جاتے ہیں؟ خواب میں آپ کس دُنیا میں جاتے ہیں؟ وہ آپ کا خواب لامکان ہے، اُس میں (space) نہیں ہے، اُس میں ٹائم بھی نہیں ہے وہ (spaceless) ہے اور (Timelessness) ہے اُس میں نہ تو ٹائم ہے اور نہ (space) ہے وہ لامکان اور لازمان ہے۔ دیکھیں یہ خواب ایک فضول شئ نہیں ہے وہ ہمارے لئے عقل و دانش کی ایک کتاب ہے اُس میں بہت سی حکمتیں ہیں اور بہت سے بھید ہیں تو اگر ہماری عقل تربیت یافتہ ہے علمُ الیقین میں اگر ہماری عقل صلاحیت رکھتی ہے تو ہم ہمارے اپنے عالم خواب سے بہت سی چیزیں حاصل کر سکتے ہیں بہت سی چیزیں سیکھ سکتے ہیں۔ اِس سلسلے میں ہماری ایک چھوٹی سی کتاب ہے ''مطالعۂ رُوحانیت و خواب'' آپ اُس کو پڑھیں دیکھیں اُس میں خواب کی تعبیر تو نہیں ہے لیکن خواب کا فلسفہ بیان کیا ہوا ہے تو بہر حال انہوں نے ایک سوال کیا تھا اُس کی تشریح کی گئی۔

بہت دلچسپ اور تحریری سوال پیش کیا ہے، نفس انسانی کی لطافت جنّ، یہ بات صحیح ہے جو نمبر ۱ پر ہے لیکن اِس میں ایک کمی ہے نفس انسانی کی لطافت جنّ اور جنّ میں فرشتہ بھی شامل ہے اور لطیف قسم کی سب چیزیں شامل ہیں۔ جنّ کی لطافت مؤکل، مؤکل لفظ انہوں نے معلوم نہیں کس طرح سے سمجھ لیا ہے۔ مؤکل ایک پیشہ کی طرف ہے، جنّ سے نہیں ہے کوئی درجہ، مؤکل کوئی جنّ بھی ہو سکتا ہے، کوئی فرشتہ بھی ہو سکتا ہے۔ مؤکل اُس کو کہتے ہیں کسی کام کے اُوپر کوئی رُوحانی مقرّر ہے تو اُس کو مؤکل کہتے ہے یعنی مؤکل کوئی الگ مخلوق نہیں ہے یہ کام کی بات ہے، مؤکل کا لطافت فرشتہ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ فرشتہ براہِ راست انسان سے بنتا ہے اور جنّ بھی انسان سے بنتا ہے، میں نے اِس کتابِ رُوح کے اندر اِس کا ذکر کیا ہے، فرشتہ کی لطافت روح۔ دیکھا اُوپر انہوں نے نفس کو الگ لیا ہے اور نیچے رُوح کو الگ لیا ہے اور اِس سوال میں انہوں نے نفس کی لطافت کو جنّ قرار دیا ہے اور فرشتہ کی لطافت کو رُوح قرار دیا ہے اور رُوح کو اِس معنی میں فرشتہ سے اُوپر رکھا ہے، یہ بات ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے رُوح کی لطافت رُوح القدس۔ یہ بات اِس معنی میں صحیح ہے کہ رُوح اور نفس کا مطلب ایک ہے۔ رُوح القدّس کے معنی خدا، اِس طرح سے نہیں کہ خدا کسی چیز کا ماحصل ہو یہ بات بھی ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے، مطلب یہ (mix up) باتیں ہیں، میں اپنے طور سے اِس کی تشریح کروں گا اور میرے سامنے شاید وہ ہے جو اِس

موضوع پر میں نے لکھا ہے، پچاس نمبر یا کسی نمبر پر ہے۔

میں نے اِس کتاب کے اندر بہت آسان طریقے سے اِس کو بیان کیا ہے، آپ توجّہ دیں تو میں اِس کو بیان کروں گا۔ خداوند عالم نے تین مقامات پر توجّہ دینے کے لئے غور کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ خدا کی آیتیں تین مقام پر ہیں، ایک قرآن میں ہیں، ایک کتابِ کائنات میں ہیں، ایک نفس انسانی میں ہیں خدا کی آیتیں، آیتوں سے مراد نشانیاں قدرتِ خدا کی نشانیاں قرآن میں آیات ہیں، اِس کائنات میں آیات ہیں اور نفس انسانی میں آیات ہیں، تو اِن تین مقامات پر خداوندِ عالم نے غور کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ چلئے خدا کے اِس حکم کے بموجب ہم اِس کائنات میں جو قُرب و جوار کی چیزیں ہیں اُن پر غور کرتے ہیں تو ہم کو ایک چھوٹی سی چیز ملتی ہے وہ ریشم کا کیڑا ہے۔ اگر ریشم کا کیڑا نہیں ہے دُوسرے کیڑے ہیں اُن میں کیا بات ہے؟ اُن میں بہت اچھی بات ہے اچھی مثال ہے کہ کیڑے سے پروانہ بن جاتا ہے پروانے سے کیڑا بن جاتا ہے یہ ہم نے دیکھا۔ جب کہ خدا نے فرمایا تھا کہ اِس کائنات میں غور کرو میری قدرت کی نشانیاں ہیں۔ دیکھیں کیڑے کی لطافت سے پروانہ بن گیا پروانے کی کثافت سے کیڑا بن گیا، مجھے تشریح کرنے دیجئے کیڑے کی لطافت کیا ہے، کیڑا جب جسم کے کمال پر پہنچا تو کھانا پینا ترک کر کے کسی گوشے میں مست بیٹھا، جس طرح کوئی صوفی یا کوئی بھگت عبادت میں مست ہوتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اُس کے جسم کے اندر تبدیلی آ گئی جسم کچھ سکڑ گیا اور اُسی میں ایک پرندے کی تخلیق ہوگئی ایسی عجیب قدرت ہے، ہے تو حقیر سی چیز ہے لیکن قدرت کا بہت بڑا معجزہ ہے پروانہ بن گیا، پرندہ بن گیا، اُڑنے لگا کچھ عرصے کے بعد اُس میں سے ایک کثافت یہ پیدا ہوگئی کہ اُس کے انڈے ہو گئے اُس کا نر و مادّہ ہوگیا اور اُس میں سے انڈے ہوئے، انڈوں سے بجائے اِس کے کہ پروانے بن جائیں کیڑے بن گئے پھر دُوسرے سال اُس کیڑے سے پروانہ بن گیا تو یہ ایک دائرۂ لاانتہا بن گیا بالکل یہ اشارہ ہے، خیر۔ انسان کے اندر دو قسم کے دَور گزرتے ہیں ایک رُوحانی دَور ہے ایک جسمانی دور ہے، رُوحانی دَور کو آپ دَورِ لطیف بھی کہہ سکتے ہیں اور جسمانی دَور کو آپ دورِ کثیف بھی کہہ سکتے ہیں، تو چیز ایک ہوتی ہے اور نام کئی ہوتے ہیں۔ اچھا! ان دونوں میں کیا بات ہے؟ اب ہم دَورِ کثیف میں ہیں ہم سے آگے دَور لطیف تھا اُس دَورِ لطیف میں اِس سیارۂ زمین کے اُوپر جنّات کی حکومت تھی، جنّات لفظ لوگوں کے نزدیک بدنام ہے اور حالانکہ یہ کوئی بُرا نام نہیں ہے۔ اِس میں فرشتہ بھی ہے، اِس میں شیطان بھی ہے، اِس میں رُوحانی بھی ہے اِس میں انسان بھی ہے وہ لطیف جسم ہے، جنّ عربی کا ایک لفظ ہے پوشیدگی، (unseen)، نادیدنی اِس (sense) میں ہے جنّ۔ دیکھیں اِس کی میں نظیر پیش کروں گا، زبر کے ساتھ جَنَّ کہتے ہیں اُس باغ کو جس کو گھنے درختوں نے چھپا لیا ہو، جَنَّ اُس مخلوق کو کہتے ہیں زیر کے ساتھ جو (unseen) ہے نادیدنی ہے آنکھوں سے اوجھل ہے۔ جُنَّ اُس چیز کو کہتے ہیں جو جنگ میں ہمارے سر کو چھپاتا ہے تو ایک جَنَّ، ایک جنَّ ایک جُنَّ صرف زبر، زیر اور پیش کے فرق ہونے کے باوجود اِس کے

بنیادی معنی میں پوشیدگی اور (hiding) اور (unseen) یہ معنی ہیں، تو جنّ پوشیدہ مخلوق کا نام ہے لیکن لوگوں کی ذہنیتوں نے اِس مخلوق کو بدنام کر دیا ہے اُس کی تصویر کو بھونڈی شکل میں پیش کیا ہے، تو مختلف تہذیبوں نے، مختلف علاقوں نے، مختلف روایتوں نے، مختلف کہانیوں نے اِس کو ایک ایسا لباس پہنایا ہے کہ انسان اُس سے نفرت کرتا ہے اور حالانکہ آپ رُوحانی طور پر جنّات سے ملاقات کریں ایسی خوبصورت مخلوق ہے اور حالانکہ لوگ بھی کتنے نادان ہیں پری کے نام میں تو اُس کو بہت حسین و جمیل مانتے ہیں اور جنّ کے لفظ میں اُس کو بدشکل اور بہت ہی بدبودار اور بہت بھونڈی مخلوق مانتے ہیں حالانکہ پری لفظ فارسی ہے اور جنّ لفظ عربی ہے اور دونوں ایک ہی مخلوق کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ اچھا! تو دو دَور آتے ہیں ایک دور میں لطافت کا دَور ہے میں کہہ رہا تھا کہ اِس سیارۂ زمین پر قبل از آدم لطیف مخلوق کی حکمرانی تھی۔ اِس کے بعد کثیف مخلوق کی حکمرانی ہوگئی اب آگے چل کر پھر لطیف دَور آئے گا سب انسان جس طرح کیڑوں سے پروانے بن جاتے ہیں سب لطیف مخلوق بن جائیں گے، یہ تو دَور کی بات ہے جسم کی بات ہے، اعمال کی بات نہیں ہے ابھی کس طرح کیا ہوگا میں آپ کو بتاؤں، اِس میں تین گروپ ہوں گے فرشتے، جنّات، شیاطین تینوں لطافت میں جائیں گے پھر فرشتوں کے اندر بھی (categories) ہوں گی، بڑے فرشتے، چھوٹے فرشتے، درمیانی فرشتے تو جو نیک لوگ ہیں وہ اِس دَورِ لطیف کے آنے کے ساتھ ساتھ فرشتے بن جائیں گے، جو درمیان قسم کے لوگ ہیں وہ جنّات بن جائیں گے اُن میں نیک بھی ہیں بد بھی ہیں، جو لوگ دُنیا کے اندر ایسے ہیں کہ انہوں نے بس شیطانیت اور شرارت کی ہے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے تو وہ سب شیاطین کی شکل میں جائیں گے، ہو گئے سب لطیف، لیکن لطافت کے اندر ایک درجہ نہیں ہے بہت سے درجے ہیں۔ جس طرح کثافت میں سب ہیں ایک جیسے نہیں ہیں، پیغمبر بھی اسی میں ہیں، امام بھی ہے، ولی بھی ہے، عاشق بھی ہے، عارف بھی ہے، مومن بھی ہے، شیطان بھی ہے اور بہت سے لوگ ہیں جو مختلف درجے رکھتے ہیں تو یہ لطافت اور کثافت کی کوئی بات نہیں ہے وہ دَور کی بات ہے۔ مثال کے طور پر کوئی زمیندار/دہقان فصل کاشت کرتا ہے لیکن کسی سرد علاقے میں جب موسمِ سرما آتا ہے تو کوئی فصل کچّی بھی رہتی ہے، کوئی پھل خام بھی رہتا ہے، کوئی پک بھی جاتا ہے لیکن (season) آ گیا تو ابھی وہ (season) نہیں دیکھتا ہے کہ یہ چیز پکی ہے اور یہ کچّی ہے۔ جب دَورِ لطیف آئے گا تو وہ ہمارے اعمال کو نہیں دیکھے گا، جس طرح قیامت کا تصوّر ہے قیامت آئے گی تو یہ نہیں دیکھے گی کہ کون تیار ہے اور کون تیار نہیں ہے، تو وہ قیامت آئے گی تو قیامت سے مُراد لطیف دَور، رُوحانی دَور آئے گا تو بس سب پر رُوحانیت کی کیفیتیں گزر جائیں گی اور ایک دم سے لطافت میں (transfer) ہو جائیں گے، تو کوئی اُس میں سے جنّ ہوگا کوئی شیطان ہوگا، کوئی فرشتہ ہوگا۔

اِس میں ایک اور تجزیہ کریں گے کہ نفس و رُوح، نفس اور رُوح کوئی فرق نہیں ہے، رُوح کو اگر بڑھانا ہے قرآن کے اندر یا دین کی کتابوں کے اندر تو کہا جائے گا کہ رُوحِ کُلّی یا کہا جائے گا کہ ''رُوح الارواح'' رُوحوں کی رُوح یا کہا جائے

گا کہ ''رُوح القدس'' اُس رُوح کے ساتھ ایک اور لفظ کو (add) کرنا ہوگا تب ہی تو پتا چلے گا، کیونکہ رُوح بذاتِ خود اچھی بھی نہیں ہے اور بُری بھی نہیں ہے اسی طرح نفس میں بھی یہ مثال ہے، نفس کو اگر اچھے (sense) میں پیش کرنا ہے تو آپ کو ایک اور لفظ اُس میں (add) کرنا ہوگا نفس کلی نفس مطمئنہ اگر اُس کو بُرا بتانا ہے تو نفس امّارہ اور نفس حیوانی، اسی طرح نہ تو نفس لفظ بُرا ہے اور نہ رُوح لفظ اُس سے اچھا ہے بلکہ یہ عربی زبان ہے کہ نفس جان کو کہتے ہیں حتیٰ کہ خدا نے نفس کے لفظ کو اپنی ذات کے لئے استعمال کیا اگر نفس لفظ بُرا ہوتا تو خدا اپنی ذات کے لئے نفس کو استعمال نہیں کرتا۔ قرآن کے کئی مقامات پر خدا نے نفس کو اپنی ذات کے لئے، اپنے نور کے لئے استعمال کیا ہے اور اسی طرح ''الرّوح'' کو بھی اور جہاں تک خدا کا بن جانا کسی چیز سے یہ بات دُنیا کے جو دانشمند [ہیں] اِس کو پسند اِس لئے نہیں کریں گے کہ خدا کسی چیز کا ثمرہ اور میوہ نہیں ہے۔ اِس کی منطق یوں بنے گی اگر خدا کسی چیز کا ماحصل ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہود تصور کو مانیں کہ چلو کوئی چیز نہیں تھی، کوئی چیز نہیں تھی تو خدا پھل کی حیثیّت سے ہوتا تو خدا کا وجود نہیں ہوتا ابھی خدا کو بننے کے لئے وقت ہے کیونکہ اُس نے اِس کائنات کی چیزوں سے وُجود میں آنا ہے، تو اِس صورت میں کس نے اِس کائنات کو پیدا کیا؟ اِس کی کوئی منطق نہیں بنے گی اور دُوسری بات یہ خدا میں نہ تو کبھی کوئی کمی رہتی ہے نہ اُس میں کوئی اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ہماری رُوح خدا کی ذات سے الگ ہو کر دُنیا میں آئی ہے یہ کبھی نہیں ہے، اگر ہمارا خدا کے ساتھ کوئی اتحاد ہے تو وہ اتحاد ازلی اور ابدی ہے، اٹل ہے، اگر نہیں ہے تو ہم اُس کو چھو نہیں سکتے ہیں کیوں؟ جائیں گے وہاں جہاں کوئی جگہ ہو، کوئی کمی ہو تو اُس کو پوری کرنے کے لئے جائیں گے۔ خدا تو ایک کامل اور مکمّل تصوّر ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ خدا کی ذات سے کوئی رُوح الگ ہو کر آئی ہے سوال پیدا ہوتا ہے کیوں؟ کس لئے؟ کس کمی کی وجہ سے اور کس قصور کی سزا میں؟ خدا میں رہتے ہوئے قصور کیسے؟ خدا میں رہتے ہوئے کمی کس چیز کی؟ تو پھر کوئی منطق نہیں بنتی ہے خدا سے علیحدگی کی۔ لہٰذا یہ صحیح ہے کہ ہماری رُوحیں دو ہیں ہم نے اِس کتابِ رُوح میں یہ دیا ہوا ہے، ایک روحِ مستقر ہے جو خدا سے مل کر ہے، ایک روحِ مستودع ہے جو قریب ہوتی اور پھر دُنیا میں آتی ہے پھر قریب ہوتی ہے پھر دُنیا میں آتی ہے اسی میں مزہ ہے اور اسی میں مزہ ہے کہ ایک رُوح سے ہم خدا کے ساتھ مل کر ہیں۔ بڑے مزے کی بات ہے اِس کتاب میں یہ قصّہ آرہا ہے کہ ایک رُوح میں ہم خدا سے مل کر ہیں جو مونو ریالزم ہے اور ایک رُوح میں ہم دُنیا میں آتے جاتے ہیں تو دونوں کو (cover) کر رہے ہے کتنی اچھی بات ہے، ہم اِس بحث میں پڑے ہوئے تھے کہ آنا ہے یا نہیں آنا ہے تو ہم آپس میں (choice) کرتے تھے کوئی کہتا تھا کہ میں تو کبھی نہیں آؤں گا مجھے ایک بار نجات ملے گی تو مجھے نہیں آنا ہے چونکہ میں دُنیا سے تنگ آیا ہوا ہوں، کوئی کہتا تھا کہ نہیں دُنیا میں آنے کا مزہ ہے مہم جوئی کے طور پر تو کم از کم آنا چاہئے یہ بحث چل رہی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک لحاظ سے آتے ہیں اور دُوسرے لحاظ سے نہیں آتے ہیں تو یہ سب سے بڑی بات ہے کہ ہم دونوں چیزوں کو

(cover) کر رہے ہیں اور خداوندِ عالم نے ہر چیز کو جفت میں جوڑے میں پیدا کیا ہے اِس لئے ہماری بھی دو رُوحیں ہیں اور ایک رُوح مستقر ہے ایک رُوح مستودع ہے۔ ہم نے یہ حدیث بھی اِس کتاب کے اندر درج کیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے اپنے آخری وقت میں خداوندِ عالم سے دُعا مانگی کہ: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَالْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی'' خدایا مجھ کو رفیق اِعلیٰ سے ملا دینا۔ اب دیکھیں خدا کا تصوّر الگ ہے اور رفیق اعلیٰ الگ ہے اور رسولؐ رفیق اعلیٰ سے ملنا چاہتے ہیں اور خدا سے دُعا مانگتے ہیں رفیق اعلیٰ تو خدا نہیں ہے، مثال کے طور پر تو رفیق اعلیٰ اپنی رُوح ہے، اور اعلیٰ اِس لئے ہے کہ وہ اعلیٰ ہے اور رفیق اِس معنی میں ہے کہ ازل تا ابد وہ ہماری رفیق ہے۔ ہمارا اور اُس کا ایک ساتھ ہے تو یہ اِن کے سوال کا جواب۔

<u>اختیار اور ہدایت کے بارے میں</u>

۔۔۔عناصر ہیں اور حیوانیت کے بھی عناصر ہیں اور ہمارا مقام بھی ایسا ہے پوری طرح سے حیوانوں کے درمیان نہیں ہے اور کُلّی طور پر فرشتوں کی صف میں بھی نہیں ہیں، تو (right side) سے فرض کیجئے فرشتوں کا مقام ہے اور (left side) سے مان لیجئے کہ حیوانات کا مقام ہے ہم کو درمیان میں مقام ملا ہے یا بلندی کی مثال سے ہمارے اُوپر فرشتے ہیں اور نیچے جانور ہیں درمیان میں ہم کو جگہ دی گئی ہے۔ چونکہ ہم ایک طرف سے فرشتوں کے ہم سائے ہیں پڑوسی اور ایک طرف سے حیوانوں کے ہیں تو دونوں کے اثرات ہیں اور سرشت میں، تخلیق میں بھی یہ عناصر ہمارے اندر دو قسم کے ہیں۔ اب دیکھیں ہدایت سے فائدہ اُٹھا کر ہم کیا کام کرتے ہیں کہ ہم اپنے اُن (elements) پر غالب آتے ہیں جو حیوانیت سے متعلّق ہیں یا یہ جو حیوانیت کے (elements) ہیں فرشتگی کے (elements) پر غالب آتے ہیں، تو پھر یہ ہمارے اُوپر دارومدار آتا ہے اور نتیجے کے طور پر اگر ہم گر گئے تو بس حیوانیت میں گر گئے تو اپنے لئے کوئی مقام نہیں تھا وہ تو عارضی تھا گر گئے اور چڑھے تو بس اوپر فرشتوں کی جگہ ہے۔ لہٰذا جب فرشتوں سے قریب تر ہو جائیں گے اور جیسے جیسے حیوانیت کے (elements) کم سے کمتر ہوتے جائیں گے کمزور ہو جائیں گے تو اُس وقت ہمارا اختیار بھی کم سے کم ہوتا جائے گا اور اُس کی جگہ پر نورانی ہدایت آتی رہے گی تو یہ اپنے مقام کو آگے بڑھانے کے لئے یہ جہدوجہد ہے اور بڑا دلچسپ قصّہ ہے اختیار سے متعلّق۔

چلئے اِس کا لفظی تجزیہ بھی کریں، یعنی اختیار کے لغوی (literal meaning) کیا ہے؟ اختیار ایک عربی کا لفظ ہے اِس کی (root) خیر ہے، خیر (خ۔ی۔ر) خیر، یہ (root) ہے مصدر ہے اسی میں سے اختیار ماخوذ ہے اور اِس کے لغوی معنی یہ ہیں کہ دو یا چند ایک سے زیادہ چیزوں میں سے کسی کو پسند کرنا، (choice) کرنا، منتخب کرنا یہ اختیار کے معنی ہیں، تو یہ ہمارے اندر صلاحیت کی صورت میں یہ چیز ہے یعنی ہمارے سامنے دو چیزیں ہوتی ہیں ایک اچھی ہوتی ہے اور

ایک بُری ہوتی ہے تو اُس میں پسند ہم کر سکتے ہیں تو خدا نے ہم کو یہ (ability) دی ہے یہ قوت دی ہے اسی کا نام اختیار ہے۔ اب اِس اختیار کے تصوّر کے سلسلے میں دُنیا والے مختلف ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کا کوئی اختیار نہیں وہ سرنوشت ہے یا قسمت ہے یا تقدیر ہے جو ہر انسان کی پیشانی پر لکھی جاتی ہے جو قسمت میں ہے وہی ہوتا ہے کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہ بات نہیں ہے، تو خدا نے اختیار دیا ہے انسان کو، اِس میں ہمارا مسلک یعنی اسماعیلوں کا تصوّر اور امام کا ارشاد اِس سلسلے میں یوں ہے کہ ایک حد تک انسان کو اختیار حاصل ہے ایسا بھی نہیں ہے کہ پوری طرح سے اِس کو اختیار دیا گیا ہے یہ ہرگز نہیں ہے، یعنی جن چیزوں میں اختیار ہونا چاہئے اُن چیزوں میں اِس کو اختیار دیا گیا ہے یہ بات ہے، تو میں نے لفظی طور پر اِس کا تجزیہ کیا کہ اختیار لفظی معنی میں یا لغوی معنی میں یا (literal sense) میں کیا ہے، اِس کا (literal sense) یہ ہے کہ (to select or to elect) یعنی کسی چیز کو منتخب کرنا (choice) کرنا اِس کو اختیار کہتے ہیں اور اختیار ہے، اور مجھے یہ بھی کہنے دیجئے کہ یہ اختیار کیوں دیا گیا، دیکھیں! امتحان جانور سے نہیں ہے، فرشتوں سے بھی نہیں ہے حساب کتاب بھی اُن سے نہیں ہے یہ سب کچھ انسان کے لئے رکھا گیا تاکہ اِس کی فضیلت ہو اِس کے مراتب ہوں اِس کے درجات ہوں اور یہ قیامت کے دن بہت آگے بڑھیں اور اِس کے لئے اتنی ترقّی ہے کہ خدا تک پہنچتا ہے۔ اِن فضیلتوں کے لئے اِن شرافتوں کے لئے اور اِس عروج و ارتقاء کی خاطر انسان کو اختیار دیا گیا ہے اور اختیار دو چیزوں سے ہوتا تھا ایک طرف نفس اور ایک طرف عقل اِس توازن سے اِس (balance) کے درمیان میں سے اختیار بنتا ہے، اگر اِن میں سے ایک چیز یعنی عقل نہیں ہوتی تو پھر اختیار نہیں ہوتا اور نفس اگر نہیں ہوتا تو اختیار نہیں ہوتا یعنی (choice) کا سوال ہی نہیں ہوتا ہم تو کسی (side) کی طرف (automatic) لگ جاتے۔ جس طرح حیوان میں اختیار اِس لئے نہیں ہے کہ اُس کے اندر ایک (ability) ہے، ایک نفس ہے اور فرشتے کے اندر اختیار اِس لئے نہیں ہے اُس میں عقل ہے نفس نہیں ہے، تو نفس جو ہم کو دیا گیا اِس میں بھی حکمت ہے ہمیں یہ شکایت نہیں ہونی چاہئے کہ خداوندِ عالم نے ہم میں یہ نفس امّارہ ظالم کیوں رکھا، تو اِس کے نتائج پر غور کرنا چاہئے، اِس کے انجام کار کو دیکھنا چاہئے اِس کی عاقبت کو دیکھنا چاہئے کہ اِس کے نتائج کیسے ہیں۔ نفس کی بدولت ہم فاتح ہوتے ہیں ہم کو فتح ملتی ہے اِس نفس کو پامال کریں، اِس کو روندیں اِس کو قتل کریں اور یہ ایک طرف سے ہم کو فرمائشیں اور فرمائشوں پر فرمائشیں کرتا رہے اور دُوسری طرف سے ہم اُس کی مخالفت کریں اُس کو شکست دیں اُس کی بات کو نہیں مانیں تو تب بہادری بنتی ہے۔

دُنیا کے اندر کسی کو جنگ میں آپ [کسی کو] نہیں بھیجتے ہیں یا آپ بادشاہ ہیں یا (minister) ہیں یا کوئی حکومت کے کونسلر ہیں تو کسی جوان کو بہادر کو آپ موقع نہیں دیتے ہیں، تو پھر کس طرح آپ اُس کو انعام دینا چاہیں گے تو دُوسرے لوگ بھی ہیں تو آپ سے کہیں گے یہ تو انصاف نہیں ہوا تو اِس نے کوئی کارنامہ نہیں کیا تھا۔ جتنی سختی ہوتی ہے، جتنی تکلیف ہوتی

ہے اتنی بہادری ہوتی ہے، اُس قدر نیک نامی ہوتی ہے اُس قدر انجامِ کار فائدہ ہوتا ہے تو خداوندِ عالم نے اِس دُنیا کے اندر جو جو چیزیں پیدا کیں ہیں اُن سب میں حکمت ہے۔ ہمیں صرف اُن تمام چیزوں کو مانتے ہوئے جو ہدایتِ دین ہے اُس پر عمل کرنا چاہئے جو دین کی ہدایت ہے اُس پر چلنا چاہئے۔ انسان جانتا ہے کئی طرح سے جانتا ہے صرف اِس لئے نہیں جانتا ہے کہ اُس کو دین کی ہدایت ملتی ہے اِس کے علاوہ بھی اُس کو ایک ایسی بصیرت بھی ملی ہے کہ دُنیا ایک کھلی ہوئی کتاب ہے ایک بولتی کتاب ہے، اِس دُنیا کے اندر ایسے واقعات ہیں جو اپنی زبان سے بولتے ہیں، نیکی کے انجام، برائی کے نتائج اور ہر چیز دُنیا کے اندر سامنے ہے اُس کو دیکھ کر انسان بہت کچھ اپنے لئے نصیحت حاصل کرسکتا ہے پھر یہ تو عام ہدایت ہے بہت ہی (common) ہے، بہت سی باتوں میں اِس میں سے فائدہ ہوسکتا ہے لیکن بہت سے باریک مسائل ہیں وہ حل نہیں ہوسکتے۔ اگر یہی کچھ [ہدایت] کافی ہوتی یعنی یہ جو دُنیا کے اندر واقعات اور حالات سے جو ہدایت ملتی ہے وہ کافی ہوتی تو پھر دین میں کوئی ہدایت نہیں ہوتی وہ تو بالکل عام (level) کی چیز ہے اِس سے بڑھ کر اسلام کی ہدایت ہے اِس سے بڑھ کر اسماعیلیت، اسلام میں جو خاص ہے اُس کی ہدایت ہے۔

چلئے مجھے کہنے دیجئے کہ ہدایت کی بات آئی یہ بھی کہیں کہ ہدایت ایک ایسا وسیع مضمون ہے کہ پوری کائنات میں ہدایت پھیلی ہوئی ہے پھر آپ پوچھیں گے سوال کریں گے اگر یہ بات ہے تو ہدایت سب کو ملتی ہے تو سب بھی یکسان ہیں اور سب کے درجات یکسان ہونے چاہئیں۔ یہ بات نہیں ہے، اِس سلسلے میں سب سے پہلے کائنات کی چیزوں کی ترتیب کو سوچنا چاہئے کہ اِس ترتیب کے اندر سب سے پہلے جمادات ہیں جو نیچے ہیں بے جان چیزیں، اُس کے اُوپر نباتات ہیں اُگنے والی چیزیں، اُس کے اُوپر جانور ہیں، اُس کے اُوپر انسان پھر سے ذرا تجزیہ کریں، بے جان چیزیں ایک جیسی نہیں ہیں اُن کے اندر ہزاروں، لاکھوں (stages) ہیں اور نباتات اُگنے والی چیزیں بھی برابر نہیں ہیں اُس میں مختلف درجے ہیں اور جانور بھی ایک جیسے نہیں ہیں اُن کے اندر بھی ایک ترتیب چلتی ہے، یہ انسان بھی سب یکسان نہیں ہیں اُن کے طبقات ہیں اُن کے درجات ہیں۔ اِس سے ایک لمبا سلسلہ بنتا ہے اور اِس لمبے سلسلے میں سے ہر کڑی کے لئے ایک ہدایت ہے پتّھر کے لئے بھی ہدایت ہے۔ شاید میں نے کبھی یہ کہا تھا پتّھر کی ہدایت یہ ہے کہ آپ ہَوا میں پھینکیں تو وہ لَوٹ کر زمین پر گرے گا کیونکہ اُس کے اندر فطری (natural guidance) یہ ہے کہ وہ کششِ ثقل اُس کو واپس لے آتی ہے، پانی کے اندر ہدایت ہے، اور دُنیا کے اندر جو ہَوا ہے اُس میں ہدایت ہے، ان نباتات یعنی اُگنے والی چیزوں میں بھی ہدایت ہے اور جانوروں میں اِس سے زیادہ ہدایت ہے، جانوروں کے اندر جو خوف ہے اُس خوف کے اندر ہدایت ہے جانوروں کے اندر جو بچّوں سے اُنسیت ہے اُس اُنسیت کے اندر ہدایت ہے جانوروں کے اندر جو بھوک پیاس کا احساس ہے اُن کے اندر ہدایت ہے۔ پھر انسان میں جو ہدایت ہے، عام انسان کی میں بات کرتا ہوں اِس ہدایت سے یہ بڑھ کر ہے،

انسان کے مختلف طبقات اور دُنیا بھر کے مذاہب میں اُن کی حیثیّت کے مطابق ایک ایک ہدایت ہے لیکن اسلام جو خدا کا آخری دین ہے اُس کی ہدایت اعلیٰ ہے، کیونکہ وہ خدا کا آخری دین ہے وہ اعلیٰ ہے اور اسلام میں سے مختلف جو جماعتیں ہیں، مختلف جو مذاہب ہیں اُن میں جو اسماعیلیت کی ہدایت ہے وہ بہت ہی اعلیٰ ہے وہ اُس سے اُوپر ہے اور پھر اسماعیلیت میں بھی ماشاءاللہ بہت سے لوگ آپ کو ملیں گے بہت سے بھگت ہیں، عبادتی ہیں، خدمتگار ہیں، نیک ہیں تو اُن سب کو الگ الگ ہدایت ہے، ایک ہدایت مشترک ہے۔

کیا آپ ہر روز توفیق کی دُعا نہیں مانگتے ہیں؟ مکھی صاحب آپ کے لئے دُعا نہیں دیتے ہیں نیک توفیق، آپ ہی بتائیں کہ نیک توفیق کیا ہے، نیک توفیق یہ تو نہیں ہوسکتا ہے کہ کوئی عملدار آپ کو کچھ حکم کرتا ہے یہ نیک توفیق نہیں ہے۔ نیک توفیق رُوحانی (sense) میں ہے۔ یہ نیک توفیق جیسے آپ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ اِس کے بھی درجات ہوں اور یہ کوئی وسیع چیز ہو، آپ چونکہ مختصر کہتے ہیں نا کہ نیک توفیق کے بھی درجات ہوں اور ہوسکتا ہے کہ اِس کا دُوسرا نام نورانی ہدایت ہو اور ہوسکتا ہے کہ یہ نیک توفیق بڑھتے بڑھتے، پھیلتے پھیلتے کسی اعلیٰ مقام تک ملتی ہو، توفیق اور عربی میں اِس کا دوسرا نام بھی ہو القا، الہام اور وحی تک ہو لیکن وحی پر پابندی ہے اور جس چیز پر گورنمنٹ کی رحکومت کی پابندی ہوتی ہے تو ہم اُس پر بحث نہیں کرسکتے ہیں۔ آپ نے میرے مطلب کو سمجھا وحی ناممکن نہیں ہے لیکن اِس (term) پر اِس اصطلاح پر پابندی ہے، آپ وحی کی بات کریں گے تو کوئی غصّہ کرے گا آپ سے ناراض ہوجائے گا۔ چلو اِس اصطلاح کو آپ (use) نہ کریں جس پر گورنمنٹ کی پابندی ہو اُس کو (use) نہیں کرنے کا اور دوسرا لفظ ڈھونڈیں آپ۔ آپ ہدایت کہیں اِس ہدایت کے اندر توفیق کہیں اور کوئی دُوسرا لفظ استعمال کریں، تو میں کہہ رہا تھا کہ اختیار ہے کیونکہ ہدایت کی بات آئی تھی اور ہدایت کے سلسلے میں، میں نے کہا کہ ہدایت بہت درجات میں ہے، بہت درجات میں ہے اور یہ اُوپر سے اُوپر جاتی ہے، اُوپر سے اُوپر جاتی ہے، یہاں تک کہ پیغمبروں کی ہدایت عوام کی ہدایت سے بہت اُونچی ہے جو خاص مومنین کی ہدایت ہے وہ اُونچی ہے۔

آپ اپنے احوال کو دیکھیں کبھی آپ جماعت خانے میں پگھل کے آتے ہیں، اچھے گنان سُن کر اچھے واعظ سُن کر، بہت عبادت کرکے یا صبح نورانی وقت، اُس وقت آپ کس قدر سنجیدہ ہوجاتے ہیں اِس سنجیدگی کے اندر کوئی راز ہے کوئی راز ہے، دل نہیں چاہتا ہے کہ ایک دم سے آپ ہنسیں، دل نہیں چاہتا ہے کہ اُس وقت جو آپ نے عبادت سے بندگی سے حرارت پیدا کی ہے اپنے قلب کے اندر آپ جو پگھل گئے ہیں تو اُس وقت دل نہیں چاہتا ہے، تو یہ دل نہیں چاہنے کا کیا مطلب اور دل کے نہ چاہنے میں کیا راز ہے، اِس کے پس منظر میں کوئی ہے، کوئی ہاتھ کوئی طاقت وہ توفیق ہے وہ توفیق ہے جو آپ کو اِس عبادت سے اُس میں پاور آگیا آپ کی جو مشین تھی وہ چارج ہوگئی، چارج ہوگی، اب یہ دیکھنا ہے کہ آپ اِس مشین کو کتنی

دیر تک بحال رکھ سکتے ہیں، کب تک اِس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں تو یہ ہے توفیق، یہ ہے ہدایت تو جو ہوشمند مومن ہے اِن چیزوں پر بھروسہ کرتا ہے، عبادت کرتا ہے، نیکی کرتا ہے، خدمت کرتا ہے اور رُوحانی طور پر اِس کے نتیجے میں وہ آگے بڑھتا ہے، ترقّی کرتا ہے۔ شکریہ میں نے چند باتیں ضمناً کیں اور میں یہاں پر رُکتا ہوں۔

ٹرانسکرائب: حبیب اللہ ٹائپنگ: اکبر علی پروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائیؒ کا پُرحکمت بیان

عنوان: خدا کی سنت، سورۃ الشعراء: (آیت ۲۲۴ تا ۲۲۷) کی تاویل،

باغِ رُوحانیت کا برباد ہونا (۶۸: ۱۷ تا ۳۳)

رُوحانیت کے دو باغ (۱۸: ۳۲ ـ ۴۲)

کیسٹ نمبر: ۴۹ تاریخ: ۲۶/ اگست/ ۱۹۸۱ کراچی

Click here for Audio

میں اپنے عزیزوں سے دو یا چار باتیں خدا کی عادت کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔ خدا کی عادت کا موضوع اِس لئے ضروری ہے کہ قرآنِ مقدّس کے تمام بھید، تمام حکمتیں، تمام اسرار اور سارا علم خدا کی عادت کے تحت ہے یعنی خداوندِ عالم نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ اُس کی عادت کے موافق ہے، اِس لئے اگر ہم کو خدا کی عادت کا علم ہو جائے تو قرآن سے بہت سے اسرار کو، بہت سے بھیدوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ دُنیا کی مثال میں کوئی بادشاہ ہے یا بڑا آدمی یا کوئی دوست ہے تو اُس کی عادت کا جاننا ضروری ہوتا ہے تا کہ اُس کی عادت کے سمجھنے سے دوست کو اور متعلّقہ شخص کو علم ہو جائے کہ وہ کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا ہے اور اُس کے بولنے کا انداز کیا ہے اور اُس کا طریق کار کیا ہے وغیرہ، تو اِس لئے خدا کی بھی ایک عادت ہے، خدا کی عادت کو سنّت کہا گیا ہے، خیر سنّت کے الفاظ قرآن میں چند دفعہ آئے ہوئے ہیں لیکن لفظِ سنّت کے علاوہ خدا کی جو کچھ عادت ہے وہ فعلاً قرآن میں ظاہر ہے، تو خدا کی عادت میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ خدا مثالوں میں، اشاروں میں اور کنایوں میں بات کرتا ہے ایک تو یہ ہے۔ خدا کبھی کوئی بھید کی بات، کوئی حقیقی علم کی بات کُھلے الفاظ میں نہیں کرتا بلکہ وہ اشاروں میں، کنایوں میں اور مثالوں میں اُس حقیقت کو بیان کرتا ہے اور اپنے خاص بھیدوں کو بیان کرتا ہے۔ اب یہ سوچنا ہے کہ یہ کیوں ایسا ہے کہ خدا کی ایسی عادت ہے کہ وہ حقیقتوں کو کُھلے لفظوں میں بیان نہیں کرتا ہے، اِس میں کیا راز ہے، اِس میں کیا حکمت ہے اور یہ کیا بات ہے؟ تو اِس سوال کا جواب یوں ہے کہ اگر خداوندِ عالم قرآن میں اعلیٰ حقیقتوں کو یا بھیدوں کو یا حکمتوں کو بجائے اِس کے کہ مثالوں میں رکھتا وہ ظاہر کرتا، اور کُھلے الفاظ میں ہر قیمتی علم کو بیان کرتا تو پھر اُس میں دُنیا و آخرت میں کیا فرق ہوتا، دوست اور دُشمن کے درمیان کیا تمیز ہوتی؟ تو جس کو دینا چاہیئے اُس کو کیا دیا جاتا اور جس کو نہیں دینا چاہیئے اُس کو کس طرح نہیں دیا جاتا؟

آپ کو اندازہ ہوا کہ خداوندِ عالم کی یہ عادت کیوں ایسی ہے کہ وہ اشاروں میں بات کرتا ہے تو اِس کی وجہ ظاہر ہوئی کہ کچھ لوگ دُشمن ہیں اور کچھ لوگ دوست ہیں اور خدا نہیں چاہتا ہے کہ دین اور نور کے دُشمنوں کو اعلیٰ حقیقتوں کی باتیں بیان

کریں اور اپنے دوستوں کو اُن کے برابر رکھیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ خداوندِ عالم نے حکمتوں کو، حقیقتوں کو اور اعلیٰ سے اعلیٰ بھیدوں کو مثالوں میں رکھا، اشاروں میں رکھا اور اسی کا نام تاویل ہے۔ اِس لئے وہ مومن زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے قرآن سے، کتابِ سماوی سے، خدا کی آخری کتاب سے جو خدا کی عادت کو جانتا ہے اور پھر خدا کی عادت کے بعد اُن بھیدوں کا راستہ جانتا ہے اور اِس کے لئے امام کی ہدایت چاہیئے۔ یہ امام کی ہدایت بھی اسی طرح خدا کی عادت کے مطابق ایک خاص چیز ہے اور اِس بیان میں اِس سوال کے لئے جواب بھی ہے جس میں لوگ خیال کرتے ہیں کہ اگر امام، امام ہے تو کُل جہاں والوں کو وہ دعوتِ عام کیوں نہیں دیتے ہیں؟ دیکھئے اُن کی نادانی کو، اُن کی جہالت کو کہ امامؑ جو ایک انعام ہے، امامؑ جو ایک کرم ہے، جو احسان ہے، جو ایک خصوصی رحمت ہے تو یہ خصوصی رحمت کس طرح عام ہو سکتی ہے، کیونکہ رسول اللہؐ کے زمانے میں جیسا کہ آپ تاریخ کے لحاظ سے جانتے ہیں کہ امامؑ ایک انعام تھا اُن لوگوں پر جنہوں نے صحیح معنوں میں رسولؐ کی تابعداری کی تو اُن کو انعام ملنا چاہیئے تھا اور انعام یہ کہ اُن کو راہِ مستقیم کی ہدایت کے لئے ہمیشہ ہدایت ملتی رہے، ہے نا۔

اسی لئے خداوندِ عالم نے قرآن میں ایک ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اے ایمان والوں! تم صحیح معنوں میں ایمان لاؤ اور خدا سے ڈرو تا کہ خدا تم کو دُگنی رحمت دے اور تمہارے چلنے کے لئے ایک نور مقرر کر دے'' دیکھا چلنے کے لئے، اِس صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے، مستقبل میں چلنے کے لئے جو نور ممکن ہے خدا کی طرف سے وہ مشروط ہے یعنی اُس کے لئے شرط ہے، کیا ہے شرط؟ تقویٰ شرط ہے، ایمانِ کامل شرط ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس نے: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه'' کہا تو اُس کے لئے ہدایت مہیّا کر دی جائے اور تقویٰ، پرہیزگاری نہ ہو تو، اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کے شروع میں جو آپ پڑھتے ہیں سنتے ہیں کہ: ''ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ'' (۲:۲)۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں شک نہیں لیکن اِس کی ہدایت سب کے لئے نہیں ہے متقین کے لئے ہے، یہ بات اگر قرآنِ ظاہر سے متعلّق ہوتی تو یہ بات درست نہیں ہوتی اِس لئے کہ قرآن سب کے سامنے ہے، سب کے درمیان اور سب کے ہاتھ میں آسکتا ہے، تھوڑی بہت ہدایت قرآن سے ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے اِس میں پرہیزگاری کی کیا بات ہے، تو پرہیزگاری بعد کی چیز ہے قرآن کے لحاظ سے لیکن ایمان کے لحاظ سے پرہیزگاری تقویٰ بعد کی چیز نہیں ہے وہ اوّلین شرط ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ امام کو پکڑیں، امام کو حاصل کریں تو پھر پرہیزگاری بعد میں آئے گی یہ بات نہیں ہے۔ تقویٰ ہو، پرہیزگاری ہو تو امامؑ کی ہدایت حاصل ہوگی امامؑ کی شناخت ہوگی ورنہ نہیں تو رسول اللہؐ کے زمانے میں ایسا ہوا جو متّقی نہیں تھے، جو سیاسی تھے، جو دُنیوی تھے، جو منافق (type) کے تھے تو وہ امامؑ کی ہدایت سے محروم ہو گئے ہیں، اِس لئے خدا نے فرمایا کہ اے لوگوں جنہوں نے کلمہ پڑھا ہے پہلے تم تقویٰ کو حاصل کرو، ایمان کو مکمّل کرو، ایمان کی شرط میں پُورا ہو جاؤ تو تب تم کو نور حاصل ہوگا۔

آج بھی یہی بات ہے جولوگ سیاست میں، دُنیا کی غرض میں ملوّث ہیں اُن کی نظر میں امام ایک آدمی لگتا ہے ایک امیر ا آدمی لگتا ہے، ایک دُنیوی لیڈر لگتا ہے، ایک سیاستدان لگتا ہے کیونکہ ایسے لوگوں کا دل صاف نہیں ہے، تو جتنا تقویٰ ہوگا اتنا امامؑ کا نور روشن ہوگا تو تقویٰ شرط ہے۔ یہ خدا کی عادت کی بات تھی کہ خدا کی عادت ایسی ہے کہ کچھ کرے تو لوگوں کو کچھ ملے اور خدا کے بھیدوں کو پائیں، خدا کی خاص ہدایت کو حاصل کرسکیں تو خداوندِ عالم نے اپنے سارے کلام کو اِس انداز سے بیان کیا ہے کہ اُس کا ایک باطن ہے، ایک ظاہر ہے یہ ہوا مثالوں میں بات کرنا، اشاروں میں بات کرنا، تو ساری حکمت اشاروں میں ہے اور ساری حقیقت باطن میں ہے اور جس کے لئے امامؑ کی ہدایت کی ضرورت ہے اور جس کے لئے تقویٰ کی ضرورت ہے۔ آج ہم سب اسماعیلیت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن نا معلوم ہم کس کس مرحلے تک پہنچے ہیں یا پرہیزگاری کے کس کس درجے میں ہیں تو اگر ہم تقویٰ میں پورے اُتریں تو اِن شاء اللہ امامؑ کی کرامتیں فضیلتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ تقویٰ چونکہ اسلامی عبادات کا نچوڑ ہے، ایک خلاصہ ہے، ایک مغز ہے، کئی عبادات کو مکمّل کرنے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور تقویٰ یعنی پرہیزگاری بہت بڑی چیز ہے، بہت بڑی چیز ہے۔ تقویٰ کے بغیر کسی عبادت کا کوئی مزہ نہیں ہے، جو عبادت میں نامُرادی ہوتی ہے ناکامی ہوتی ہے وہ بھی تقویٰ کے نہ ہونے یا تقویٰ میں کمی ہونے کی وجہ سے ہے، تو تقویٰ کے کئی مراحل ہیں کئی درجات ہیں اور تقویٰ ر پرہیزگاری کے بہت سے طریقے ہیں۔ امامؑ کے امر و فرمان پر عمل کرنے سے تقویٰ حاصل ہوسکتا ہے اور مسلسل ذکر کرنے سے مومن کی رُوح تقویٰ کی طرف رُخ کرلیتی ہے تو آخری تقویٰ کے لئے ایک اسمِ اعظم ہے اور وہ اسپیشل ہے، جولوگ پرہیزگاری کا راستہ اختیار کرتے ہیں تقویٰ کے رستے پر چلتے ہیں تو اُن کو ایک تقویٰ کا کلمہ یا کہ تقویٰ کا اسم سامنے آتا ہے یہ رُوحانیت کے معجزات میں سے ہے۔

بہرحال خدا کی عادت کے بارے میں، میں نے چند الفاظ بیان کئے اور ایک پہلو یہ رہ گیا کہ لوگ خوش ہوتے ہیں کہ وہ سنتِ نبوی پر چل رہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں سنّت نبوی یعنی پیغمبر کی سنّت یا کہ عادت، عادت کا دُوسرا نام سنّت ہے تو یہ سنّت خدا کی سنّت کے برعکس ہے یا بالکل خدا کی سنّت کے موافق ہے؟ یہ سوال کرنا چاہیئے۔ اگر لوگ اِس کو مانیں کہ خدا کی عادت رسولؐ کی عادت سے کس طرح الگ ہوسکتی ہے تو پھر ہم خدا کی عادت کو دیکھیں گے کہ قرآن میں خدا کی عادت کیا ہے تب پتا چلے گا۔ بہرحال ہماری کتاب میں اِس کا ذکر ہوا ہے اُس کی شاید مزید تشریح کرنے کی ضرورت ہے اور وہ ''علم کے موتی'' کے نام سے ہے [صفحہ: ۳۵]۔ اُس میں اللہ کی سنّت کا ذکر آیا ہے اور اُس میں بڑی حکمت ہے جو خدا فرماتا ہے کہ: ''اے رسول میری عادت میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے'' (۳۰:۳۰)۔ یعنی میری عادت آگے گزر چکی ہے اور اُس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اِس کا اشارہ یہ ہوا کہ جس طرح سے رسول اللہؐ سے اگلے زمانے میں ہدایت کا، حاضر ہدایت کا، زندہ ہادی کی ہدایت کا سلسلہ جاری رہا ہے تو اِسی طرح اب بھی اور مستقبل میں بھی یہ اللہ کی عادت قائم رہے گی اور اِس میں کوئی

تبدیلی نہیں ہے، اِس میں تصوّرِ اسماعیلیت کی تصدیق ہوتی ہے، اِس نکتے میں یعنی اللہ کی سنّت کے بیان میں تصوّرِ اسماعیلیت کی تصدیق ہوتی ہے کہ جس طرح اسماعیلیوں کا تصوّر ہے کہ ہدایت کا جو سلسلہ ہے خواہ وہ نبی کی طرف سے ہو یا امام کی طرف ہو بہرحال نبی بھی اور امام بھی خلیفۂ خدا ہے اور مقصد لوگوں کی ہدایت ہے تو ہدایت کا یہ سلسلہ شروع سے لے کر آخر تک زمانۂ آدم سے لے کر دورِ خاتم تک اور دورِ خاتم سے لے کر قیامت تک یہ سلسلہ جاری و ساری ہے یہ اسماعیلیوں کا تصوّر ہے، تو اللہ کی عادت کے بیان میں بھی یہی بات ہے جو خدا نے فرمایا کہ میری جو عادت آگے جس طرح گزر چکی ہے وہ عادت ایسی ہی رہے گی، تو اُس میں جو اصل پوائنٹ ہے وہ یہی ہے کہ ہدایت کا سلسلہ جاری رہے گا کیونکہ یہ دین کے اندر ایک اہم کام ہے کہ ہدایت کی جو ذمّہ داری ہے وہ اللہ پر ہے، کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کچھ زمانے کے لوگوں کو وقت اور زمانے کے تقاضے کے مطابق تازہ بہ تازہ، نو بہ نو ہدایت ملتی رہے اور پھر اُس کے بعد ایسا کوئی وقت آوے کہ خداوند ہدایت کے سرچشمے کو اپنے حضور اُٹھاوے اور پھر لوگ اِس زندہ اور حاضر ہدایت سے محروم رہ جائیں یہ تو ناممکن بات ہے پھر کس طرح خداوندِ عالم قیامت کے دن پوچھے گا لوگوں سے پوچھ گچھ کرے گا کہ تم نے وہ نہیں کیا اور یہ نہیں کیا جو میں چاہتا تھا، حالانکہ لوگوں کو یہ علم ہوسکتا ہے کہ وہ کہیں گے خداوند! ہمارے زمانے میں ایسی ہدایت نہیں تھی جیسی اگلے زمانے میں تھی تو وہ کہہ سکیں گے تو پھر اِس میں اُن پر عدالت کس طرح قائم ہوسکتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ خدا کی عادت کی بنیادی بات اور بنیادی حقیقت یہ ہے کہ اُس نے ہر زمانے میں دُنیا کے اندر یعنی روئے زمین پر اپنے خلیفہ کو رکھا اور خلافت کا مقصد ہدایت ہے، ہدایت دین کے اندر بہت بڑا مقصد ہے اور بہت بڑا کام ہے۔ اِس لئے اسماعیلیوں کا یہ تصوّر بالکل صحیح ہے کہ دین کے اندر ہدایت کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور اللہ کی عادت کا اشارہ، اللہ کی ہدایت اور عادت کی تعریف بس یہی ہے کہ دُنیا کے اندر ہدایت قائم ہے ہدایت کی روشنی ہمیشہ پھیلتی رہتی ہے تو یہ اللہ کی عادت کا دُوسرا پہلو ہے۔

یہ تو ایک خاکہ ہے پورا ایک مفصّل بیان نہیں ہے، میں اِس بیان سے صرف آپ کو توجّہ دلانا چاہتا ہوں، احساس دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ کی جو عادت ہے یا اُس کی جو سنّت ہے اُس کے متعلّق بہت زیادہ معلومات کی ضرورت ہے قرآنی معلومات کی ضرورت ہے اور اُس پر بحث و مباحثہ یا کہ مذاکرہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ بہت اہم موضوع ہے کہ اللہ کی کیا عادت ہے یا کہ اُس کی سنّت کیا ہے۔ اِس سلسلے میں آپ کی معلومات کافی وسیع ہونی چاہئیں تاکہ ہمیں یقینِ کامل حاصل ہو کہ ہم خدا کی سنّت پر ہیں اور رسولؐ کی سنّت پر ہیں۔ رسولؐ کی سنّت کیا تھی؟ رسولؐ کی سنّت کا مرکز کیا تھا؟ رسولؐ کی سنّت میں بنیادی بات کونسی تھی اور سب سے بڑی ضروری چیز کیا تھی؟ یہ کہ اللہ کی سنّت کے مطابق اپنے زمانے میں خود حاضر اور موجود ہو کر لوگوں کی ہدایت کرنا یہ رسولؐ کی سنّت تھی۔ خود ہی بتائیں لوگوں پر نہ چھوڑیں، قرآن کو بھی پڑھ کر سنائیں، لوگوں سے نہ کہیں کہ دیکھو قرآن تمہارے سامنے ہے تو اپنے لئے رستہ اختیار کرو، اپنے لئے قرآن میں سے ہدایت لو ایسا تو

نہیں فرمایا، حالانکہ اُس زمانے کے لوگوں کو یہ بات بہت یہ آسان تھی کہ قرآن کو سمجھتے، اُس کی وجہیں دو تھیں ایک تو یہ کہ قرآن اُن کی مادری زبان میں تھا، دُوسرا یہ کہ قرآن کے واقعات اُن کے احوال کے مطابق تھے یعنی قرآن میں جو کچھ احکامات نازل ہوئے تھے وہ اُن کے سوالات کے جواب کے طور پر تھے، اُن کے احوال کے مطابق تھے، اُن کے زمانے کے مطابق تھے، اُن کے اسباق تھے، اُن کے (lesson) تھے اِس کے باوجود بھی یہ اُن کی ذمہ داری نہیں تھی کہ قرآن کو خود ہی سمجھیں اور قرآن نے اُن کو بتایا کہ قرآن آیا اِس لئے ہے کہ رسولؐ اُس کو بیان کریں لوگوں کو سمجھائیں تو یہ بھی ایک سنّت کی اہم بات ہے تو رسولؐ ہدایت کرتے تھے، رسولؐ امامت کرتے تھے، رسولؐ تعلیم دیتے تھے رسولؐ بادشاہِ دین تھے، رسولؐ امر فرماتے تھے، رسولؐ نماز میں، حج میں، زکوٰۃ میں اور ارکانِ اسلام میں سے ہر چیز میں رسولؐ اُن کے سامنے تھے یہ سنّت تھی، تو اِس کے لئے سوچنا چاہئے کہ اسماعیلیوں کا جو تصوّر ہے یہ صحیح ہے اور یہ گفتگو آج اتنی ہی ہے، اسی کے ساتھ میں اِس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ لوگ اکثریت کو دیکھتے ہیں اور اکثریت کو مانتے ہیں کہ یہ حق پر ہیں تو اکثریت کی کیا بات ہے، اِس کا جواب یوں ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں جنہوں نے رسولؐ کو قبول کیا وہ زیادہ تھے یا جنہوں نے انکار کیا وہ زیادہ تھے؟ دُنیا کے سب لوگوں نے کہاں یہ اقرار کیا تھا تھوڑے سے لوگوں نے اقرار کیا تھا، اکثریت کی کوئی بات نہیں۔ قرآن میں جہاں لوگوں کے دو گروہ کا ذکر آتا ہے تو اُس میں ہمیشہ فرمایا گیا ہے کہ اکثر نادان ہیں، اکثر جاہل ہیں، اکثر انکار کرنے والے ہیں اِس طرح سے قرآن میں بیان آیا ہے پھر اکثر کی کوئی بات نہیں ہے۔ دُنیا کے اندر جو اصل چیز ہے وہ تھوڑی سی ہے۔

<u>سورۃ الشعراء:۲۶ (آیت ۲۲۴ تا ۲۲۷)</u>

وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم کچھ علمی بات کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے عزیزوں میں سے ایک نے قرآن میں سے کچھ سوالات سامنے لائے ہیں اور وہ سوالات زیادہ سے زیادہ علمی ہیں اِس لئے ہم اُن سوالوں کے بارے میں کچھ بتانے کی کوشش کریں گے۔ یہ سوال تین ہیں، دو ایک جیسے ہیں اور ایک اُن دونوں سے ذرا مختلف ہے۔ لہٰذا جو مختلف ہے اُس سے بحث کریں گے اور وہ یہ ہے کہ شعراء یعنی شاعر لوگ دو قسم کے ہوا کرتے ہیں، ایک گروہ وہ ہے جس کو خدا کی تائید حاصل نہیں ہے وہ تو خیالی شاعروں کا گروہ ہے اور اُن کو رُوح القدس سے کوئی مدد حاصل نہیں، جن لوگوں کو رُوح القدس سے تائید حاصل نہیں ہوتی اُن کو شیاطین سے مدد ملتی ہے تو اِس کا ذکر ہے قرآن میں کہ جو لوگ ایسے ہیں کہ اُن کو خدا سے تائید حاصل نہیں ہے تو اُن کو شیاطین کی مدد ملتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ" (۲۶:۲۲۴) اور شعراء کی پیروی گمراہ

لوگ کیا کرتے ہیں۔یعنی جن کو دُنیا میں ہدایتِ حقہ کی روشنی حاصل نہیں تو وہ لوگ لازمی طور پر گمراہ ہیں اور ایسے لوگ باطل قسم کے شاعروں کی پیروی کیا کرتے ہیں۔''اَلَمۡ تَرَ اَنَّهُمۡ فِیۡ كُلِّ وَادٍ يَّهِيۡمُوۡنَ ''(۲۶:۲۲۵) کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایسے غلط شاعر کس طرح جنگل جنگل سرگردان مارے پھرتے ہیں۔یعنی اُن کے تصوّرات، اُن کے خیالاتِ بے حقیقت ایسے ہیں جیسے کچھ لوگ جنگلوں میں وادیوں میں کسی راستے کے بغیر مارے مارے پھرتے ہیں یا رستے کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ ''وَاَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا يَفۡعَلُوۡنَ ''(۲۶:۲۲۶) اور اِس میں سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ جو بے حقیقت شاعر ہیں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن کو وہ کرتے نہیں ہیں، جن پر وہ عمل نہیں کرتے ہیں، عمل کے بغیر حقیقت کے بغیر باتیں کرتے جاتے ہیں، تو یہاں تھوڑی سی وضاحت یہ کریں کے کہ جیسا کہ کہا گیا کہ شاعر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ شاعر ہیں جو ربّانی شاعر ہیں جن کو رُوح القدوس سے تائید حاصل ہے جن کے اقوال میں حقیقت ہوتی ہے، رُوحانیت ہوتی ہے، معرفت ہوتی ہے اور جو حقائق و معارف کو عملی طور پر سمجھتے ہوئے، جانتے ہوئے پیش کرتے ہیں اور اُنہوں نے بہت کچھ دیکھا ہے، جیسے ہمارے پیر بزرگ جنہوں نے اپنے وقت میں شعر و شاعری کی اور حقیقتوں کو نظم کی صورت میں انہوں نے پیش کیا اور جو اِن کے برعکس ہیں اُن کی خامی یہ ہے کہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن کے وہ اہل نہیں ہیں یعنی محض خیالات کی بلندی اور خیالات ہی خیالات میں پرواز کرنا بغیر اِس کے کہ وہ کچھ جانتے ہیں، اُونچی اُونچی باتیں کرنا تو دُنیا کے اندر ایسے بہت سے شاعر گزرے ہیں اور اب اِس زمانے میں بھی موجود ہیں جو کہ بس فن کے طور پر، پیشہ کے طور پر شاعری کرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اپنے شعروں کے اندر وہ حقیقت نہیں ہے وہ باتیں جو وہ کہتے ہیں اُن کو کرتے نہیں ہیں اور نا ہی وہ چیزیں اُن کے شعروں میں موجود ہیں جن کا وہ تذکرہ کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں تو ایسے لوگوں پر شیاطین نازل ہوتے ہیں اور شیاطین اُن کو قوّت پہنچاتے ہیں۔

اِس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:''اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّانۡتَصَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا ''(۲۶:۲۲۷) مگر وہ ایماندار لوگ اِن میں سے الگ ہیں، اِن میں شامل نہیں ہیں جنہوں نے کہ صحیح معنوں میں ایمان لایا ہے اور اچھے کام کئے ہیں اور وہ کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اِس مقام پر جو ارشاد ہوا کہ وہ کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں تو یہ اِس حقیقت کی طرف ایک واضح اشارہ ہے کہ کثرت سے خدا کو یاد کرنے سے رُوحانی تائید حاصل ہوتی ہے اور جس سے کہ مومنین دُوسرے لوگوں سے ممتاز اور الگ ہو جاتے ہیں۔'' وَانۡتَصَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا ''(۲۶:۲۲۷) تو اُن پر ظلم کئے جانے کے بعد اُنہوں نے بدلہ لیا۔''وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ''(۲۶:۲۲۷) اور بعد میں پتا چلے گا، بعد میں معلوم ہوگا کہ اِس دُنیا کے اندر لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اُس کا میدان کیسا تھا اور اُس کام کی نوعیت کیا تھی تو یہ بعد میں جاننے کی چیز ہے۔خلاصہ اِس کا یہ ہوا کہ دُنیا کے اندر دو قسم کے

شاعر ہوتے ہیں یعنی ایک قسم کے شعراء وہ ہیں جن کو رُوح القدس کی تائید حاصل نہیں ہے یعنی جن کو اللہ کی طرف سے کوئی مدد حاصل نہیں ہے لہٰذا اُن پر شیاطین نازل ہوا کرتے ہیں، اِس کے برعکس دوسرے شعراء ہیں جو اہلِ ایمان میں سے ہے جو کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں اور جس کی بدولت اُن کو رُوح القدس سے مدد ملتی ہے اور اُن کے کلام میں حقیقت اور معرفت ہوتی ہے اور اُن کے اقوال مبنی برحقیقت ہوتے ہیں تو یہ ایک سوال تھا۔

باغِ رُوحانیت کا برباد ہونا (۶۸:۱۷تا۳۳)

اب اِس کے بعد دوسرا سوال ہے ہم اُس کی طرف جاتے ہیں، اُس سوال کو متنِ قرآن سے پڑھنے سے پیشتر تنزیل کی صورت میں ایک روایت کو پیش کرتے ہیں تا کہ اِس روایت کے بعد جو تاویل ہے وہ بتائیں تا کہ آپ کو تنزیل اور تاویل میں دونوں میں جو فرق و تفاوت ہے وہ نمایاں ہو جائے۔ صنعٰ یمن سے ۱۲ میل کے فاصلے پر سروان میں سرِراہ ایک باغ تھا، صنعٰ یمن سے بارہ میل کے فاصلے پر سروان میں سرِراہ ایک باغ تھا اور اُس باغ کا ایک مالک نیک دل سخی آدمی تھا اُس میں سے حق اللہ بھی دیتا، محتاجوں کو بھی کھلاتا، مسافروں کو بھی محروم نہ رکھتا، اتفاقاً جب وہ مر گیا تو اُس کے تین بیٹے وارث ہوئے اِس باغ کے اور اُس سال باغ خوب پھلا تھا۔ دونوں بڑے بیٹوں نے اُسے دیکھ کر یہ صلاح کی کہ اِس سال میں سے کسی کو کچھ نہ دینا چاہیئے تا کہ اِس کی بدولت دولت مند ہو جائیں۔ چھوٹے نے اگرچہ باپ کا رویّہ اختیار کرنا چاہا مگر اِن لوگوں کی زیادتی اور شرارت سے اُن کا ساتھی ہو گیا غرض جب وہ تیار ہو گیا تو ایک دن قریبِ شام یہ لوگ آئے اور ارادہ کر کے گئے کہ کل اُسے ضرور توڑیں گے یعنی پھل کو توڑیں گے مگر حق خدا بند کر دینے کی وجہ سے رات ہی کو ایسی آفت آئی کہ سارا باغ تباہ ہو گیا اور صبح کو دیکھا تو کچھ نہ تھا یہ روایت ہے۔ اب متنِ قرآن سے پڑھتے ہیں۔

''اِنَّا بَلَوْنَاهُمْ'' (۶۸:۱۷) یہ آگے کچھ لوگوں کا ذکر گزر گیا ہے جن کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اُن کو آزمایا، اُن سے امتحان لیا۔ ''كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ'' (۶۸:۱۷) جس طرح ہم نے باغ کے مالکوں کو آزمایا۔ اِس باغ کے مالکوں کو جس کا قصّہ ہو گیا ہے تو اب قرآن کی زبان سے سنئے کہ باغ کے مالکوں نے کیا کہا۔ ''اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ'' (۶۸:۱۷) اُنھوں نے عہد و پیمان کیا اور خدا کی قسم کھائی کہ صبح سویرے باغ میں سے پھل کو اکٹھے کریں گے توڑیں گے۔ ''وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ'' (۶۸:۱۸) خداوند ارشاد فرماتا ہے کہ انہوں نے انِ شاء اللہ نہیں کہا یعنی اُنہوں نے یہ نہیں کہا کہ خدا کو منظور ہو اور خدا نے چاہا تو ہم یہ کام کریں گے، ایسا نہیں کہا۔ ''فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ'' (۶۸:۱۹) اور راتوں رات تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بلا آ کر اُس نے باغ میں چکر لگایا۔ درحالیکہ وہ باغ کے مالکان سوئے ہوئے تھے۔ ''فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ'' (۶۸:۲۰) تو وہ باغ کیا ہو گیا، کالی رات کی طرح اُس میں

کچھ بھی نہ تھا نہ کوئی رونق تھی، نہ کوئی درخت تھا، نہ کوئی پھل کچھ بھی نہیں تھا۔اب یہاں ٹھہریں اور تاویل کا جو دروازہ ہے اُس کو کھولنے کے لئے کوشش کریں۔آپ کے علم میں یہ بات آنی چاہئے کہ کل جو کہا جاتا ہے یہ دُنیا کی عادت کی طرح دوسرے دن کو نہیں کہا جاتا ہے بلکہ تاویل کی زبان میں کل مستقبل کو کہا جاتا ہے یعنی تاویل اور حکمت میں جو کل ہے وہ ذرا وقت کے بعد آتا ہے، دُنیا کے کل کے برعکس کہ وہ ایک ہی دن کے بعد دُوسرے دن میں کل آتا ہے اور تاویل اِس کی یوں ہے کہ کچھ لوگوں کے پاس رُوحانیت کا ایک باغ تھا جس پر وہ لوگ نازان تھے اور اُن کو یقین تھا کہ یہ جو رُوحانیت کا باغ ہے یہ ہمیشہ کے لئے اُن کی ملکیت کے طور پر رہا کرے گا، لہٰذا اُن لوگوں نے، اُن مومنوں نے، وہ مومن تھے یوں سوچا کہ ہماری رُوحانیت کا جو باغ ہے یہ ہمیشہ کے لئے ہمیں رہے گا اور کل یعنی ماضی میں بھی جس طرح آج ہم رُوحانیت کے باغ سے پھل حاصل کر رہے ہیں تو اسی طرح مستقبل میں بھی ہم اِس رُوحانیت کے باغ سے استفادہ کرتے رہیں گے، فائدہ اُٹھاتے رہیں گے ایسا سوچا اور یہاں جو اشارہ ہے کہ کل صبح سویرے اِس باغ سے پھل توڑیں گے تو اِس کا مطلب ہے کہ اکثر رُوحانیت کا حصول پچھلی رات کو ہوتا ہے تو یہ اِس چیز کی طرف اشارہ ہے۔

پھر اُنہوں نے کہا قرآن کی زبان میں :''فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ○اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِيْنَ ''(۶۸:۲۱۔۲۲)تو اُنہوں نے ایک دُوسرے کو بلایا، ایک دُوسرے کو آگاہ کیا کہ تم اپنے اِس باغ میں صبح سویرے پھل توڑنے کے لئے حاضر ہو جانا''فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ○اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ○وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قَادِرِيْنَ''(۶۸:۲۳۔۲۵)وہ چپکے چپکے آپس میں باتیں کیا کرتے تھے اور اُنہوں نے کہا کہ دیکھو اِس اہتمام سے جانا کہ تمہارے پھل کے توڑتے وقت کوئی مسکین، غریب، درویش وہاں پیدا نہ ہو جائے، کسی کو خبر ہی نہ ہو تو جتنا پھل ہے اور جتنا حصول ہے وہ تم خود ہی چپکے چپکے لے لینا، یوں کہا۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُن مومنین کو جن کو رُوحانیت حاصل ہوئی تھی اُن میں یہ خامی تھی کہ وہ اپنی ترقّی سے مسکینوں کے حق کو ادا نہیں کرتے تھے یعنی علمی خدمت یا کوئی خدمت نہیں کرتے تھے۔اُن کی رُوحانیت کا جو باغ چھن گیا اُس کی کئی وجوہ ہیں جو دُوسری جگہ پر بھی اِس کا ذکر ہوگا اور ایک خاص وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مسکینوں کے حق کو ادا نہیں کیا۔یہ اشارہ ہے کہ جن کی رُوحانی ترقّی ہوتی ہے اُن کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں خدمت کرے اور ایسا نہیں سوچے کہ جو ہماری ترقّی ہے، جو ہم کو حاصل ہے تو یہ ایک فرق و امتیاز اور برتری کے طور پر ہمارے لئے ہی رہے اور ہم سے کسی کو کوئی کسی صورت میں نہ ملے، اگر ایسا کہا گیا تو اُن باغ کے مالکوں کی بات ہوئی جیسے اُنہوں نے کہا تھا کہ صبح سویرے چلنا کہ کوئی تم کو نہ دیکھ پائے تم اپنے پھل کو اپنے ہی لئے چُن لینا باغ میں سے، درختوں میں سے پھل اُتارنا، توڑنا اور کسی فقیر درویش کو نہیں دینا تو یہ بات انہوں نے کی تھی اور جس کی سزا میں یہ باغ اُن سے چھن گیا، تو یہاں یہ بات ہے کہ اگر کسی کی

رُوحانی ترقّی ہوتی ہے تو وہ دو طرح سے خدمت کرسکتا ہے، ایک یہ کہ علمی طور پر خدمت کرسکتا ہے اور اگر نہیں تو پھر وہ اِس ترقّی کی شکرگزاری میں خدمت کرے مذہب کی، قوم کی، جماعت کی، بنی نوعِ انسان کی تا کہ کسی نہ کسی طرح سے رُوحانیت کے باغ کا جو پھل ہے اُس کی زکوٰۃ اُس کا حق ادا ہو جائے۔ میں نے کہا اگر علمی صورت میں نہیں تو دوسری شکل میں بھی خدمت ہوسکتی ہے، اِس کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی کے پاس روپے پیسے ہیں تو اُن کی زکوٰۃ بنتی ہے اور زکوٰۃ کسی بھی قیمت میں ادا کر سکتا ہے خواہ غلّہ کی شکل میں، خواہ نقد کی شکل میں، خواہ جنس کی شکل میں کسی بھی طرح سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کی رُوحانی ترقّی ہوئی ہے تو بس اُسی شکل میں وہ دے اگر نہیں دے سکتا ہے یا کوئی مجبوری ہے یا کوئی اور سبب ہے کوئی وجہ ہے، تو وہ شکرگزاری کے طور پر اِس کی زکوٰۃ، اِس کا حق ادا کرسکتا ہے اور کرنا چاہئے تا کہ اُس کا باغ سدا بہار رہے اور خداوندِ عالم نے اِس مقصد کے لئے اِس قصّے کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ ''فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ'' (۲۶:۶۸) جب انہوں نے اپنے باغ کو دیکھا تو کہا کہ ہم تو شاید غلط آئے ہیں ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہے کیوں کہ اِس میں ایسا کوئی نشان نہیں ہے۔ ''بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ'' (۲۷:۶۸) لیکن انہوں نے کہا کہ ہم تو بس مایوس ہو گئے، محروم ہو گئے۔ ''قَالَ اَوْسَطُهُمْ'' (۲۸:۶۸) تو چھوٹے نے کہا جو متوسّط تھا یا انصاف پسند تھا۔ ''اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ'' (۲۸:۶۸) کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح عبادت میں کوتاہی کرتے ہو۔

اب دُوسری وجہ بیان کی گئی ہے کہ اُن میں عبادت کی کمی بھی آئی تھی کیونکہ عبادت اور خیر وسخا لازم وملزوم ہے کہ اگر ایک شخص باقاعدگی سے عبادت کرتا ہے، تسبیح پڑھتا ہے تو یہ لازمی بات ہے اُس عبادت کے نتیجے میں اُس کے دل میں یہ توفیق آئے گی اللہ پاک کی طرف سے کہ جو کچھ کرنا چاہئے وہ کرے اور خدا سے اُس کو اشارہ ملے گا۔ اُوپر یعنی کثرت سے خدا کو یاد کرنے کا ذکر آیا تھا شعراء کے بیان میں، اُس میں بھی حکمت تھی اور حکمت یہ کہ جو کثرت سے خدا کو یاد کرے گا جو تسبیح پڑھے گا جو عبادت کرے گا اُس کے ذہن وخاطر میں اللہ کی توفیق آئے گی، آواز کے بغیر آئے گی، اُس میں ہدایت ہوگی کہ اُس کو کیا کرنا چاہئے اِس لئے کھلے الفاظ میں بھی ارشاد ہوا کہ انہوں نے جو حق ادا کرنا چاہئے تھا حق ادا نہیں کیا اور اشارے میں بھی ارشاد ہوا کہ انہوں نے عبادت نہیں کی تو دونوں باتیں ایک جیسی ہیں۔ ''قَالُوْا سُبْحَانَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ'' (۲۹:۶۸) تو انہوں نے کہا کہ خداوند پاک ہے، پروردگار پاک ہے ہم اپنے حق میں ظالم قرار پائے، ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو یاد رہے کہ ظلم دو طرح سے ہے ایک ظلم غیر پر ہوتا ہے دوسرے پر، ایک ظلم اپنی رُوح پر ہوتا ہے۔ قرآن کی تعلیمات میں یہ بات مشہور ہے اور اِس دو طرح کے ظلم کا ذکر ہے اور سب سے پہلے آدمؑ کے قصّے میں یہ ذکر ہوا کہ آدمؑ اور حوّاؑ نے فرمایا کہ: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا'' (۲۳:۷) پروردگارا! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو یہ بھی ظلم ہے رُوح بھی ایک عالی ہستی ہے، ایک عالیشان مخلوق ہے اِس پر ظلم اور اِس شکل میں یہ ظلم کہ جو عبادت نہیں کرتے ہیں، جو خدا کی

ہدایت پر عمل نہیں کرتے ہیں، جو فرمانبرداری نہیں کرتے ہیں تو یہ رُوح پر ظلم ہوتا ہے جو رُوح کو کھلانا چاہیئے، جو رُوح کو دینا چاہیئے، جو رُوح کو آسائش مہیّا کرنی چاہیئے وہ نہیں کرتے ہیں تو یہ رُوح پر ظلم ہے تو اِس طرح انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ ''فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ'' (۳۰:۶۸) پھر اب یہ آپس میں ایک دُوسرے کو ملامت کرتے ہوئے بات چیت کرنے لگے۔ ''قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ'' (۳۱:۶۸) کہا کہ افسوس ہے کہ ہم سرکش تھے۔ ''عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ'' (۳۲:۶۸) شاید اُمید ہے کہ ہمارا پروردگار معاف کرے گا اور اِس باغِ رُوحانیت کے بدلے میں ایک دائمی باغ شاید ہم کو عطا کرے گا۔ اِس لئے کہ ہم اپنے پروردگار کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔ ''كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ'' (۳۳:۶۸) یہ ایک طرح کا عذاب ہے رُوحانیت میں کمی آئی تو یہ ایک بڑا عذاب ہے۔ ''وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ'' (۳۳:۶۸) اور آخرت کا عذاب اِس سے بہت بڑا ہے اگر وہ جاننے والے ہوتے، تو یہ ہے دُوسرے سوال کا جواب کہ باغ سے باغِ رُوحانیت مُراد ہے

رُوحانیت کے دو باغ (۱۸:۳۲۔۴۲)

اب اِس کی تائید میں جو آخری اور تیسرا سوال ہے اُس کی طرف جاتے ہیں کہ اِس مقام پر عبادت کی کمی کا ذکر ہے، رُوحانی ترقّی کی زکوٰۃ نہ دینے کا اشارہ ہے اُس میں، اب اسی طرح اِس سوال کو لیتے ہیں، اِس بیان کو سامنے رکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اِس میں کیا کیا باتیں ہیں۔

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ'' (۳۲:۱۸) اور اُن کو اے رسول! دو مردوں کی مثال بیان کیجئے۔ ''جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ'' (۳۲:۱۸) اُن دونوں میں سے ایک کو ہم نے دو باغ دیئے تھے۔ ''مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا'' (۳۲:۱۸) وہ دو باغ تھے یعنی تاویل اِس کی کہ وہ رُوحانیت کے باغ تھے، ایک باغ عقلی باغ تھا، ایک باغ رُوحانی باغ تھا، تو خداوندِ عالم نے رُوحانی نعمتوں کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ جو رُوحانی نعمتیں ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک نعمت وہ ہے جس میں عقل کے لئے لذّت ہے اور دوسری نعمت وہ ہے جس میں رُوح کے لئے حلاوت ہے تو عقلی نعمتیں اور رُوحانی نعمتیں۔ اُن دو مردوں میں سے ایک کے لئے خداوند نے امتحاناً دو باغ مقرّر کئے تھے یعنی رُوحانیت کا باغ اور عقلی باغ اور اُن کی حفاظت کی گئی تھی، دیواروں کی جگہ پر کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے چوگرد میں۔

''كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـــًٔا ۙ'' (۳۳:۱۸) اُن دونوں باغوں میں میووں کی کوئی کمی نہیں تھی اور وہ مکمّل طور سے پھل دے رہے تھے۔ ''وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا'' (۳۳:۱۸) اور اُن دونوں کے درمیان ایک

نہر جاری تھی۔ ”وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ “(۱۸: ۳۴)اور اُس باغ کے بہت سے پھل تھے۔ ”فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا “(۱۸: ۳۴) تو اُس باغ والے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں دولت میں بھی تجھ سے بڑھ کر ہوں اور (men power) میں بھی یعنی میرے افراد بھی تجھ سے زیادہ ہیں، افرادی قوت میں بھی اور دولت میں بھی میں تجھ سے بڑھ کر ہوں تو اُس نے فخر اور ناز کرنا شروع کیا۔ یہ اشارہ ہے، کہ جو فخر ہے [وہ] بہت خطرناک شئ ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ فخر پیدا ہوسکتا ہے۔ کسی کے پاس کوئی رُوحانی دولت، جسمانی دولت، کوئی ہنر اور کوئی چیز فراوانی سے ہے یا کوئی بہت بڑے سے بڑا ہنر ہے یا کچھ خصوصیات ہیں یا چند خوبیاں ہیں یا عقل و دانش ہے یا ذات ہے، خاندان ہے یا اُس کی ہستی بہت اچھی ہے تو بہر حال اُس صورت میں فخر کا ہونا لازمی ہوتا ہے تو خداوندِ عالم اِس مثال کے ذریعے سے مومنین کو آگاہ فرماتا ہے، خبردار کر دیتا ہے کہ اِس خطرے سے بچنے کے لئے سوچنا اور کوشش کرنا چاہئے۔

”وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ “(۱۸: ۳۵) اور وہ اُس باغ میں داخل ہوگیا۔ ایسی حالت میں ایسے حال میں داخل ہوا کہ اُس نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، نافرمانی کی تھی تو پھر اُس کو گمان ہوا۔ ”قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا “(۱۸: ۳۵) میں یہ نہیں سوچتا ہوں کہ کبھی یہ باغ تباہ ہو جائے گا۔ ”وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً “(۱۸: ۳۶) اور مجھے گمان نہیں ہے کہ قیامت بھی برپا ہو گی۔ ”وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا “(۱۸: ۳۶) اور اگر میں اپنے پروردگار کے حضور گیا تو پھر اِس باغ سے بہتر ایک باغ مجھ کو ملے گا، ایسا کہا، ”قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ “(۱۸: ۳۷) تو اُس کے ساتھی نے کہا کہ تو ناشکری کرتا ہے اپنے پروردگار کی جس نے تجھ کو پیدا کیا۔ ”مِنْ تُرَابٍ “ (۱۸: ۳۷) مٹی سے۔ ”ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ “(۱۸: ۳۷) اُس کے بعد پھر نُطفہ سے۔ ”ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا “(۱۸: ۳۷) اِس کے بعد تجھ کو ایک مرد ایک انسان پیدا کیا۔ ”لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ “(۱۸: ۳۸) لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ میرا پروردگار ہے یعنی اختیار اُسی کا ہے، وہ دیتا ہے، وہ لیتا ہے، وہ مالک ہے۔

”وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا “ (۱۸: ۳۸) میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ہوں۔ ”وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ “(۱۸: ۳۹) جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا اور باغ تجھ کو اچھا لگا تو کیوں نہیں ماشاء اللہ کہا اور کیوں یہ نہیں کہا کہ قوّت اللہ کی ہے، طاقت اللہ کی ہے۔ ایسا کہنا چاہئے تھا، تو نے تو یہ نہیں کہا۔ ”اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا “(۱۸: ۳۹) اگر تو نے مجھ کو اپنے سے کم تر پایا مال میں بھی، اولاد میں بھی، دولت میں بھی، نفری میں بھی تو اُس وقت تجھ کو ماشاء اللہ کہنا چاہئے تھا نہ کہ تجھ کو فخر کرنا چاہئے تھا۔ ”فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ “(۱۸: ۴۰) شاید عنقریب میرا پروردگار مجھ کو تیرے اِس باغ سے بہتر کوئی شئ عطا کرے گا۔ ”وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا “(۱۸: ۴۰) اور اُس پر آسمان سے کوئی آفت نازل کرے گا۔

''مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا'' (۱۸:۴۰) تو یہ بالکل صاف میدان اور مٹّی بن جائے گا۔''اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا'' (۱۸:۴۱) کہ تو اِس کو نہیں نکال سکے گا اور اِس کی آبیاری تجھ سے نہیں ہو سکے گی ''فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا'' (۱۸:۴۱) اور تجھ سے اِس پانی کی طلب نہیں ہو سکے گی۔''وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ'' (۱۸:۴۲) اور پھر واقعاً سچ مچ ایک آفت آئی اُس باغ کے پھلوں پر۔'' فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ'' (۱۸:۴۲) تو وہ ہاتھ ملتا رہا۔''عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا'' (۱۸:۴۲) اِس باغ کے سجانے میں، آباد کرنے میں، تعمیر کرنے میں جو اُس نے کچھ خرچ کیا تھا اُس پر اُس کو افسوس ہوا۔''وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا'' (۱۸:۴۲) تو وہ باغ اُلٹ گیا تھا۔''وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ'' (۱۸:۴۲) اور پھر وہ کہتا تھا۔''لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا'' (۱۸:۴۲) کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اب یہاں پر بظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ دو آدمیوں کے آپس کی گفتگو ہے جو ایک حقیقت ہے، جو ایک واقعہ ہے جس کو قرآن نے دوسرے مومنین کی عبرت، نصیحت اور مثال کے لئے لیا ہے، صحیح ہے، لیکن اِس میں ایک بات ضرور ہے وہ یہ کہ کبھی خداوندِ عالم کسی واقعے کی وضاحت اسی طرح سے کرتا ہے، کہ اُس میں آدمی دو ہوں ایک ہو کوئی بات نہیں ہے لیکن اُس کی تشریح اُس کی وضاحت زبانِ حال سے اِس طرح ہو سکتی ہے۔ بہر حال جب خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے کسی بات کو وہ حقیقت ہوتی ہے اُس میں ہدایت ہوتی ہے، اُس میں نصیحت ہوتی ہے اور عبرت ہوتی ہے، تو یہ ہے کہ مومنین اگلے زمانے میں جو ترقّی کرتے تھے تو بعض دفعہ اُس میں ایسے واقعات بھی پیش آتے تھے کہ ترقّی کرنے کے باوجود پھر اُن کے سامنے کچھ نہیں رہتا تھا۔ حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے مقدّس فرمان میں آیا ہے ایک اشارہ ہے، وہ ارشاد اگرچہ تمام تر الفاظ کے ساتھ یاد نہیں ہے لیکن اُس کا ایک مفہوم یہ ہے، کہ دھوپ پڑتی ہے پہاڑ پر، روشنی نظر آتی ہے پہاڑ چمکتا ہے۔ یہ چمک دھمک پہاڑ کی نہیں ہے یہ سورج کی ہے جب زوال ہوگا یعنی جب سورج ڈُوب جائے گا تو پتا چلے گا کہ پہاڑ کی شکل کیا ہے، پہاڑ کا رنگ کیا ہے، اِس لئے جن کو کچھ سعادت نصیب ہوتی ہے جن کو کچھ رُوحانی ترقّی نصیب ہوتی ہے کسی بھی سطح پر، کسی بھی (level) پر، کسی بھی درجے میں تو ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ میری وراثت کی چیز ہے، چونکہ یہ دُنیا ہے یہ آخرت نہیں ہے، یہ بہشت نہیں ہے دُنیا ہے، اِس لئے اُس سعادت کو، اُس ترقّی کو سنبھالنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور زیادہ سے زیادہ خداوندِ عالم کو یاد کیا جائے، ذکر و عبادت میں وقت گزارا جائے، شکر گزاری کے طور پر نیک کام کئے جائیں، خدمت کی جائے۔ دیکھیں کہ مال پر زکوٰۃ ہے اسلام میں، اگر آپ کی رُوحانی ترقّی ہے تو اُس پر زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کے بغیر مال میں برکت نہیں ہوتی ہے یعنی آپ کی اگر کوئی ترقّی ہے، آپ میں اگر کوئی ایمان کی خوبی ہے اُس کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اُس کی زکوٰۃ یہ ہے کہ آپ خدمت کریں جماعت کی، قوم کی، مذہب کی یہ زکوٰۃ ہے، تاکہ اُس رُوحانی ترقّی میں برکت ہو۔

دوسری بات، دوسرا خطرہ یہ ہے کہ فخر نہیں کرنا چاہئے، اور فخر ایسا خطرہ ہے کہ نہ چاہنے کے باوجود فخر، بزرگی، بڑائی ہوتی جاتی ہے، اِس سے بچنے کے لئے اِس سے پناہ لینے کے لئے عاجزی کی عادت ہونی چاہئے اور جس میں عاجزی ہوگی اور جو بار بار گریہ وزاری کرے گا تو وہ بچ جائے گا فخر سے بڑائی سے بزرگی سے۔ دیکھیں جہاں سے انسانیت کا آغاز ہوا وہ آدمؑ ہیں اور آدمؑ کے قصّے کو آپ دیکھتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے کس نصیحت کو سب سے پہلے پیش کیا، یہی عاجزی کی مثال کو اور پھر فخر و بزرگی یا بڑائی یا تکبّر کی مثال کو [یعنی] آدمؑ اور ابلیس میں، آدمؑ میں عجز و انکساری کی مثال پائی جاتی ہے، گریہ وزاری کی مثال پائی جاتی ہے اور ابلیس میں فخر کی مثال پائی جاتی ہے۔ دیکھا آپ نے کہ خداوندِ عالم نے مثال کے طور پر آدمؑ سے بہشت چھین لی۔ اُس نے چھوٹی سی نافرمانی کی تھی اُس نے کسی کے حق کو غضب نہیں کیا تھا، اُس نے کسی پر ظلم نہیں کیا تھا، اُس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا، صرف ایک کھانے کی چیز تھی ایک پھل تھا جس کو خداوندِ عالم نے بہشت میں جگہ دی تھی تو اُس کو کھالیا۔

ہم اگر اپنی چھوٹی سی عقل کی ترازو میں اِس نافرمانی کو تولیں تو اِس کی چنداں اہمیّت نہیں لگتی ہے لیکن آدمِ صفیؑ کی دانشمندی کو دیکھئے اور خدا کی نزاکتوں کو دیکھئے کہ آدمؑ پر کتنا بڑا جرمانہ آیا، بہشت سے اُس کو نکال دیا گیا بمع خاندان کے پھر اسی پر قناعت نہیں ہوئی کہ اُس نے دُنیا میں بھی آکر رونا شروع کر دیا۔ یہ رونا بہشت سے نکالے جانے کی پشیمانی میں نہیں تھا بلکہ توبہ کے طور پر تھا اور عرصۂ دراز تک اُس نے آنسو بہائے تو پھر دیکھئے اِس نافرمانی نے رنگ لایا، اِس توبہ نے رنگ لایا کہ پھر وہ برگزیدہ ہوا اور خلیفۂ روئے زمین قرار پایا۔ وہی شخص جس نے ایک دفعہ غلطی کی تھی وہ خلیفہ اور ابوالانبیاء اور ابوالائمّہ قرار پایا، انبیاء علیھم اسلام کے جدِ اعلیٰ اماموں کے جدِ اعلیٰ قرار پائے۔ پھر ابلیس نے بظاہر ایک سجدہ نہیں کیا تھا اور یہ سجدہ بھی بظاہر خدا کا سجدہ نہیں تھا دوسرے کا سجدہ تھا، اور اُس نے منطق لڑائی، (logic) لڑائی کہا کہ میں تو افضل ہوں مجھ کو نور سے پیدا کیا گیا اور اِس کو مٹّی سے پیدا کیا۔

کوئی چھوٹی سی عقل [سے] سوچے تو اُس کی بات صحیح بھی تھی، لیکن صحیح کہاں تھی؟ جب کہ خدا نے حکم فرمایا تو اُس کے ساتھ منطق لڑانے کی کیا ضرورت ہے، سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے تھا، یہ نہیں کیا یعنی اُس نے تکبّر کیا خود کو بڑا سمجھا ایک گناہ سے دُوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا اسی طرح کوئی گناہ نہیں رہا یہ درخت تھا جس کی شاخیں پیدا ہوئیں تو تکبّر سے دوسرے سب گناہ وجود میں آئے اور ابلیس کا رشیطان کا ٹھکانہ جہنم قرار پایا۔ یہ تو شیطان کی بات ہوئی اور شیطان کی بات ہوئی تو اِس میں بہت نصیحت ہے اور خدا نے اِس کو (open) کر کے دیوار پر آویزان کر دیا ہے اِس نقشے کو، اِس مثال کو تا کہ ہم ہمیشہ اِس کو دیکھیں۔ اب یہ ہے کہ فخر اور بڑائی مختلف درجوں میں مختلف سطحوں میں اُبھرتی ہے یہ چیز، اِس لئے رُوحانیت کے لئے خطرہ ایک تو فخر ہے اور دوسرا خطرہ خدمت کا نہ کرنا ہے، تیسرا خطرہ تسبیح کی کمی ہے اور چوتھا خطرہ رات کو سو جانا ہے۔ میں نے

مختصر اِس قصّے کو لیا ہے اور آپ قصّے کو تفصیل سے دیکھیں گے تو اِس میں یہ ذکر بھی ملے گا آپ کو کہ جو آفت آئی تھی باغ پر وہ اُس وقت آئی تھی جب کہ وہ لوگ باغ کے مالکان سوئے ہوئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کی رُوحانیت کا باغ تباہ ہوتا ہے یا رات کو وہ سوتے تھے تب اُس ملک پر بلا نازل ہوئی یا درمیان میں مثال پیش کرنی پڑتی ہے کہ لوطؑ کا جو شہر ہے اُس کو اُلٹایا گیا آپ نے قصہ قرآن میں یہ سنا ہوگا تو خداوندِ عالم نے عزرائیلؑ سے فرمایا کہ عزرائیلؑ جالوت کی بستی میں بے حد نافرمانیاں ہو چکی ہیں، تم اُن بستیوں کو اُلٹ دو یعنی اُٹھا کے پھر اُس کو الٹا کے زمین پر دے مارو۔

ٹرانسکرائب اور ٹائپنگ: سیما عظیم علی نظرِ ثانی: اکبر علی پروف: نسرین اکبر

Click here for Audio

استادِ بزرگوار علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی ؒ کا پُرحکمت بیان

عنوان: علم وعبادت = خدا کے خزانے، لفظِ فرقان کی وضاحت

کیسٹ نمبر: ۵۰   تاریخ: ۴ستمبر ۱۹۸۱ کراچی

انبیاءعلیھم السّلام کا یہ اُصول رہا ہے کہ وہ ذکر وعبادت کے وسیلے سے خداوندِ عالم کی انتہائی قربت کو حاصل کرلیا کرتے تھے، اور قربت ونزدیکی حاصل ہونے کے باوجود وہ دائمُ الذّکر رہتے تھے۔ اِس معنی میں عبادت کے دو مقصد قرار پائے ایک یہ کہ اِس سے خداوندِ عالم کی قربت ونزدیکی حاصل ہوتی ہے اور ایک یہ کہ اِس سے پروردگار کی وہ قربت قائم رہتی ہے کیوں کہ ایسا نہیں ہے کہ ذکر کے نتیجے میں کوئی بندۂ مومن یا کوئی نبی، ولی خدا کے قریب ہوجائے تو پھر وہ عبادت سے بَری ہوجائے، اِس لئے کہ عبادت کا ایک رُخ نہیں ہے، ایک پہلو نہیں ہے اُس کے کئی پہلو ہیں تو عبادت کے کئی مقاصد ہیں یعنی کسی کے پاک و پاکیزہ ہونے کے باوجود عبادت کی ضرورت باقی رہتی ہے تاکہ عبادت سے خوشیاں اور مسرّتیں حاصل ہوتی رہیں اور تازہ ترین رُوحیں حاصل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ کہا جاسکتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی عبادت ہے۔

آپ شاید تعجّب سے سوال کریں کہ مرنے کہ بعد عبادت کیوں؟ اِس کا جواب یوں دیا جائے گا کہ مرنے کے بعد عبادت غلامی کے طور پر نہیں بلکہ عبادت میں جو رُوحانی نعمتیں ہیں، جو راحتیں ہیں اور جو مسرّتیں ہیں، جو لذّتیں اور حلاوتیں یادِ خدا میں پوشیدہ ہیں یا اُن میں جو علم وحکمت کے خزانے مخفی ہیں اُن کو حاصل کرنے کے لئے، اور اِس کے اشارے قرآن وحدیث میں مل سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث کا ارشاد یوں ہے کہ رحمتِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ”لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ “ یہ کلمہ بہشت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی حیثیّت سے ہے۔ اب ذرا سنجیدگی سے اِس میں غور کیا جائے کہ بہشت کے خزانے مادّی شکل میں کیوں نہیں ہیں کہ وہ اسماء اور کلمات کی صورت میں ہیں، یعنی رسولؐ کا یہ فرمانا کہ مذکورہ کلمہ بہشت کے خزانوں میں سے ہے تو دانشمند پر یہ بات واضح ہوگئی کہ بہشت کے دیگر خزانے بھی اسی قسم کے اور اسی نمونے کے ہیں یعنی کچھ خزانے تو کلمات کی شکل میں ہیں، کچھ خزانے اسماء یعنی خدا کے ناموں کی صورت میں ہیں۔ اب اُن خزانوں پر تصرّف کرنا یعنی اُن سے استفادہ کرنا اِس بات میں ہے کہ جس کلمے کو چاہیں یا جس خزانے کو لینا مقصود ہو اُس خزانے سے متعلّق اسم کو پڑھا جائے، گو کہ رُوحانیت کی اعلیٰ سطح پر اور بہشت میں کلموں کا اور اسماء کا پڑھنا اِس طرح سے نہیں ہے جس طرح ایک پست ترین (level) پڑھا جاتا ہے یعنی اُوپر کے درجات میں تو صرف ایک اشارے سے وہ کلمہ

خود بخود پڑھا جاتا ہے اور نچلی سطحوں میں انسان محنت و مشقت سے پڑھنے کے باوجود بھی اُس کو اچھی طرح سے نہیں پڑھ سکتا یہ فرق ضرور ہے اور یہ فرق بتانا اِس لئے ضروری ہوا تا کہ کسی مومن کو یوں نہ لگے کہ جیسے میں نے کہا کہ بہشت میں بھی عبادت ہے تو وہ اُس عبادت کو یہ مومن دُنیا کی عبادت کی طرح ایک مشقّت اور ایک غلامی اور ایک بوجھ سمجھ بیٹھے، یہ بات نہیں ہے۔ رُوحانیت کے اعلیٰ مراتب کا تجربہ یوں ہے کہ مومن جیسے جیسے بلندی کی طرف جاتا ہے ویسے ویسے ذکر و عبادت خود کار طریقے سے چلتی ہے جس کو آپ (automatic) کہتے ہیں تو اِس میں کیا تعجّب ہے۔ دُنیا میں سائنسدانوں نے ایسی بہت سی چیزیں بنائی ہیں، ایسی بہت سی مشینیں بنائی ہیں جو کہ ایک ہی دفعہ اُس کو (on) کرنے سے چلتی رہتی ہیں تو خداوندِ عالم جو احکم الحاکمین ہے، کے لئے اِس میں کیا مشکل ہے کہ وہ رُوحانیت کے اعلیٰ درجات میں عبادت کو (automatic) بنائے اور جنّت میں اِس سے بڑھ کر، تو میرا مقصد بہشت میں، رُوحانیت میں عبادت کے ہونے کا یہ ہے اور چونکہ مومن اِس دُنیوی زندگی میں اُن تمام تر خزانوں سے تجربہ اور استفادہ نہیں کر سکتا ہے، جیسے خداوندِ علم کے اسمائے صفات ہیں جو (۱۰۰) ہیں اور دیگر کلمات ہیں کہ ہر ایک اسم کے پڑھنے سے کیا ملتا ہے اُس میں کونسی دُنیا ہے، کیسے خزانے ہیں اُن کا تجربہ تو کرنا ہے اور یہی خود جنّت ہے۔ ماشاءاللہ آپ اور ہم یہ مانتے ہیں کہ جنّت میں جو نعمتیں ہیں وہ مادّی شکل کی تو نہیں ہیں وہ قطعاً رُوحانی اور علمی و عرفانی صورت میں ہیں۔ اگر بات یہ ہے تو پھر ماننا ہی پڑے گا کہ رُوحانیت میں جو نعمتیں ہیں، جو خزانے ہیں، جو دولت ہے وہ معنوی طور پر ہے یہ کہ ایک حکمت کی شکل میں ہے، ایک معنیٰ کی شکل میں ہے، ایک حقیقت کی شکل میں، ایک روشنی کی شکل میں، ایک رُوحانیت کی شکل میں، دیدار کی شکل میں اور خدا کے بھیدوں کی شکل میں تو اِس طرح سے ہے، خدا کے ناموں میں بہشت ہے۔

کس قدر خوش نصیب ہیں اسماعیلی جو دُنیا میں اِس قسم کی رُوحانی نعمتوں کا وہ تجربہ کرتے ہیں یا کرنے کے لئے اِن کو اجازت ملتی ہے یا تجربہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو کوئی مومن اِس دُنیا کے اندر کسی ایک اسم کا تجربہ کرتا ہے اور وہ بھی کامیابی کی صورت میں اور حالانکہ آپ تعجّب کریں گے [کہ] خداوندِ عالم کے اسمائے بزرگ بہت سارے ہیں یعنی خدا کے بزرگ نام، بڑے نام ایک نہیں ہیں بہت زیادہ ہیں۔ کوکبِ دری کے نام سے ایک کتاب ہے اُس میں مولا علیؑ کے بارے میں ایک روایت بیان کی گئی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے مولا علیؑ کے فرمان میں کہ مولا علیؑ کے پاس اپنے وقت میں ۷۲ اسمِ اعظم تھے [منقبت نمبر ۹۷، صفحہ: ۲۳۸، کوکب دری]۔ اِس سے معلوم ہوا کہ امامؑ کے پاس بہت سارے اسمِ اعظم ہیں۔ امامِ برحق زمانے کے مطابق اور مومنین کے احوال کے مطابق ضرورت کے مطابق ہر مومن کو ایک اسمِ اعظم تجویز کرتے ہیں اور مومنین کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنا اسمِ اعظم یعنی بول دُوسرے پر ظاہر کرے اور اگر خدانخواستہ دو مومن جو الگ الگ ٹولی کے ہوتے ہیں مل کر کبھی ایک دوسرے کو اپنا بول بتائیں تو اِس کا بول کچھ اور ہوگا اور اُس کا بول کچھ اور ہوگا

بہت سی مثالوں میں لیکن بعض دفعہ اتفاق سے یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کا بول ایک ہو۔ مطلب یہ ہے کہ امامؑ کے پاس بہت سارے اسمِ اعظم ہیں اور کیوں نہ ہوں امامؑ ہی تو ہے جو بہشت کے مالک ہیں، اور اُن (sources) کے آقا ہیں، مالک ہیں جن کے اندر بہشت پوشیدہ ہے، تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بہشت کے خزانے خدا کے ناموں میں اور کلماتِ تامّات میں ہیں، لہٰذا جب ہم اِس دُنیا سے چلے جائیں گے تو اُس وقت ہم علمی طور پر رُوحانی طور پر تجربے کریں گے، مولا کی طرف سے جو فرشتے ہیں جو اعلیٰ رُوحیں ہیں اُن سے مل کر ہم علمی طور پر تجربے کریں گے کہ ہر ایک نام کے اندر کیا خزانہ رکھا ہوا ہے، اور دُوسری ایک بات میں آپ کو بتاؤں یہ ظاہر میں جو خدا کے سَو نام ہیں آپ کو تعجّب ہوگا یہ سب ظاہری نام ہیں تو ہر نام کے پس منظر، میں ہر نام کے (background) میں ایک ایک اسمِ اعظم ہے، مثال کے طور پر "علیم" خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے یہ تو سب جانتے ہیں جو قرآن میں بھی ہے اور اسی "علیم" کا دوسرا نام "عالِم" ہے اور اِن دونوں سے بڑھ کر ایک اور نام "علّام" ہے اور اُس سے بڑھ کر "العلّام" ہے اور اِس کے بعد ایک اسمِ اعظم اِس کے اندر پوشیدہ ہے جسے میں بیان نہیں کر سکتا ہوں یعنی بیان کرنے کے لئے اجازت نہیں ہے، تو اسی طرح ہر نام کے پیچھے ایک ایک اسمِ اعظم ہے تو اِس حساب سے گویا خدا کے سَو ناموں کے پیچھے سَو اسمِ اعظم ہیں اور اِس کے علاوہ ایسی چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں کہ اُن کے اندر خزانے کے خزانے ہیں اور کلمات ہیں جن میں سے ہر ایک کے اندر خزانے ہیں۔

میں ایک ذاتی مثال بیان کرنا چاہوں گا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں اپنے علاقے میں تھا شام کے وقت میں نے کثرت سے صلوات پڑھی یعنی بہت زیادہ صلوات پڑھی، صلوات پڑھی، صلوات پڑھی اِس نیّت سے کہ میں دیکھوں کہ اِس کی تاثیر سے کیا ہوتا ہے پھر میں سویا مولا کا نام لے کر، رات کو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ ایک ہَوا آتی ہے اور وہ ہَوا مجھے بلندی کی طرف سیدھی بلندی کی طرف اُڑا لے جاتی ہے۔ میں خود کو بلا کسی خوف وخطر کے آسمان کی بلندیوں پر پاتا ہوں میں خود کو آسمان کی بلندی پر پاتا ہوں اور بڑا لطف آتا ہے، نہ کوئی خوف و ہراس ہے نہ کوئی اندیشہ ہے اور حالانکہ بعض دفعہ انسان کو ایسی عجیب وغریب چیزوں سے خوف بھی ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے تو میں بہت ہی بلندی کو پاتا ہوں اور اُس میں ہَوا صرف میرے نیچے ہوتی ہے اور وہی ہَوا مجھے اُڑا اُڑا کر آسمان کی انتہائی بلندی پر لے جاتی ہے، جب میں جاگا تو میں نے سوچا کہ بات کیا تھی تو بات وہی تھی کہ میں صلوات کی ایک تاثیر کو، صلوات کے ایک نتیجے کو دیکھ رہا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی مومن کسی بھی نامِ خدا کو یا صلوات کو یا کسی کلمے کو کثرت سے پڑھے اور نیّت یہ رکھے کہ اُس کا ایک پھل ملے اور پتا چلے کہ وہ کس نوعیت کا خزانہ ہے تو اگر مولا کو منظور ہوا اور مومن ایمان کی شرطوں سے مکمّل ہے اور کثرت سے اپنے خداوند کو یاد کرتا ہے اور تقویٰ سے ہے، متّقی ہے تو یقیناً اُس کو متعلّقہ اسم کا پھل مل جائے گا، یہ ہے عبادت کے سلسلے میں۔

جس طرح دُنیا کا کوئی امیر انسان خدا کی دی ہوئی دولت سے وہ دُنیا کی نعمتوں کو سامنے رکھتا ہے اور اُن سے حظ

اُٹھاتا ہے اور اُس کے دسترخوان پر یا اُس کی میز پر ہر روز نئی قسم کی نعمتیں ہوتی ہیں، بالکل اسی طرح مومن جو امامؑ کی رحمت سے رُوحانیت کا امیر ہے جو اپنے پاس رُوحانی دولت رکھتا ہے وہ بھی ہر روز کچھ نئی رُوحانی نعمتوں سے حظ اُٹھاتا ہے اور وہ ہر روز ایک نئی شان سے عبادت کرتا ہے اور اُس کو عبادت و بندگی سے نئی قسم کی لذّتیں ملتی رہتی ہیں اور خداوندِ عالم کی یہ حکمت ہے کہ انسان جسمانی طور پر مادّی غذا کا محتاج ہے وہ اگرچہ روز وہی غذا کھاتا ہے جسے اُس نے پہلے بھی کھائی تھی لیکن پھر بھی لذّت اپنی جگہ پر ہے، جب جسمانی غذا کی یہ بات ہے تو اُن رُوحانی لذّتوں کا کیا کہنا جو علمی عرفانی اور رُوحانی شکل میں ہیں تو یہ ہے کہ مومن یقین رکھتا ہے اور اُن لذّتوں کی تلاش میں عبادت و بندگی میں آگے سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اِس مرتبے کو پانے کے لئے وہ کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ امامؑ کا ارشاد ہے کہ: ''عبادت و بندگی میں مسرّتیں اور شادمانیاں پوشیدہ ہیں''[راجکوٹ ۲۱۔ ۱۰۔ ۱۹۰۳]۔ تو مومن کو اپنے امامؑ کے ارشاد پر یقین ہے اِس لئے مومنین باقاعدگی سے عبادت و بندگی کرتے ہیں اور اپنے خداوند کی غلامی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، یہ ہیں عبادت اور ذکر اور رُوحانی لذّتوں کے بارے میں چند باتیں اور بات وہاں سے شروع ہوئی تھی کہ عبادت کے دو بڑے مقصد ہیں ایک خدا کی نزدیکی کے لئے اور دُوسرا اُس نزدیکی کو برقرار رکھنے کے لئے اور ہمیشہ خدا کے قرب میں اپنے لئے ایک مقام مقرّر کرنے کے لئے تو لہٰذا عبادت و بندگی کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مگر آپ نہیں بھولئے گا کہ آخرت میں غلامی کی عبادت نہیں ہے وہ بڑی خوشی اور دوستی کی عبادت ہے وہ بڑی پُرحکمت عبادت ہے وہ (automatic) عبادت ہے۔

جس طرح فرشتوں کے متعلّق آپ سب جانتے ہیں کہ فرشتے کثرت سے عبادت و بندگی کرتے ہیں لیکن وہ تکلیف کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ فرشتوں کی خاصیت تو یہ ہے کہ وہ دن رات کسی وقفے کے بغیر اور کسی تھکان کے بغیر ذکر و عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ ایک نادان انسان کو اِن کی حالت پر رحم آئے گا وہ سمجھے گا کہ اُن بیچاروں کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی اِس مسلسل عبادت سے حالانکہ یہ کسی انسان کی نادانی ہوگی اور حقیقت یہ ہے کہ اُس مسلسل ذکر میں اُن کے لئے رُوحانی غذا ہے، اُن کی بقا ہے، اُن کے لئے راحت ہے، اُن کے لئے لذّت ہے، اب دُوسری بات اسی سے متعلّق یوں کریں کہ فرشتہ کیا ہے؟ فرشتہ ایک ترقّی یافتہ رُوح ہے، آپ بھی فرشتے کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ آپ جب اعلیٰ منازل پر پہنچیں گے تو وہاں پر اِس (automatic) ذکر کو بھی دیکھیں گے اور یہ بھی دیکھیں گے کہ کس طرح مسلسل ذکر کرنے سے رُوح تھکتی نہیں ہے بلکہ اُس کو قوّت ملتی ہے، رُوح کی (feeding) ہوتی ہے، رُوح کی پرورش ہوتی ہے، رُوح کو نور ملتا ہے اور رُوح کو علم ملتا ہے اور وہ مسلسل ذکر خود بخود ہوتا رہتا ہے۔ اِس کائنات کے اندر بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو (automatic) ہیں، مثلاً سورج کا عمل (automatic) ہے، ہَوا (automatic) ہے، پانی کا چکّر (automatic) ہے، موسموں کی تبدیلی اور ایسی بہت سی چیزیں سیّاروں، ستاروں کی گردش، چاند کی گردش اور زمین

سے سبزہ کا اُگنا اور بہت سے جانوروں کا زندہ ہو جانا وغیرہ، تو اسی طرح رُوحانیت کے اعلیٰ مدارج پر بہت سی چیزیں (automatic) ہیں علم بھی، ذکر بھی، خوشی بھی، روشنی بھی اور بہت سی چیزیں، لہٰذا اِس میں کوئی تکلیف نہیں ہے کہ آگے چلنے کے باوجود بھی عبادت برقرار ہے، وہ تو راحت کے لئے وہ تو لذّت کے لئے ہے، وہ تو خوشی کے لئے ہے وہ تو انعام کے طور پر ہے وہ تو بہشت کے طور پر ہے۔ اب میں یہاں پر اِس گفتگو کے بعد رُکتا ہوں، شکریہ کہ آپ نے توجّہ دی، یا علی مدد

درمیان سے ایک، میں صرف ایک بات کی طرف اشارہ کروں گا یعنی آپ کو یاد دلاؤں گا انہوں نے جتنی باتیں کہیں یا جو کچھ پڑھا اِس مقالے میں سے وہ سب پُرحکمت تھا، ایک چیز اُصول کے طور پر آپ یاد رکھیں اور شاید قرآن میں ہر جگہ پر آپ کو یہ کام آئے گا وہ یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے کہ: ''اُس نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور ذکر اور روشنی دی'' (۲۱:۴۸) تو یہ فرقان ایک معجزہ ہے حق و باطل کو جدا کرتا ہے، اور ذکر جس کی ابھی میں نے بات کی وہ ذکر اور روشنی سے مُراد نور تو یہ تین عظیم چیزیں جو خداوندِ عالم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کے درمیان رکھا تھا دونوں کو دیا ایک کو نہیں، تو پھر خدا نے فرمایا کہ یہ چیزیں جو میں نے اِن دونوں کو دیں تھیں وہ سب عوام کے لئے نہیں تھیں یہ صرف پرہیزگاروں کے لئے تھیں۔ ابھی آپ ذرا سوچیں خداوندِ عالم لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک پیغمبر بھیجتا ہے اور اُس کا وصی یا وزیر امام بھیجتا ہے دونوں کو بھیجتا ہے پھر بھی عوام اِن دونوں سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے، اِس لئے نہیں کر سکتے ہیں کہ اُن سے فائدہ حاصل کرنا پرہیزگاروں کا کام ہے خدا خود ہی فرماتا ہے تو پھر جتنے لوگ پیغمبر کے لئے اقرار کرتے ہیں تو اُن کے دو گروہ ہو گئے ایک وہ گروہ جو تقویٰ کے ساتھ ہے پرہیزگاری کے ساتھ ہے جس کو فائدہ ملے گا، وہ نور کو دیکھے گا، نور کو پائے گا، نور سے فائدہ اُٹھائے گا اور ذکر سے بھی فائدہ اٹھائے گا، اور جو روشنی ہے اُس سے ہدایت حاصل کرے گا اور دُوسرا وہ گروہ جو تقویٰ کے بغیر ہے تو اُن کا کچھ حصّہ نہیں ہے۔ اب اِس کے موافق ایک اور بات تا کہ دونوں باتیں مل کر ایک مضبوط حقیقت بن جائے وہ یہ کہ: ''الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' (۲:۱۔۲) یہ آیت قرآن کی شان میں ہو یا امامؑ کی شان میں، ہر حالت میں اِس کے اندر یہ فرمایا گیا ہے کہ اِس کے اندر جو ہدایت ہے وہ سب کے لئے نہیں ہے، ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' پرہیزگاروں کے لئے ہے اور اگر یہ بات ہے اور یہ قرآن سے متعلّق ہے تو اِس کو اِس طرح سے لینا ہو گا کہ قرآن کے نازل ہونے سے سے پیشتر اُس سے پہلے سب لوگوں کو پرہیزگار ہونا چاہئے تا کہ اُن کو قرآن سے فائدہ ملے۔ اِس کا مطلب یہ بنتا ہے تو پھر قرآن کا کیا کام ہوا؟ جب لوگ خود بخود قرآن کے بغیر پرہیزگار بن سکتے ہیں تو پھر پرہیزگار بن جانے کے بعد قرآن اُن کو کیا دے گا؟ اور لوگ قرآن کے بغیر کیسے پرہیزگار بن سکیں گے کیونکہ پرہیزگاری تو بہت بڑی چیز ہے وہ تو تمام عبادتوں کا نچوڑ ہے۔ اسلام کے اندر جتنی نیکیاں ہیں، جتنی عبادات ہیں اور جو کچھ ہے پھل، اُن سب کو حاصل کر چکنے کے بعد کوئی شخص پرہیزگار بن سکتا ہے تو پرہیزگاری یوں نہیں آتی ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ قرآن

کے آنے سے پہلے لوگ پرہیزگار تھے اور مکمّل پرہیزگار تھے تو تب یہ قرآن اُن کو ہدایت کرنے کے لئے آیا، یہ بات نہیں بنتی ہے۔ یہاں امامؑ کا ذکر ہے اور جو لوگ امام کو مانتے ہیں وہی پرہیزگار کہلاتے ہیں اور پرہیزگار ہوتے ہیں اور امامؑ سے مزید ہدایت اور مزید فائدہ اُن ہی پرہیزگاروں کو ملتا ہے۔ یہ بات تھی کہ قرآن کی آیات حکمت کی زبان میں ہوتیں ہیں اُن کا سمجھنا عوام کے لئے مشکل ہے اور جو امامؑ کی ہدایت کی روشنی میں اِس سے استفادہ نہ کرے تو اُن کے لئے قرآن کی حقیقتوں کا سمجھ لینا ناممکن ہے۔ پس خوش نصیب ہیں وہ مومنین جو امامؑ کی ہدایت کی روشنی میں اپنی مذہبی زندگی گزارتے ہیں تو وہی پرہیزگار کہلاتے ہیں اُن کے پاس تقویٰ ہے اور اُن ہی کو امامؑ کی ہدایت کی روشنی حاصل ہوتی ہے اور وہی لوگ خدا کے نزدیک پسندیدہ اور منظورِ خدا ہیں، مہربانی۔

اصل میں بعض مثالوں میں لوگ اپنے نظریے اور عقیدے کے مطابق قرآن کو فرقان کہتے ہیں لیکن فرقان اُس زندہ معجزے کا نام ہے جو ہادیٔ برحق میں ہوتا ہے۔ جس طرح اِس آیت کے اندر فرقان موسیٰؑ اور ہارونؑ سے متعلّق ہوگیا اور اگر یہ قرآن کا ٹائٹل ہوتا تو موسیٰؑ اور ہارونؑ کے زمانے میں یہ ٹائٹل پایا نہ جاتا اور دُوسری بات اگر اِس کے باوجود لوگ یہ کہیں کہ نہیں قرآن جس معنیٰ میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا ہے اُسی معنیٰ میں یہ فرقان ہے۔ اگر لوگوں کا یہ دعویٰ ہے تو پوچھنے والا پوچھے گا کہ آج مسلمانوں کے ۷۳ فرقے ہیں اور یہ فرقے الگ الگ اختلاف کی بنیاد پر ہیں تو سب حق پر نہیں ہوسکتے ہیں، کوئی ایک، کوئی بھی ہو، کوئی ایک حق پر ہوسکتا ہے اور سب حق پر نہیں ہوسکتے ہیں یعنی ایک ہی فرقے کا نظریہ صحیح ہوسکتا ہے اور سب کا نظریہ صحیح نہیں ہوسکتا ہے اور حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب قرآن سے وابستہ ہیں تو سوال اِس طرح سے ہوگا کہ اِس صورت میں قرآن کس طرح فرقان کہلاسکتا ہے۔ حالانکہ سب لوگ قرآن کو مانتے ہیں، قرآن کو مانتے ہیں، پیغمبرؐ اور امامؑ کے بغیر قرآن میں یہ بات ہوتی کہ وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا تو دو مخالف گروہ قرآن کے پاس جائیں اور دیکھیں، پوچھیں اور اگر وہ فرقان ہے، حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے تو لازمی بات ہے کہ ایک سے کہے گا کہ تم غلطی پر ہو اور دُوسرے سے کہے گا کہ تم حق پر ہو، اِس صورت میں قرآن فرقان کہلائے اور اگر قرآن یہ کام کرتا تو اُن مسلمانوں کو شرم آتی جو غلطی پر ہیں اور نتیجے کے طور پر سب ایک ہوجاتے، اِس چیز کی بدولت کہ قرآن فرقان ہے کہ وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا ہے اپنے معجزے سے تو ظاہر بات ہے کہ فرقان حق اور باطل کے درمیان فرق پیغمبر کرتا ہے اور پیغمبر فرقان تھا اِس لئے اُس کے زمانے میں فرقے فرقے نہیں تھے اِس لئے کہ پیغمبر اُس سے فرماتا تھا جو غلطی پر ہو اور جو حق پر ہو اُس کی حوصلہ افزائی فرماتا تھا۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے زمانے میں یعنی جو لوگ قرآن کو مانتے تھے جو لوگ رسولؐ کو مانتے تھے اور رسولؐ کے وسیلے سے قرآن کو مانتے تھے تو وہ فرقان تک (appraoch) کرتے تھے یعنی جو پیغمبر کے پاس تھا۔ آج اگر سب لوگ امامؑ کے وسیلے سے قرآن کو مانتے تو پھر وہ فرقان کو جو امامؑ کے پاس تھا

یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا معجزہ، وہ معجزہ علمی ہے اور کوئی معجزہ نہیں ہے یعنی حقیقت کی روشنی میں یہ بتانا کہ یہ غلط ہے اور یہ صحیح ہے یہ فرقان ہے اور یہ کام امامؑ ہی کر سکتا ہے تو لہٰذا زمانہ موسیٰ میں بھی فرقان موسیٰ ؑ تھے اور اُن کے بھائی تھے اور زمانہ محمدی میں بھی فرقان محمدؐ تھے اور علیؑ اور اب محمدؐ و علی کا جو نور امامؑ ہے تو یہی فرقان ہے جو حق و باطل کے درمیان فرق و تمیز کر سکتا ہے۔

سوال: قرآن میں حضرت موسیٰ ؑ اور ہارونؑ کے متعلّق کتنی آیات ہیں؟

جواب: تعداد (index) کے دیکھنے سے پتا چلے گا اِس کی گنتی ضروری نہیں ہے لیکن جو فارمولا یا اُصول ہے وہ ضروری ہے اور یہ ضروری ہے کہ ہم یہ جانیں کہ کسی زمانے میں پیغمبر بھی تھے یعنی موسیٰ ؑ کے زمانے میں اور وصی بھی تھے، اور آسمانی کتاب بھی تھی لیکن اب اِس زمانے میں کیوں ایسا ہونا چاہئے کہ رسولؐ موجود نہیں ہے اور امامؑ بھی نہیں ہے تو پھر کتاب تنہا کس طرح ہو سکتی ہے۔ یعنی میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی عادت تو ایسی ہے کہ وہ کسی چیز کی کمی نہیں کرتے ہیں اور خصوصاً ہدایت کے معاملے میں اور خدا یہ بھی فرماتے ہیں کہ اُس کی سنّت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے تو پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ اگر خدا کی سنّت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے تو زمانہ موسیٰ میں پیغمبر بھی تھے، امام بھی تھے اور آسمانی کتاب بھی تھی تو اب خدا کی عادت میں یہ تبدیلی کیوں آئی کہ پیغمبر بھی نہیں ہے اور بقول دُوسرے لوگوں کے امامؑ بھی نہیں ہیں اور صرف کتاب ہے، تو دُوسرے لوگوں کے قول کے مطابق یہ سوال پیدا ہو جائے گا اور ہمارے نظریے کے مطابق اِس میں کوئی سوال نہیں ہے کہ خدا کی وہی عادت ہے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے کہ ہادیٔ برحق موجود ہے اور اُس کے ساتھ کتاب ہے کیونکہ موسیٰؑ اور ہارونؑ ایک ہی تھے تو اُس سے زندہ ہادی کی ہدایت مُراد تھی تو اب بھی زندہ ہادی کی ہدایت ہے اور اُس کے ساتھ آسمانی کتاب ہے، تو یہی دو چیزیں اِس سے آگے بھی تھیں اور اب بھی ہیں تو خدا کی عادت میں ہمارے نزدیک کوئی تبدیلی نہیں آئی اور دُوسرے لوگوں کے نظریے کو اِس اُصول سے پَرکھ لیں تو پتا چلے گا کہ خدا کی عادت میں تبدیلی آ گئی ہے اور حالانکہ خدا کہتا ہے کہ میری عادت میں کوئی تبدیلی آنے کی نہیں ہے [۳۰:۳۰] جب خدا کہتا ہے کہ میری عادت میں کوئی تبدیلی آنے کی نہیں ہے تو اُس سے مقصودِ خدا یہ ہے اور وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہادیٔ برحق جو پہلے تھا اب بھی ہے اور آئندہ بھی ہو گا تو خدا کی عادت کی تشریح میں سب سے بڑی بات یہ ہے اور خدا کی عادت کو خدا کی سنّت کہا جاتا ہے اور آج دُوسرے لوگوں نے نامعلوم خدا کی عادت و سنّت کی تشریح کس طرح کی ہے۔

سوال: سر! آپ نے پہلے جو باتیں بتائی اُس میں ایک بات آپ نے یہ بتائی کہ امام ہمیں جو اسم دیتا ہے تو اُس کے پیچھے اور ایک اسمِ اعظم ہوتا ہے تو اس سے سر آپ کا کیا مقصد تھا؟

جواب: میں نے شاید اِس طرح سے نہیں کہا تھا، میں نے یہ کہا تھا کہ امامؑ اپنے مُریدوں کو مختلف بول دیا کرتے ہیں ایک تو میں نے یہ کہا تھا اور میں نے (example) کے طور پر یہ کہا تھا کہ اگر دو مومن خدانخواستہ اپنے اپنے بول کو ایک دُوسرے سے ظاہر کریں تو اِن دونوں کے بول بعض دفعہ مختلف ہوں گے اور بعض دفعہ ایک بھی ہو سکتے ہیں اور دُوسری بات میں نے یہ کہی تھی کہ خدا کے جتنے نام ہیں قرآن وحدیث میں سَو نام تو یہ ظاہر نام ہیں اِن میں سے ہر نام کے پیچھے ایک اسمِ اعظم پوشیدہ ہے ہر نام کے پیچھے تو میں نے اِس کے لئے مثال دی تھی کہ علیم خدا کا ایک عام اسم ہے، عالم بھی خدا کا ایک نام ہے، علّام بھی خدا کا ایک نام ہے اور العلام اِس سے خاص ہے اور اُس سے بھی ایک خاص نام ہے جو اسمِ اعظم ہے تو میں نے شاید اِس طرح سے کہا تھا۔

سوال: تو سر! جو اسمِ اعظم ملتا ہے امامؑ کی طرف سے وہ زیادہ تر خدا کے سَو ناموں میں سے ہوتا ہے، زیادہ تر؟

جواب: جی ہاں! اِس میں کوئی شک نہیں لیکن وہ وہی ہوتا ہے جو خدا کے ایک ظاہری نام کے پس منظر میں اُس کے پیچھے (source) کے طور پر ہے یا جو پوشیدہ ہے وہی ہوتا ہے۔

سوال: سر! آپ کا کہنے کا مطلب کچھ یہ ہے کہ جو امامؑ اسمِ اعظم دیتے ہیں تو اُس میں جو ترقّی کی جاتی ہے تو وہ پیچھے والے جو نام ہیں وہ سامنے آتے ہیں، آپ کا کچھ اِس طرح سے مطلب ہے سر؟

جواب: نہیں! امامؑ جو اسم دیتے ہیں وہی آخری اسم ہوتا ہے اور میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی مومن رُوحانی طور پر کامیاب ہو جائے اور خداوند کو منظور ہو تو اُس کو بہت سارے خزانے مل سکتے ہیں گو کہ امامؑ نے اُس کو ایک ہی [اسم] بتایا تھا لیکن امامؑ نے چاہا کہ اُس کی رہنمائی کرے وہ آگے بڑھا تو اُس کو بہت سارے ناموں کے خزانے ظاہر ہو جائیں گے۔ جس طرح کہ آدمؑ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ: ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ'' (۲:۳۱) اور خدا نے آدم کو تمام ناموں کی تعلیم دی۔ اب اِس پر لوگ دو فرقے ہو گئے، اہلِ ظاہر تو یہ کہتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے آدم کو دُنیا کی چیزوں کے نام بتائے کہا کہ درخت ہے، وہ پتّھر ہے، وہ گھوڑا ہے اور وہ گدھا ہے، یہ جنگل ہے اور یہ مٹّی ہے اور یہ دریا ہے اور یہ پانی ہے اِس طرح یعنی ہر چیز کا نام بتایا لیکن اِس مقام پر اہلِ حقیقت کہتے ہیں، کہ اِن دُنیا کی چیزوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے، خدا نے اپنے نام کے خزانے اُس پر کھول دیئے اور وہ اِس طرح ہوا کہ خدا نے آدمؑ کو ایک بول دیا یعنی ایک اسم دیا تو خدا کی مدد اور توفیق سے آدمؑ نے اُس کو مکمّل کیا اُس کو عروج پر اور ارتقاء پر پہنچایا، جیسے ہی اُس نے ایک نام کو عروج پر پہنچایا تو سب نام خدا کے وہ اُس پر جتنے اسمِ اعظم تھے وہ ظاہر ہو گئے، ایک سے دُوسرا اور دُوسرے سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا اِس طرح خدا کے بہت سارے نام ظاہر ہو گئے۔ تو اسی طرح خدا نے ناموں کا علم دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ

خداوندِ عالم نے حضرت آدمؑ کو حقیقتِ اشیاء کا علم دیا۔ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور وہ حقیقت اُس چیز کا اصل نام ہے، مثلاً انسان کی ایک حقیقت ہے تو یہ انسان کی حقیقت اِس انسان کا نام ہے، پتّھر کی بھی ایک حقیقت ہے تو وہ پتّھر کا اصل نام ہے، درخت کی بھی ایک حقیقت ہے تو یہ حقیقت اِس درخت کا نام ہے۔ اسی طرح کوئی چیز نہیں ہے جس کی ایک حقیقت نہ ہو تو ہر چیز کی ایک حقیقت ہے یا چیزوں کی ایک ایک حقیقت ہے تو وہ حقیقتیں اُن چیزوں کے نام ہیں اِس طرح خداوندِ عالم نے تمام چیزوں کی حقیقتیں آدم کو سکھائیں، تو اِس سے آپ کے اُس سوال کا جواب مل گیا اور جس طرح میں نے کہا تھا کہ ایک مومن اگر خوش قسمت ہے، متّقی ہے، ہمّت والا ہے، اور اُس نے اپنے بول کو مکمّل کیا ہے تو پھر اُس کے بعد رُوحانیت کا ایک دروازہ کھل جائے گا اور پھر یکے بعد دیگرے بہت سے اسمِ اعظم اُس کے سامنے آئیں گے۔ چونکہ رُوحانیت جنّت کا رستہ ہے اور جو جنت ہے اُس میں خدا کے نام کے خزانے ہیں تو اسی طرح بہت سے ایسے اسمِ اعظم اُس کے سامنے آئیں گے جو اُس کے گمان میں بھی نہیں تھے۔ ایک تو میں نے یہ بات کہی تھی۔

''الٓمّٓ'' کے بارے میں ''ناصرِ خسرو اور رُوحانیت'' کے نام سے چھوٹی سی کتاب ہے اُس میں ان حروفِ مقطعات کا ذکر کیا گیا ہے اِس کے علاوہ حروفِ مقطعات پر کچھ کام کیا گیا ہے اُس میں بھی اِن کا ذکر ہے اور مختصر یہ کہ یہ امامؑ کا نام ہے اِس میں کہ: ''الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۚ'' (۲:۱۔۲) ''الٓمّٓ'' کے نام سے جو کتاب ہے وہ کتاب، یہ کتاب نہیں ''ذٰلِكَ'' عربی میں اشارۂ بعید ہے، ''ھذا'' اشارۂ قریب ہے، جس طرح انگلش میں آپ کہتے ہیں (this and that) یہ (this) نہیں ہے (that) ہے اور قرآن کو سامنے رکھتے ہوئے 'وہ' کہنا درست نہیں ہے اور اگر یہ بات قرآن سے متعلّق ہوتی تو یہ کتاب کہنا چاہئے تھا۔ جس طرح قرآن کی دُوسری آیتوں میں ''هٰذَا الْقُرْآنَ'' ہے، ''ذٰلِكَ الْكِتَابُ'' سے مُراد وہ کتاب، ایسی چیز کی طرف اشارہ ہے جو سامنے نہیں ہے وہ قرآن سے الگ ہے تو وہ قرآنِ ناطق ہے یعنی امامؑ اِس لئے کہ ''الف'' سے عقل مُراد ہے، ''لام'' سے رُوح یعنی نفس مُراد ہے اور ''میم'' سے جسم مُراد ہے تو انسانِ کامل کے اندر یہی تین چیزیں ہوتی ہیں عقل، رُوح اور جسم تو یہ تین چیزیں جب انسانِ کامل کی مل جاتی ہیں تو ان سے ایک زندہ کتاب قرار پاتی ہے اور جس میں ہر قسم کی ہدایت ہے اور یہ اسپیشل ہے مخصوص ہے اِس لئے آگے چل کر فرمایا گیا کہ اِس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اب دیکھیں قرآن میں ہم اور آپ جا کے پوچھیں تو اُس میں شک ہے، فیصلہ نہیں ہوگا تو اُس میں شک ہے اور اگر ہم دونوں جا کر ہادیٔ برحق کے پاس جائیں گے انسانِ کامل کے پاس جا کے پوچھیں گے تو اُس میں شک نہیں رہے گا: ''ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۚ'' (۲:۲) وہ کتاب ایسی ہے کہ اُس میں شک نہیں ہے کہ اُس سے جو بھی رسائی کرے، اُس سے جو بھی پوچھے تو اُس سے جو بھی ہدایت حاصل کرے تو پھر شک ختم ہو جاتا ہے لیکن قرآن میں اِشتباہ باقی رہتا ہے اور شک ہے اِس لئے اسلام کے اندر ۷۳ فرقے ہو گئے تو ہر فرقے کو دُوسرے کے متعلّق شک ہے اور اپنے بارے میں

بھی شک ہے اور آگے چل کر یہ جو فرمایا گیا کہ یہ جو کتاب ہے یہ متّقین کے لئے ہے تو یہ امامؑ کے لئے مخصوص ہے۔ لہٰذا ''الٓمّٓ'' امامؑ کے لئے ہے اور امامؑ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ: ''ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ''(۲:۲)۔ میں وہ کتاب ہوں جس میں کہ کوئی شک نہیں ہے، تو امام تک کوئی ظاہر میں یا باطن میں (approach) کرے تو نسبتاً کتاب کے مقابلے میں امامؑ میں شک نہیں ہے اور کتاب کے مقابلے میں امام میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔ یعنی امام سے جو مسئلہ پوچھے، امامؑ سے جو ہدایت طلب کرے تو پھر اُس میں شک باقی نہیں رہتا ہے اور قرآن سے پوچھیں تو اُس میں شک ہے۔ اِس لئے شک ہے کہ ہم اپنی عقل سے پوچھتے ہیں قرآن ہم سے نہیں بولتا ہے اِس وجہ سے ہماری عقل کی وجہ سے قرآن کے متعلّق شک پیدا ہوتا ہے، اگر قرآن خود بولتا تو وہ خدا کے کلام ہونے کی حیثیّت سے اُس میں شک نہیں ہوتا قرآن چونکہ خاموش ہے صامت ہے تو وہ نہیں بولتا، ہم بولتے ہیں، تو ہماری جو عقلِ ناقص ہے اِس کی وجہ سے یہاں پر ہم خود ہی اپنے لئے شک پیدا کرتے ہیں اور اگر ہم امامؑ سے پوچھیں تو اُس میں یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی عقلِ ناقص کو وہاں رکھتے ہیں اور امام کو اپنی عقل قرار دیتے ہیں تو امامؑ ہم سے بولتا ہے تو اُس میں شک ختم ہو جاتا ہے، تو آپ ہی اب فیصلہ کریں کہ شک نہیں ہے کا جو وصف ہے اِس کا اطلاق امامؑ پر ہوتا ہے یا قرآن پر تو میں کہتا ہوں کہ یہ امامؑ کے لئے ہے یعنی قرآنِ ناطق کے لئے ہے، قرآنِ صامت کے لئے نہیں ہے اور آگے چل کر جو فرمایا کہ اِس میں جو ہدایت ہے وہ پرہیزگاروں کے لئے ہے تو یہ بات بھی امامؑ سے متعلّق ہو جاتی ہے کہ امامؑ کی ہدایت مخصوص ہے پرہیزگاروں کے لئے اور پرہیزگاری کب ثابت ہوئی تھی، رسول اللہؐ کے زمانے میں جو لوگ خدا کی طرف رسولؐ کی طرف دیکھتے تھے وہ پرہیزگار ہو گئے۔ جو لوگ سیاست میں ملوث ہو گئے تھے اور دنیوی غرض میں ملوث ہو گئے تھے وہ پرہیزگار نہیں رہے۔ جو لوگ غریب تھے، ناچار تھے، کچھ بھی تھے، کچھ بھی تھے مگر کسی غرض میں کسی سیاست میں ملوث نہیں ہوئے تھے اُن کو ہدایت چاہئے تھی تو وہ خدا کی طرف دیکھتے تھے اور رسولؐ کی طرف دیکھتے تھے تو اِس (sence) میں وہ پرہیزگار قرار پائے تو امامؑ کی ہدایت اُن کے لئے مخصوص ہو گئی اور جو پرہیزگار نہیں تھے خود غرضی میں مبتلا تھے، سیاست میں مبتلا تھے اور جن کے اندر شک تھا رسولؐ کے بارے میں وہ شک لا رہے تھے تو وہ پرہیزگار نہیں رہے، تو اِس لئے فرمایا گیا: ''ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ''(۲:۲) اِس کے اندر جو ہدایت ہے وہ پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

حدیث میں علیؑ کی تشبیہہ جو ہارونؑ سے دی گئی تو یہ قرآن کی بنیاد پر دی گئی اور گویا کہ ایک طرح سے (reference) دیا گیا دانشمندوں کو کہ وہ سمجھ پائیں کہ پیغمبر کے ساتھ امامؑ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے، چونکہ قرآن کے سارے مطالب حکمت کے طور پر ہیں لہٰذا بجائے اِس کے کہ علیؑ کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہئے وہ (direct) کہا جائے، یوں کیا گیا کہ وہ سب باتیں ہارونؑ سے متعلّق کر کے رکھی گئیں اور پھر رسولؐ نے اپنی حکمت سے (reference) کے طور پر علیؑ کی

تشبیہہ ہارونؑ سے دی تا کہ دانشمند یہ سمجھ پائیں کہ جتنی آیات ہارونؑ سے متعلّق ہیں اُن کے اندر اشارۃً و بشارۃً علیؑ کا تذکرہ ہے، تو حدیث جیسا کہ آپ جانتے ہیں قرآن کے بعد کی چیز ہوتی ہے لہٰذا قرآن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور اُن تمام آیات کا (reference) دیتے ہوئے پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جو رشتہ یا جو درجہ موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کا تھا وہی مرتبہ میرے نزدیک علیؑ کا ہے تا کہ ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رشتے کو بھی اور ہارونؑ کے درجے کو بھی سب سے پہلے قرآن میں دیکھیں اور پھر اُسی قیاس پر علیؑ کو سمجھیں، علیؑ کو پہچانیں، اُن آیات کی روشنی میں جو ہارونؑ سے متعلّق ہیں، تو یہ قرآن کی عادت ہے اور قرآن کا اُصول ہے اور حدیث کا بھی یہ اُصول ہے کہ وہ حکمت کی زبان میں اشارتوں میں کنایوں میں بات ہوتی ہے۔

اُصول ہے کہ کسی بھی پیغمبر کے بارے میں کوئی خصوصیت بیان کی جاتی ہے، مثلاً فرمایا گیا کہ آدمؑ کے لئے فرشتوں نے سجدہ کیا، اب عوام اِس بات کو نہیں جانتے ہیں کہ ہر پیغمبر میں ہر بڑے پیغمبر میں یہ بات ہوتی ہے، لیکن مومنین اپنی بصیرت سے یہ جانتے ہیں کہ اللہ کا یہ فرمانا کہ آدمؑ کے لئے فرشتوں نے سجدہ کیا تو اِس میں ہر بڑے پیغمبر کے لئے اشارہ ہے اور امامؑ کے لئے بھی اِس میں اشارہ ہے اور اسی طرح ابراہیمؑ کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ سب پیغمبروں کے لئے ہے، مثلاً ابراہیمؑ کے لئے فرمایا گیا کہ وہ بڑے مُوَحِّد تھے (۱۳۵:۲) یعنی خدا کی توحید جاننے والے تو کیا کوئی مومن یہ کہہ سکتا ہے کہ باقی پیغمبر مشرک تھے، نعوذباللہ منہا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک پیغمبر میں کوئی بات اُجاگر کی جاتی ہے تا کہ ایک طرف سے امتحان ہو کہ لوگ کیا سمجھتے ہیں، کیا دوسرے پیغمبروں کو لوگ اِس خاصیت سے اِس صفت سے کمزور مانتے ہیں، اسی طرح فرمایا گیا کہ موسیٰؑ نے خدا سے کلام کیا اور اُس کا ٹائٹل ''موسیٰ کلیم اللہ'' قرار پایا اور حالانکہ حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ہر پیغمبر اللہ سے کلام کرتا ہے، محمدؐ نے کب نہیں کیا اور عیسیٰؑ نے کب نہیں کیا، سب بڑے پیغمبروں نے خدا سے کلام کیا۔ اِس طرح آنحضرتؐ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ آپؐ معراج پر گئے تھے تو معراج کے معنی خدا سے قربت و نزدیکی کے ہیں تو دوسرے بہت سارے پیغمبروں نے بھی یہ قربت و نزدیکی حاصل کی تھی تو اِس طرح سے قرآن کا یہ اُصول ہوتا ہے ایک جگہ پر کوئی ذکر ہوتا ہے اور دُوسری جگہ پر اُس ذکر کے لئے اشارہ ہوتا ہے تا کہ ایک (link) ہو ایک پُل ہو اور اُس پُل سے کوئی جائے اُس حقیقت کو پائے۔

ٹرانسکرائب اور ٹائپ: سیما عظیم علی نظرِ ثانی: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر